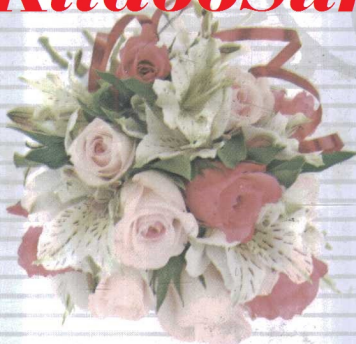


الجمال والكمال

تفسیر
سُورَةُ يُوسُفَ

www.KitaboSunnat.com



تالیف

قاضی محمد سلیمان سلمان بنصیر پوری

مفتی رفیع

محمد زور محمل

مکملہ اسلامیہ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْجَمَالُ وَالْكَحَالُ

تَفْسِيرُ سُرَّةِ الْيُوسُفِ

تأليف

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری

مفتی

محمد رفیع رحمان

www.KitaboSunnat.com

مکتبہ اسلامیہ

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
48	مکہ عالم کے لیے مرکز واحد بنایا گیا	23	مقدمہ (محمد اسحاق بھٹی)
48	ایس پی سکاٹ نے یورپین الٹ کا	33	مقدمہ (مولانا غلام رسول مہر)
48	منع عربی کو بتایا	38	مقدمہ از مصنف
	اسماعیل اللطیفؒ تعدد الہ کے		فصل اول
49	فاضل تھے	42	حروف مقطعات قرآنی بامعنی ہیں
49	انہوں نے عربی کو علی زبان بنایا	42	حصر معانی دشوار ہے
49	زندہ رہنے والی زبان	42	سورتیں جن کا آغاز مقطعات سے ہوا
49	کتب سابقہ کی اسے کافقدان	42	لفظ سورت کے لغوی معانی اور وجہ تسمیہ
50	عربی میں حیات و نمو کی طاقت	42	وہ حروف جو مقطعات میں آئے
50	زبان عربی کی وسیع الحدود و مملکت	42	وہ حروف جو مقطعات میں نہیں آئے
50	انسانی طاقت سے مافوق حالت	43	لفظ آیت کے معانی
50	اولئذ انگش اور عربی قدیم	44	قرآن پاک کے متعلق چار وعدے
50	قرآن مجید اور ۱۳ صدیاں	45	قرآن کو کتاب کہنے کی وجہ اول
50	ایس۔ پی سکاٹ کی رائے عربی پر	45	وجہ دوم - وجہ سوم
51	عربی کا نثر و نظم و موسیقی میں کامل العیار ہونا	46	قرآن پاک کن وجہ سے مبین ہے
51	عربی زبان کی خصوصیات	46	اسم قرآن کے معنی
51	عربی صرف و نحو مکمل ہے	46	اس معنی میں پیشگوئی مضر ہے
51	عربی مصدر کے تین حروف	47	کتاب و قرآن کا آیت واحد میں اجتماع
52	ایک مصدر سے ۶ مصادر	47	قرآن کا عربی ہونا اہل عرب پر احسان ہے
52	خاص معنی کے لیے خاص حرف کی خصوصیت	47	قرآن کا عربی ہونا اہل عالم پر احسان ہے
52	حرف میم کی خصوصیت	47	آخری کتاب کی زبان
53	حرف الف کی خصوصیت	48	زبان جدید
53	اعراب کا اثر معانی پر	48	کیا کوئی یورپین زبان
		48	ابراہیم اللطیفؒ کی رائے کو مقدم

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
60	شمس مونٹ سماعی کیوں ہے	53	اعراب کی طاقتیں
60	چاند کا نام قمر کیوں؟		حروف و حرکات کا تعلق معانی سے
60	ہلال و قمر و بدر	54	معانی کا تعلق حروف و حرکات سے
60	سجدہ کی حقیقت لغوی و شرعی	54	علامہ ابن جنی کا قول
60	لفظ ساجدین کی وجہ	55	علامہ ابن تیمیہؒ
60	خواب یوسف کیوں قابل تعبیر تھا؟	55	صرف کبیرہ ایک لفظ کی ۹۶ شکلیں
61	احادیث میں خواب کے متعلق چند آداب	55	اشتقاق صغیر
62	خواب کی قسم اول	55	اشتقاق اوسط
62	خواب کی قسم دوم	56	اشتقاق کبیر
62	خواب کی قسم سوم	56	خاصیت ابواب
	مبشرات روایئے صادقہ اور	56	لفظ واحد کے معانی کثیرہ
63	1/46 حصہ نبوت کے معنی	56	معنی واحد کے لغات کثیرہ
63	انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں	57	کثرت و قلت الفاظ اور تمدن
64	سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا خواب	57	عربی تنجی سب السنہ سے کم
64	ماذ اتویٰ میں لطافت معنی	57	مخارج و ادائے صوت اور عربی تنجی
64	سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک خواب	57	عربی مستقل زبان ہے
64	ہر دو خوابات میں عدم تاویل	57	توحید خالص اور زبان خالص
65	خواب یوسف اور ضرورت تاویل	57	عقل کی ضرورت
65	اخوة اور اخوان میں فرق	58	احسن القصص
65	آل کے معنی	58	نبی ﷺ کی رغبت کن مسائل پر تھی
66	اضافت آل بڑے شخص کی طرف	58	قرآن مجید اور استدلال و واقعات بشری
66	آل بننے کیلئے قربت نسب ضروری نہیں	58	اسم یوسف کا عربی ترجمہ
67	قرابتی داخل آل ہوتے ہیں	59	مختصر سوانح یوسف علیہ السلام
67	آل نبی کیلئے ایمان و عمل صالح کی ضرورت	59	توصیف یوسف علیہ السلام بزبان نبوی
67	دفع ضرر کی تدبیر ضروری ہے	59	11 تاروں کی روایت
67	حسد کی برائی	59	سورج کا نام شمس کیوں ہے؟

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
75	تقسیم غیر مساوات پر نبی ﷺ کا ارشاد	67	حاسد کو موقعہ حسد نہ دو
75	اخوۃ یوسف و بدویت	67	خواب یوسف سے تین نتائج
75	محمد بن حنفیہ کی حکایت	67	اجتباء کی بحث
75	امام حسنین علیہما السلام کا درجہ	68	نعمت کے لغوی معنی اور استعمال
75	مسلم اور مسئلہ حبیت	69	قرآن مجید و معنی نعمت
76	قرآن اور مسئلہ حبیت	69	نعمت سے کیوں نبوت مراد ہوئی
76	نبی کریم ﷺ احب الخلق ہیں	69	زید بن حارثہؓ کا درجہ
77	عصبہ کا اطلاق	70	یعقوب علیہ السلام کا حسن ادب
77	خود رائے و اطاعت	70	آل الرجل میں خود اس شخص کی شمولیت
77	تحسین عمل اپنی رائے سے	70	صحیحین میں الفاظ درود
78	نیک مقصد کے لیے عمل بد	71	مفعول و فاعل کے اسماء اور فرق معانی
78	گناہ بامید توبہ	71	اسم الہی کا مدلول آیت سے تعلق
78	قیاس اور عمل صالح	71	آیت میں علیم و حکیم لانے کی خوبی
79	عمل صالح کی تعریف		فصل دوم
79	مسئلہ توبہ اور اعتراض	72	عناد کا آغاز
79	گناہ و جہالت، توبہ و غفلت	72	برادران یوسف کے نام
80	روبن ماعقل	72	برادران یوسف ہرگز نبی نہ تھے
80	مدار اعمال نیت پر ہے	72	ابن حزم - ابن کثیر و خازن
	فصل سوم	73	کتاب الفضل
81	یوسف کی درخواست	73	آیات للمسائلین کی پیش گوئی
81	الدین الحق	73	واقعات مصر و کنعان مکہ و مدینہ میں
81	خلوص اور حدیث نبوی	74	10 بطون قریش اعداد رسول
81	غذا اور امس کا استعمال	74	بنوئی یا بنیامین
82	برادران یوسف کا انداز کلام	74	بن یامین کا مختصر ترجمہ
82	جواب یعقوب اور تہذیب کلام	74	حبیت
83	غفلت اور خطر ناک نتائج	74	فرزندان اسرائیل کا الزام غلط تھا
83	جدال لفظی	74	فعل التفصیل میں واحد و ماضی

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
92	صبر اور انواعِ علوٰیہ	84	عمر یوسف چاہ میں گرانے کے وقت
93	مدار ایمان استعانت باللہ پر ہے	84	قرآن - لفظ واحد - معانی کثیرہ
93	سورۃ الحمد کا بار بار نماز میں پڑھا جانا	84	ایجاز کلام کا نمونہ
94	اللہ کے بندہ کی شناخت	84	لَا يَشْعُرُونَ كَاتِلِق
	فصل پنجم	84	قنارہ سید المفسرین
95	چاہ پر قافلہ کا آنا - واردگانام	84	افعال انسانی والطاف رحمانی
95	عربی میں بچہ کے لیے مختلف لغت		فصل چہارم
96	شُرُوف کی ضمیر	86	برادرانہ یوسف کا شام کو گھر آنا
96	بھائیوں نے یوسف کو فروخت نہ کیا تھا	87	مومن کے معنی
	زبد کے لغوی واصطلاحی	87	گل کاری کا کرتہ
97	معنی اور حدیث	87	روایت ابن عباس
97	امام زہری کا قول		قول ابناع یعقوب کے کاذب ہونے
98	اسلامی زہد اور ہندوانی جوگ	87	کے قرآن
98	یوسف کو مصر لے جانے والے	88	صبر جمیل واستعانت باللہ
98	چاہ میں رہنے کی مدت	88	قرآن کے 90 مقامات میں تعلیم صبر
	فصل ششم	88	صبر کی 16 انواع قرآن مجید میں
99	عزیز مصر کا نام اور منصب	88	صبر کرنے کا حکم - تہی از بے صبری
99	زیلغانام کسی معتبر کتاب میں نہیں	89	صابرین اور معیت الہی
99	مصر کی وجہ تسمیہ	89	صابرین اور محبت ربانی
99	مصر کا محل وقوع	90	صبر کی افضلیت - صبر پر بے حساب اجر
100	حدود داربعہ مصر	90	نصرت اہل صبر
100	وضع طبعی مصر	90	اہل صبر ہی اہل عزیمت ہیں
100	مساحت مصر	90	اہل صبر اور حظوظ عظمیہ
100	آبادی مصر	91	صبر اور رسائی مطلوب
100	اہرام مصر - آثار قدیمہ	91	صبر اور امامت
100	ابوالہول	91	صبر اور مقامات دیگر
101	مصر کے پہاڑ	91	صبر و شکر پر حدیث صحیح
101	دریائے نیل	91	قرآن اور تعلیم صبر کے 16 طریقے
101	طول	92	حقیقت صبر

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
107	دولت البوبیہ	101	نیل کے ہر سہ منبع مسلمانوں نے دریافت کئے
107	دولت ممالیک	102	نیل کے معاون دریا
107	دولت چراکسہ	102	نیل کی شاخیں
107	خلافت عثمانیہ	102	نیل کے مختلف نام
107	دولت خدیویہ	103	کمی و افزونی نیل کی تاریخیں
108	مصر کے شہزادہ شہر	103	نیل اور پاکرہ کی بھینٹ
108	القاہرہ	103	عمر فاروق کا اس رسم کو بند کرنا
108	جامع ازہر	103	فرمان امیر المومنین بنام نیل
108	اسکندریہ کا کتب خانہ	104	حسن و جمال مصر - ملکہ کلیو پیڑا
108	ابوالفرق یہودی کا افتراء	104	دینی تاریخ کا تعلق مصر سے
109	تعداد کتب شاہد برکذب ہے	104	مصر کا ذکر قرآن پاک میں
109	قصبہ سویز	104	فتح مصر کی پیش گوئی حدیث میں
109	نہر سویز اور لاگت	105	مصر اور مصاہرت انبیا
109	عمرو بن العاص کا خط امیر المومنین کے نام	105	مصر اور ولادت انبیا - مصر اور داخلہ انبیا
112	لاش فرعون اور اعلان قرآنی	105	قرآن پاک اور مومنین مصر
112	قبادام شافعی	105	مصر اور تاریخ اسلام
112	مزار راس حسینؑ	106	سفیر نبوی اور شاہ مصر کی گفتگو
113	خرید و فروخت غلامان بعبید قدیم	106	مفتوح کا انجام
113	پولوس اور تائیہ غلامی	107	تعداد لشکر اسلام بوقت فتح مصر
113	غلام جو امام بنے		چار صحابہ کہ ہر ایک ان میں سے
113	غلام جو بادشاہ بنے	107	ہزار مرد کے برابر سمجھا جاتا ہے
113	اسلام اور اصلاح غلامی	107	امارت بنو امیہ
113	رسم تنبیت	107	خلافت عباسیہ
114	متبیت قدرت کی گستاخی ہے	107	دولت طولونیہ
114	تنبیت کا کڑوا پھل	107	دولت اشیدیہ
114	عورت کی بد نیتی اصل و نقل میں فرق	107	دولت عبیدیون

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
124	وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا مَعْنَى	114	یوسف و موسیٰ علیہما السلام اور مسئلہ تنبیہ
124	بعض معانی کا عقل و شرع کے مخالف ہونا	115	اسلام اور نسخ تنبیہ
124	راویوں کا بے سروپا ہونا		فصل ہفتم
124	ان روایتوں میں تضاد اور تناقض ہے	116	تمکین یوسف - خلافت راشدہ اور تمکین
124	امام ابن حزمؒ کی تفسیر	116	عزیز کے گھر میں یوسف کی مختاری
125	فخر رازی نے اتباع کیا	117	اللہ تعالیٰ کے عجیب کام
125	ابو حاتم و ابو عبیدہ کی تائید	117	جوانی یوسف اور مختلف اقوال
125	بیضادی کا اعتراض	118	اسلام و سنہ و سال بلوغ
125	رازی کا جواب	118	اعطاء و ابتداء میں فرق - حدیث میں معنی احسان
125	ایک اور معنی		فصل ہشتم
125	یہ اور یہا کے مرجع	119	یوسف علیہ السلام کا ہر معنی میں محسن ہونا
126	کشاف اور معنی ہم		الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا كَالسُّلُوبِ كَلَام
126	ہمت بہ کے معنی از احمد بن یحییٰ بن ثعلب	119	اور عورت پر احسان
126	آیت کا صاف ترجمہ	120	یوسف پر احسان
126	نظم قرآنی پر غور و تدبر	120	سایہ عرش بیوم قیامت
127	برہان، مادی و غیر مادی پر اطلاق	121	ارتکاب فواحش اور تدبیر فساد
127	لَوْلَا کا جواب محذوف	121	اوصاف حدیث یوسف میں جمع تھے
128	برہان رب اور ضعف روایات	121	هَيْتَ لَكَ کے معنی صحیح بخاری
128	کعب قرطبی	122	اِنَّهُ رَبِّي کی ضمیر کا مرجع
128	معنی برہان اور ابن حزم	122	زانی ظالم ہوتا ہے
128	وعظ یوسفی برہان رب تھا	122	زنا ظلم بر خود ہے - زنا خاندان زانی پر ظلم ہے
129	سوء و فحشاء کا فرق	123	زنا زانیہ پر ظلم ہے
129	عبد من جانب اللہ پیارا خطاب ہے	123	زنا خاندان زانیہ پر ظلم ہے
129	معراج نبوی اور خطاب عبد	123	زنا شوہر زانیہ پر ظلم ہے
129	اخلاص کے لغوی معنی	123	زنا ہونے والے شوہر پر ظلم ہے
130	اخلاص کے شرعی معنی - اخلاص و صدق میں فرق	123	زنا مولود پر ظلم ہے
130	اخلاص و صدق میں ترتیب	123	زنا ملک و قوم پر ظلم ہے

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
139	الزام بروئے تعزیرات ہند	130	قرآن اور تاکید اخلاص
139	نقد ان شہادت اور استدلال بقرائن	130	خواجہ فضیل بن عیاض ومعنی اخلاص
139	فیصلہ جات علی مرتضیٰ و عمر فاروق رضی اللہ عنہما	130	اخلاص پر حدیث قدسی
139	قاضی شریح و کعب و ایاس کا ذکر	131	بلاغت قرآنی اور یوسف کا مخلص ہونا
139	اِنَّ تَحْبِدُ کُنْ شوہر زن کا مقولہ ہے	132	یوسف علیہ السلام کا بھاگنا
139	اس مقولہ کے وقت شوہر زن کی حالت	132	کرتہ کا بچھٹنا آخری دروازہ کے قریب تھا
139	قرآن میں مسلم مرد و عورت کے فضائل	132	قَد اور قَط میں فرق لغوی
140	قرآن میں مومنہ عورتوں کی مدح	133	سید کے معنی
141	قول عزیز مصرا اور عورتوں کی تذلیل	133	امراۃ العزیز کے لونڈی ہونے کا مظنہ
141	قدیم عیسائیوں میں عورت کا درجہ	133	زوجین میں تساوی و تشاکل ضروری ہے
141	یوسف علیہ السلام کا حلم	133	لونڈی سے جواز نکاح
141	شاہد عورت کی حمایت نہ کر سکا	134	اس نکاح کی شروط - ارادہ کے معنی لغوی
141	مکاند شیطانی پر تقویٰ و خشیت کی فتح	134	امراۃ العزیز نے کس معنی میں لفظ ارادہ
141	نصرت اللہ - گناہوں سے بچنے والوں کے ساتھ	134	کا استعمال کیا
141	فصل دہم	134	بِأَهْلِكَ کہنے کا مدعا
142	تعمین نسوہ کی ضرورت نہیں	134	عورت کا پلٹ کر کھانا
142	مدنی و مدینی کا فرق	134	عبرت فساق
143	زنان مصر نے محبت غلام کا طعنہ دیا	135	عشق شہوانی مبدل بانقحام شیطانی
143	باایمان عورتوں کی مدح	135	مرشد علیہ السلام کا واقعہ
143	معنی مکر - مکر و غیبت کا تعلق	136	مرشد کو عناق سے نکاح کی اجازت نہ ملی
143	مُتَعَبًا کے معنی مکر سے	136	آیت الزَّانِجِي لَا يَنْكُحْ پرنوٹ
144	چھری کانٹے سے کھانے کا رواج	137	فصل نہم
144	حسن یوسف و بائیل	138	لفظ شہادت کے معنی - کیا شاہد یوسف شیر خوار تھا
144	حسن یوسف وحدیث	138	شوہر زن کے سامنے یوسف کا بیان
144	انسان یا فرشتہ	138	اس روایت کا صحیحین کے خلاف ہونا
144	انسان کو فرشتہ کہنا تعریف نہیں	138	اقوال تابعین و عمر شاہد - شاہد عورت کا حمایتی تھا
		138	حمایت بے جا میں بارشوت کا الٹنا

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
151	معنی سہج	145	صاغر کے معنی ازراغب
152	جہمیہ والہ بدعت	145	امراۃ العزیز کی فتح عورتوں پر
152	معنی علیم	145	عصمت یوسف پر عورت کا اقرار
152	قوآن میں پیش گوئیاں اور علم	146	ہوائے نفسانی کی ناپائیداری
152	خلافت راشدہ کی پیش گوئی	146	محبت لذت
153	علم الہی ماضی و حال و استقبال	146	محبت نفع
153	علم الہی برجزئیات و کلیات	146	محبت خیر
153	حرف ثم		فصل (11)
154	اہل دنیا کا جھوٹا غرور	147	معصیت و مصیبت کا مقابلہ
154	بے گناہی یوسف کے نشانات	147	صبا کی وجہ تسمیہ
154	امرائے مصر کے جاہلانہ اختیارات	147	معصیت اور رجوع الی اللہ
154	مصائب انبیاء اور ان کا راضی بقضا ہونا	147	معصیت و مصیبت
	فصل (12)	148	لا حول ولا قوۃ کے معنی
155	قیدیوں کے خواب تعبیر اور توحید کا اظہار	148	قول یوسف علیہ السلام پر غور
155	خر کے لغوی معنی۔ مے کے لغوی معنی۔ ابتدا	148	مبادیات زنا کی حرمت
155	جسید کے عہد کا قصہ	149	غیر مجرم سے ترک پردہ
156	جام جم کی حقیقت	149	استجاب دعا
156	شراب ام النجاشہ ہے	149	قبولیت دعائے نوح علیہ السلام
156	حرمت شراب پر حدیث مسلم	149	ادعیدہ ابراہیم علیہ السلام
156	حکم حرمت خمر۔ عمل مسلمین	150	دعاء یایوب علیہ السلام
157	پولوس اور اجازت شراب	150	دعاء یونس علیہ السلام
157	انگور بمعنی خمر	150	دعاء موسیٰ علیہ السلام
157	یوسف علیہ السلام اور انتظام زندان	150	دعاء زکریا علیہ السلام
157	قیدیوں کے خواب	150	دعاء والدہ مریم
	فصل (13) جیل میں تبلیغ	151	دعاء نبوی ﷺ
158	خاصان ربانی کا شیوہ تبلیغ	151	قبولیت بشکل دیگر
		151	سمع علیہم

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
165	مختلف اسماء کو رب بنا لیا گیا	158	یوسف علیہ السلام اور مواقع تبلیغ
165	واحد حقیق صرف اللہ تعالیٰ ہے	158	تبلیغ کی تدابیر
165	جملہ مخلوق کی پیدائش دو چیزوں سے ہے	158	قیدی اور خوراک
165	ستار کے معنی	159	تمہید تبلیغ اور فوائد
165	بہت ٹھاکر یا واحد اللہ	159	تعلیم الہی - اثبات پر تقدم نفی
166	بطلان شرک پر دوسری آیت	160	کلمہ لا الہ الا اللہ
166	لفظ سلطان پر بحث - اولین سلطان	160	ایمان بر قیامت
167	فرضی دیوتاؤں اور دیویوں کی نفی	160	اقرار توحید کے ساتھ اقرار نبوت
167	مشرک اپنے معبود خود بناتے ہیں	160	لفظ ملت کا عام و خاص استعمال
167	جواز شرک پر کوئی دلیل نہیں	160	ابراہیم علیہ السلام کا مختصر حال
167	حکم وہی صرف اللہ ہی کا کام ہے	160	مہاجر، مجاہد، بانی کعبہ
167	اللہ نے توحید کا حکم دیا	161	محمود، عالم، ناسک، مناظر
167	نماز میں اقرار اور پھر انکار	161	مناظرہ ہونا
168	دین القیم	161	غزوات ابراہیمی
168	سچے مذہب کے اصول	161	احق و یعقوب کا مختصر حال
169	وعظ یوسفی اور توحید	161	شرک کی اجازت کسی کو بھی نہیں
169	مسلمان اپنے دل کی جانچ کرے	162	انبیاء اور دشرک
169	مسلمانوں کی جھوٹی تاویلیں	162	شرک منافی فضیلت انسانی ہے
169	رَبُّہُ کہنے کی وجہ	162	مشرکین کے شرک کی چیزیں
169	صلیب	163	شرک کی تعریف
170	عیسائیت اور صلیب	163	شرک کی دو بڑی نوعیں
170	قرآن اور نفی تصلیب مسیح	163	ہندوستانی مسلمانوں میں شرک
170	متھر ازم اور شکل صلیب	163	عدم تدبر قرآن
171	قسطنطین اور علامات بت پرستی	164	اسلوب کلام
171	یورپ قبل از عیسائیت سورج پرست	164	صاحبی السبجن کی بلاغت
171	تصلیب کا رواج قدیم	164	پٹھانوں کی قوم جو اباب کہلاتی ہے
171	حسن مصاحبت یوسف	164	

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
177	تضعیف روایت متعلق ضمیر	171	انبیاء کے اخلاق کریمہ
177	آیات سے استدلال	171	عیب سامنے نہ جتاؤ
177	عزیزہ امراۃ العزیزہ کو رہائی سے لاپرواہی	171	تعبیر خواب بائیکھل اور اسلامی روایات
178	بضع سنن	172	تعبیر تین دن بعد پوری ہوئی
178	سورہ روم میں بضع سنن	172	خواب ربیعہ اور تعبیر فاروقؓ
178	صدیق والی خلف کی مناجت	172	مسند احمد کی حدیث دوبارہ تعبیر
178	شرط اور صدقہ		فصل (13) تدبیر رہائی
178	جواز سو پر غلط استدلال	173	ظن کے متضاد معنی اور محل استعمال
178	چار دلائل - مسلمانوں کی سقیم الحالی	173	تدبیر یوسفی - ضابطہ اپیل
179	سود دنیا موجب سقیم الحالی ہے	173	اپنی بہبود و سود کی تدبیر
179	قیام بیت المال کی ضرورت	174	سنت یوسفی سبق آموز ہے
179	علماء کرام کی توجہ در کا ہے	174	ایک حدیث کی تضعیف
	فصل (14) خواب شاہ	174	قرآن و ترک تدبیر
	در جوع یوسف	174	توانین کو نیہ و اسباب
180	خواب شاہ - نام شاہ و خاندان	174	بیان اسباب و طرق قرآن
180	فرعون یوسف علیہ السلام و فرعون موسیٰ علیہ السلام	175	دو حدیثوں کا ذکر
180	معنی تعبیر	175	طاہعون اور فاروق و امین الامت
181	مصر قدیم اور پرستش گاہ	175	عمل تدبیر خلاف تقدیر نہیں
181	خواب کیوں دہشت انگیز تھا	176	اہل توکل کون ہیں
181	اہل دربار باتونی تھے	176	فعل یوسف سنن ہدیٰ سے تھا
182	ساقی کا درجہ اور طبیعت	176	جنگ احد و بدر - احزاب و حنین کی تدابیر
182	در باروں کے اکثر لوگ	176	ترک تدبیر توکل نہیں
182	صدق کا بیان	176	ساقی کی فراموش کاری
182	معنی صدیق - ابراہیم صدیق	177	شراب کا اثر بد
182	ابوبکر صدیق	177	انسانہ الشیطن کی ضمیر
183	جَاءَ بِالْصِّدْقِ وَ صَدَّقَ	177	ائمہ اسلام اور بائیکھل

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
191	مجاہد ابن عباس رضی اللہ عنہما	183	صفت صدق
191	تفسیر ماری	183	تفاوت درجات صدق
191	لیعلم کا فاعل	183	صادق - صدوق کا بیان
192	ضمائر دیگر	184	صدق کی تعریف
192	اقبال جرم اور تعجب	184	صفات صدیق از شاہ ولی اللہ
192	فطرت انسانی اور اقبال جرم	184	ابوبکر کا صدیق ہونا
192	اقبال سے اثبات عصمت یوسفی	185	ثانی اثنین ہونا
193	ہم بھا کے غلط معنی کی تغلط	186	خود غرض لوگ
193	آناؤ اؤڈتہ پر نظر ثانی	186	تعبیر یوسف
193	نفس کی تعریف	187	مصر میں سبب قحط
193	جہل و علم - ظلم و عدل	187	خواب سے بڑھ کر تعبیر
194	نفس امارہ	187	پندرہویں سال کا حال
194	نفس لوامہ	187	یوسف علیہ السلام کے اعلیٰ اوصاف
194	نفس مطمئنہ	187	فصل (15) عدالتانہ تحقیقات
194	اعتراف و عذر گناہ	188	یوسف علیہ السلام کی طلبی اور انکار
194	إِلَّا مَا رَجِمَ رَبِّيَ كَمَا شَاءَ إِلَيْهِ	188	عدالتانہ تحقیقات کا مطالبہ
194	عَفْوُ الرَّجِيمِ پر خاتمہ آیت	188	یوسف کے اوصاف حزم و درہنہ
195	عورت کی جوانی و نکاح	188	فصل (16)
195	فخر رازی اور والدہ فرزند ان یوسف	189	عورتوں کا متفقہ بیان
195	بائبل کا بیان	190	امراۃ العزیز کا اقبال جرم
195	زوجہ یوسف کا نام اور خاندان	190	امراۃ العزیز کا قول تاغفور الرحیم ہے
195	فوطی فار - فوطی فرع	190	مفسرین نے دو اقوال بتلائے
195	ہردو میں وجوہ امتیاز	190	خلش سینہ
195	منسی اور فراہیم کے معانی	191	فرہ انخوی کا قول
196	امراۃ لوط و نوح علیہما السلام	191	قرینہ صارف کی عدم موجودگی
196	دنیا میں عذاب	191	علامہ ابن تیمیہ
196	امراۃ العزیز کی اخلاقی صورت	191	علامہ ابن کثیر

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
203	یوسف کو نہ پہچاننا	196	نیک دل لوگوں کی باتیں
203	بن یامین کو ساتھ لانے کا اقرار	196	عشق نفسانی و حب ایمانی
204	یہ اقرار کس طرح کیا گیا	197	مہاجرات و انصاریات کی حب ایمانی
204	قیمت غلہ کی واپسی	197	نبی ﷺ کا حسن مردانہ
204	صلہ رحم و احسان براخوان	197	حدیث جابرؓ
204	غیر ضروری بحث	197	حدیث ربیعؓ
205	برادرانِ یوسف کی واپسی	197	حدیث انسؓ
205	حرص مفراطہ خبیوں کو چھپا لیتی ہے	198	اسلام اور واقعہ امراۃ العزیز
205	رحم کے معنی	198	امراۃ العزیز اور صحابیات
205	ارحم الراحمین	198	فصل (16) یوسف و داخلہ دربار
205	یعقوب علیہ السلام کا جواب	199	مکالمہ اور عزت
205	سفر طائف میں دعائے نبوی	199	شاہ اور صدیق کی قدر و قیمت
206	جھوٹ کی برائی	199	صبر و عصمت کے ثمرات
206	جھوٹ کا چھٹ سکتا	199	اہل توحید کے لیے غور
206	واپس شدہ مال پر خوشیاں	199	مشرک کیوں مغضوب رب ہے
207	ہذبہ کے معنی	199	طلب منصب
207	بَعِیْز کے لغوی معنی	200	مفت خوری اور بلند ہمت
207	قطب میں تقسیم غلہ کا طریق	200	ملازمت غیر مسلم
207	امین الامت کا انتظام خوراک	200	ضرورت پر اوصاف خود کا اظہار
207	تغلیط روایت کے مال و اسباب و آزادی	200	وزیر خزانہ کے دو اوصاف
207	کے بدلہ غلہ دیا گیا	200	اعزازِ یوسف و اعلانی شاهی
208	مطالبہ عہد	201	حکومت رحمت ہے
208	إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ	201	نا اہل لوگ حکومت کو برا بنادیتے ہیں
208	تدبیر انسانی اور شرط ایمانی	201	خلافت نتیجہ ایمان و عمل صالح ہے
208	باب واحد سے عدم داخلہ	201	آیت استخلاف
208	وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلْ	203	فصل (16) قحط و برادرانِ یوسف
			بھائیوں کا یوسف کے سامنے آنا

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
214	بیان فرزند ان یعقوب علیہ السلام	208	نظر بد
214	تاقسمیہ صرف اللہ پر	209	غرض یعقوب علیہ السلام
214	ملت اسرائیلی اور سرقت کی سزا	209	افواج کی روانگی مختلف اطراف سے
214	حلاشی اور برآمدگی	209	فتح مکہ میں معلیٰ و مسفلہ کے راستے
214	کید کی مختلف معانی	209	عمل براسباب و انقطاع از اسباب
214	لَمْ یُکَذِّبْ بِرَأْهَا	209	ارتباط دل بامسبب الاسباب
215	کِذْنَا سے حفاظت یوسف	209	انجام توحید توکل ہے
215	کِذْنَا سے احتیال باطل کی روک تھام	209	توکل ہی حقیقت توحید ہے
215	احکام مختص	210	فصل (17) بن یامین - یوسف کا
215	انباء یعقوب سے مثل بمثل معاملہ	210	شناخت کیا جانا
215	زبان دانی کی ضرورت ہے	210	یعقوب علیہ السلام زو علم تھے
216	جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةً کے معنی	210	علوم انبیاء اکسائی نہیں
216	نَجَّ اور سزائے مجرم	210	اَتَكْفُرُ النَّاسُ لَا يَعْلَمُونَ کا اشارہ
216	حضرت یوسف اور ملکی قانون	210	اقوال و افعال نبی - نبوت و بشریت
216	غیر اسلامی سلطنت کے مسلم ملازمین	211	حدیث تائیر
216	قانون بین الاقوام	211	واقعہ مغیث و بریرہ
216	سیدنا سعد بن معاذ و فیصلہ یہود	211	اَوٰی اِلَیْہِ
216	عمدہ فیصلے اور علم	211	ایک دعا کے الفاظ
217	رفعت درجات و علم	211	اِبْتِغَاس
217	عالم پر عالم	212	ساغر کا واقعہ
217	معنی علیم	212	غیر کے لغوی معنی اور استعمال
217	بطون مادری پر تقسیم	212	اِنَّکُمْ لَسَارِقُونَ کا قائل
217	قَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّہُ	213	صَوَاعِغ کے معنی
218	راویوں کی جانچ	213	مختلف دھاتوں سے پیالہ کے نام
218	محدثین کرام کی مساعی جلیلہ	213	حمل در حمل میں فرق
218	اصول محدثانہ کا نفاذ	213	تغیر حرکات سے تبدیلی معنی
		213	برآمدگی سرقت پر انعام

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
225	صدقہ اور اولاد نبی	218	یوسف علیہ السلام کا حلم
225	اہل بیت پر حرمت صدقہ	219	یعقوب کا بڑھاپا
225	حدیث مروی امام حسین علیہ السلام	219	شیخ
225	یوسف صدیق پر اثر گفتگو	219	عمر یعقوب
226	یوسف اور شفقت آمیز سوال	219	مجرم اور دوسرے کی گرفتاری
226	بن یاسین و ابنائے یعقوب علیہ السلام	219	وَجَدْنَا مَتَاعَنَا کی بلاغت
226	یوسف کی شناخت ہو گئی	219	برادران یوسف کا مشورہ
227	شناخت کیونکر ہوئی	220	معنی فرط
227	شناخت کی وجوہ ہشت گانہ	220	قول ابن عباسؓ بٹشان طیبہ عائشہؓ
228	پہلے شناخت نہ کر سکنے کا سبب	220	فرق افراط و تفریط
228	دماغ انسانی اور اثر امتداد زمانی	221	قریب کے معنی لغوی و اصطلاحی
228	گناہ اور جہالت	221	مصر - قریہ - بلد
228	کمی جہل اور افزونی عرفان	221	مختلف اجناس کی بار برادری کے نام
229	اطمینان برادران	221	ابناء یعقوب کی دو تقریریں
229	معنی تقویٰ اور نتیجہ	222	یعقوب علیہ السلام اور غیر متزلزل قلب
229	سلاک کی ابتدا و انتہا	222	معنی کظم
229	صبر کے معنی و اقسام	222	کظم و حزن
230	اخلاق فاضلہ کی تعریف	222	تبخیض عین
230	اعتراف برادران	222	بصارت یعقوب
230	فرق غلطی و خطی	223	مراتب مرض اور معنی حرص
230	حیات یوسفی کا دوسرا شاندار نظارہ	223	بَنَتْ وَ حَزَنْ
231	دلداداری و درگزر	223	یعقوب علیہ السلام مقام تفویض و رضا
231	تقریب کے لغوی معنی - محاورہ - تطبیق	223	شوکت کلام الہی
231	اسم پاک الہی - امید غفران	224	فرق تجسس و محسوس
231	یوسف کب پہچانے گئے	224	فرق جاسوس اور عین
		224	روح الہی سے یاس کفر ہے
		224	توحید و تفویض کی تعلیم
		224	برادران یوسف - عاجزانہ گفتگو

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
237	کیا یوسف صرف جہت سجدہ تھے		فصل (18) قیص یوسف،
237	سجدہ غیر کے متعلق علماء کرام کی ایک تعلیم		بصارت یعقوب
237	عہد یوسف میں مفصل شریعت نہ تھی	232	بنی اسرائیل کا مصر جانا
237	شریعت موسوی اولین شریعت ہے	232	قیص کے لغوی معنی
237	زوجگان یعقوب خواہران حقیقی	232	وجہ تسمیہ فرق قیص و وزع
237	سجدہ شکرانہ بجا زات الہی	232	یوسف علیہ السلام کا پہلا، دوسرا، تیسرا کرتہ
238	حکم الہی کے بغیر گوارانہ کر سکتے	232	موش حقیقی اللہ تعالیٰ ہے
238	والدین اور ترقی فرزند	233	نکبت یوسفی
238	حمد الہی بزبان یوسف	233	أَبُوهُمْ
238	مرشد کو مرید کا یا مرید کو مرشد کا سجدہ	233	رجز نبوی بمیدان حنین
238	یوسف علیہ السلام اور حسن ادب	233	علم غیب اور انبیا
238	صحرائی زندگی اور مدنی زندگی	233	یوسف اور چاہ کنعان
239	صحرائی زندگی پر فقرہ حدیث	233	قطعہ سعدی شیرازی
239	میکفت گدا بودن کنعان خوشتر	234	نبیرگان یعقوب کا گستاخانہ کلام
239	معنی اسم الہی لطیف	234	بشیر یہود اٹھا
239	مناسبت اسم مذکور	234	اعتماد الہی کا نتیجہ
239	ان واقعات میں احسان بر یوسف علیہ السلام	234	ابنائے یعقوب اور اقبال جرم
239	ان واقعات میں احسان بر یعقوب	235	درخواست مغفرت۔ التوائے درخواست
239	انسان کو کیا لازم ہے	235	روایت تخصیص شب جمعہ
240	مسلمانوں کو کیا لازم	235	انتظار بہم
240	اقبال اور عفو	235	بیس سالہ روایت کی تضعیف
240	مدت فراق یعقوب		فصل (19) داخلہ مصر،
240	مصر جانے والے		ملاقات پدر و پسر
240	اعداد بائبل میں غلطی	236	سوتیلی ماں کا درجہ
240	جاء کُم کی تفسیر	236	تعظیم والدین
240	کتاب الاعمال کی تعداد	237	حَرُّواْ لَهُ سَجْدًا کی توجیہات
241	جدول بنی اسرائیل بوقت خروج		

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
254	علم برتر از حکومت ہے	243	تقید بر اعداد
255	حکومت بلا علم حماقت ہے	244	میعاد قیام بنی اسرائیل
255	علم بلا حکومت بے ذیبت ہے	244	اسماء عبرانی کے معانی
255	آخرت اور اس کی تکمیل	245	یعقوب و موسیٰ علیہما السلام کے ارشادات
255	اسلام پر مرنے کی علامات	245	انباء اسرائیل کی نسبت آخری وقت میں
255	دعا برائے مسلمانان		فصل (20) دعا و ثنا
255	دعاے یوسفی پر مکرر غور		منجانب یوسف علیہ السلام
255	ارادہ دعا شاہراہ کامیابی ہے	251	فاطر
256	علامت اجابت	251	رب العالمین ہی ولی المؤمنین ہے
256	انہماک دعا اور قرب الہی	251	تَوَفَّی
256	غلط کہ دعا قبول نہ ہوگی	252	الفاظ مؤمن و مسلم کا فرق
256	مبارک کہ جنہیں دعا مانگنا آتا ہے	253	قرآن مجید میں صالحین
256	بندہ کا مالک پر اعتماد	253	شمولیت صالحین مستقل دعا ہے
256	محبت رحمانی - رحمت ربانی	253	دعاے یوسفی کے اجزاء
257	ہیبت جلالی - شفقت قیومی	253	احسانات مادی و روحانی کا اعتراف
257	غنائے عزیزی	254	حمد و ثنا
257	بندہ سوئی نامراؤ نہیں ہو سکتا	254	اللہ تعالیٰ کی ولایت فی الدارين
257	دعاے یوسف میں سوال موت نہ تھا	254	وہ انبیاء جن کو حکومت ملی
258	نقصان اور دعائے موت	254	حکومت بری چیز نہیں ہے
258	امیر المؤمنین سیدنا علی علیہ السلام کی دعا		بروں کے پاس جا کر حکومت بری بن
258	امام المحدثین بخاریؒ کی دعا	254	جاتی ہے
259	حالات اقوام ماضیہ و اخبار غیب	254	خلافت میں حکومت و روحانیت کا اجتماع
259	آرزوئے نبوی ﷺ	254	مسلم اور اہلیت حکومت
260	نبی ﷺ نے لوگوں کو آگ سے بچایا	254	حکومت و خدمت دین
260	کسی نبی نے اجر نبوت نہیں لیا	254	حکومت اور ملکیت دین
260	انبیاء کے مقولے	254	حکومت اور مظاہر عدل و رحم

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
271	قَدْ كَذَّبُوا كَانُمُونَه	260	نبی ﷺ نے سوال اجزمیں کیا
272	عذاب کے دو اصول	261	إِلَّا الْمَوَدَّةُ فِي الْقُرْبَىٰ پر حاشیہ
273	تحدی قرآن	261	رغبت برقرآن
273	کلام اللہ کے اوصاف	261	آیت کے لغوی معنی آیت والف ولام
273	قرآن عبرت ہے	262	وقائع یوسف کا ظہور مکرر
273	قرآن مصدق ہے	263	مشرکین عرب کے بعض عقائد
274	ہر ایک مذہب دوسرے کا کذب	263	شرک عبادت و استعانت
274	قرآن و تفصیل کل	264	مسلمان عقائد کی پڑتال کریں
274	قرآن کی چند خصوصیات	265	دعوت الی الحق کے احکام
275	قرآن ہدایت ہے	265	دعوت پر نبی ﷺ کے کام
275	کتب سابقہ کے محدود دائرے	266	اسلام اور فریضہ تبلیغ
276	قرآن کا فیض از ابتدائی نزول	266	نبی ﷺ اور بصیرت
276	مختلف ممالک کے چند صحابہ	266	مسلمان اور بصیرت
276	قرآن رحمت ہے	267	سبحان اللہ کی فضیلت
276	یہودیوں اور ہنود کے قیود	267	نبوت رجال سے مخصوص ہے
277	حقوق نسواں - حقوق انسانیت	267	ام موسیٰ - ام عیسیٰ و ہاجرہ
277	اخلاق حسنہ - حرمت خمر	268	نبی کیوں بشر ہوتا ہے؟
278	حمایت عدل و انصاف	268	بنائے اعتراض
278	حفاظت شہادت	268	نبی کے بشر ہونے کی حکمت
278	تعلیم عفودرگز	268	اسوہ و نمونہ
279	تہذیب و شائستگی	269	اہل مکہ و مواقع عبرت
279	حکومت نوعی یا شخصی	269	عالم آخرت کیوں بہتر ہے؟
280	تمدن و حریت - قرآن کی رحمت عام	270	تدبیر موازنہ
280	قرآن سے استفادہ اٹھانے والے	270	حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ
280	مبارک ہیں	270	صحت معنی
281	خاتمہ		
281	مماثلت احوال یوسفی و محمدی ﷺ		

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
	بسم: بنو اسرائیل کا مصر اور بنو عدنان کا	281	اڈل: روایات صالحہ سے ہر دو نبوت کا آغاز
290	مدینہ میں جا آباد ہونا	282	دوم: تعبیر یوسف و تہمین ورقہ بن نوفل
291	بست و حکیم: یوسف اور تصدیق انبیا	282	سوم: درجہ اجتباء
291	فرزند یوسف اور تصدیق نبوی	283	چہارم: علم تائیل اور تعلیم الکتاب
291	بست و دوم: خالہ اور دایہ	283	پنجم: اتمام نعت و ختم نبوت
	بست اوسوم: سبک روحی یوسف	284	امرونبی: بعد آدم علیہ السلام
291	اور غناء مصطفوی	284	امرونبی: بعد نوح علیہ السلام
292	درود و دعا	285	داؤد علیہ السلام اور فتح مناجات
293	باب ذکر المشاہیر	285	ششم: بقل و طرح ارض
293	امام احمد بن حنبل علیہ السلام	286	دارالندوہ اب حنفی مصلی ہے
293	احمد بن یحییٰ ثعلب	286	ہفتم: غنیمت الہیہ اور عارثور
294	انس رضی اللہ عنہ	286	ہشتم: سیارہ یوسف اور قافلہ انصار
294	قاضی عیاس بن معاویہ	287	نہم: حسن یوسف و خواب نبی ﷺ
294	بریرہ رضی اللہ عنہا	287	دہم: تہمت
294	زبیر بن العوام قرشی الزہری رضی اللہ عنہ	287	یازدہم: خواب یوسف و خواب نبی ﷺ
295	زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ	287	دوازدہم: وعظ صدیق سورۃ یوسف میں
295	حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	287	وعظ محمدی سورۃ جن میں
295	امام حسن رضی اللہ عنہ	288	سیزدہم: حکومت مصر
295	امام حسین رضی اللہ عنہ	288	صدیق اور خلفاء نبویہ
295	سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ	288	نبی ﷺ کے زیر نگین ممالک
296	امام سفیان ثوری رضی اللہ عنہ	289	چار دہم: قحط مکہ و قحط مصر
296	قاضی شریح رضی اللہ عنہ	289	پانزدہم: برادران یوسف و ابوسفیان
296	سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ	289	شانزدہم: غلہ مصر کنعان میں
297	قتال مزدوری رضی اللہ عنہ	289	غلہ نجد مکہ میں
297	عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ	289	ہفدہم: نتائج حکومت مصر اور فتح مکہ
297	عبد الرحمن بن ابی بعلل رضی اللہ عنہ	290	ہژدہم: دروغ و استترحم برادران یوسف و
		290	قبیلہ بنو سعد بکر
			نوزدہم: برادران یوسف اور قریش کو
			مژدہ لا تشرب

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
300	امام زہری رحمہ اللہ	297	سیدنا عثمان ذوالنورین رحمہ اللہ
300	سیدنا محمد حنفیہ رحمہ اللہ	297	عثمان بن حنی رحمہ اللہ
300	امام فخر رازی رحمہ اللہ	298	سیدنا علی المرتضیٰ رحمہ اللہ
301	سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ	298	ابن حزم رحمہ اللہ
301	علامہ محمود زحشری رحمہ اللہ	298	صوفی خازن رحمہ اللہ
301	مرید غنوی رحمہ اللہ	298	سیدنا عمر فاروق رحمہ اللہ
301	مسلمہ رحمہ اللہ	298	خواجه فضیل عیاض رحمہ اللہ
302	امام مسلم رحمہ اللہ	299	ابو عبیدہ رحمہ اللہ
302	مقداد زہری رحمہ اللہ	299	کعب سوزادی رحمہ اللہ
302	فراء نحوی رحمہ اللہ	299	امام شافعی رحمہ اللہ
303	آخری گزارش	300	امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ
		300	امام بخاری رحمہ اللہ



قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کا مختصر شجرہ نسب یہ ہے: محمد سلیمان بن احمد شاہ بن معزال دین بن باقی باللہ.....!

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے خاندان کے ایک بزرگ کا نام پیر محمد تھا۔ وہ عہد مغلیہ میں دہلی کے منصب قضا پر فائز تھے اور منصب کی رو سے انہیں قاضی کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد خاندان کے ہر فرد کو قاضی کہا جانے لگا اور یہ خاندان ”قاضی خاندان“ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ آگے چل کر ان کا سلسلہ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے، اس اعتبار سے یہ علوی ہوئے، لیکن کسی نے اپنے نام کے ساتھ ”علوی“ نہیں لکھا۔

قاضی محمد سلیمانؒ کے پردادا قاضی باقی باللہ ضلع فیروز پور (موجودہ ضلع فرید کوٹ مشرقی پنجاب) کے ایک چھوٹے سے گاؤں بڑھیمال میں اقامت گزیرے تھے اور تیرھویں صدی ہجری کے معروف عالم و عابد حضرت غلام علی شاہ مجددی دہلوی کے حلقہ بیعت میں شامل تھے۔ ان کے حکم کے مطابق انھوں نے بڑھیمال کی سکونت ترک کر کے منصور پور کو تبلیغ دین کا مرکز بنایا اور اس نواح میں وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کیا۔

قاضی باقی باللہ اپنے علاقے اور عہد کے ممتاز عالم دین اور تقویٰ شعار بزرگ تھے، ان کے اتقا اور تدین کے متعلق پرانے لوگوں اور ان کے خاندان میں بہت سی عجیب و غریب باتیں مشہور ہیں، جن کے تذکرے کی یہاں گنجائش نہیں۔

منصور پور جسے قاضی باقی باللہ نے اپنا مرکز تبلیغ قرار دیا، سابق ریاست پٹیالہ (موجودہ ضلع پٹیالہ) کا ایک پرانا تاریخی قصبہ ہے جو ہندوستان کی تعلق حکومت کے دور سے آباد ہے اور انبالہ ٹھنڈا ریلوے لائن پر پٹیالہ سے بتیس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

قاضی باقی باللہ کے بیٹے قاضی معزال دین بھی باپ کے ساتھ تبلیغ دین میں مشغول رہے۔ وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ کسب معاش کا ذریعہ کھیتی باڑی تھا۔ لوگوں کو نبیل اللہ قرآن مجید اور علوم دینیہ کی تعلیم دیتے تھے۔ ان کے حدود اثر کا دائرہ منصور پور سے باہر نکل کر قرب و جوار کے قصبات و دیہات تک پھیل چکا تھا۔ لوگ دور دور سے احکام

شرعیہ سیکھنے اور ادا امر و نواہی سے باخبر ہونے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے والد گرامی قاضی احمد شاہ جو ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۳ء) کو منصور پور میں پیدا ہوئے۔ اپنے باپ دادا کی طرح علم و عمل اور تقویٰ و صالحیت کی دولت سے بہرہ ور تھے۔ باعمل عالم، تہجد گزار اور شب زندہ دار بزرگ تھے۔ دوج کئے۔ پہلا حج ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۶ء) میں کیا، دوسرا ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۷ء) میں۔

قاضی احمد شاہ ۲۸ محرم ۱۳۲۸ھ (۱۹ فروری ۱۹۱۰ء) کو پٹیلہ میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔

قاضی احمد شاہ کی زینہ اولاد تین بیٹے تھے، جن کے نام علی الترتیب یہ ہیں: محمد سلیمان، عبدالرحمن اور محمد۔ سب سے چھوٹے محمد تھے، جو کم سنی میں وفات پا گئے تھے۔ ان سے بڑے قاضی عبدالرحمن تھے۔ عابد و زاہد، متقی اور منکسر المزاج تھے۔

فن ریاضی اور ہیئت و فلکیات میں خاص طور سے مہارت رکھتے تھے۔ حضرت مولانا محی الدین عبدالرحمن لکھوی (متوفی ۱۳۱۳ھ) کے حلقہ ارادت میں شامل تھے۔ تقسیم ملک کے بعد ۱۳ نومبر ۱۹۴۷ء کی شب کو وہ لاہور پہنچے۔ کچھ عرصہ بیمار رہے ۳۰ دسمبر ۱۹۴۷ء کو لاہور میں فوت ہوئے اور کرشن نگر کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری ۱۸۶۷ء (۱۲۸۴ھ) کو منصور پور میں پیدا ہوئے۔ والد کی طرح والدہ بھی نہایت صالحہ اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ اپنے بیٹوں کو وضو کر کے دودھ پلایا کرتی تھیں۔

قاضی صاحب نے قرآن مجید اور اس دور کی مروجہ ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی قاضی احمد شاہ سے حاصل کی۔ باقی علوم اس دور کے مختلف اہل علم سے پڑھے، جن میں موضع کوم (ضلع لدھیانہ) کے ایک عالم دین مولانا عبدالعزیز کوموی کا نام نامی بھی شامل ہے۔

۱۸۸۴ء میں قاضی صاحب نے مہندرا کالج (پٹیلہ) کی طرف سے پنجاب یونیورسٹی میں منشی فاضل کا امتحان دیا اور یونیورسٹی میں اول آئے۔ یہ سرکاری طور پر فارسی کی

اعلیٰ تعلیم کا امتحان تھا۔ قاضی صاحب کی عمر اس وقت سترہ برس تھی۔ اس عمر میں وہ علوم عربیہ دینیہ اور فارسی کی اعلیٰ مروجہ تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے۔

سرکاری ملازمت کے دائرے میں آنے کی عمر قانونی لحاظ سے کم از کم اٹھارہ سال تھی، لیکن قاضی صاحب اس سے چھ مہینے کم یعنی ساڑھے سترہ برس کی عمر میں بحیثیت سررشتہ دار محکمہ تعلیم میں ملازم ہو گئے تھے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ ان کی ملازمت کا آغاز ریاست پٹیالہ کے محکمہ تعلیم کے سپرنٹنڈنٹ کے طور پر ہوا تھا اور وہ اس وقت ریاست کے تمام اہل کاروں سے کم عمر تھے۔ یہ ۱۸۸۵ء کی بات ہے۔

کم و بیش پندرہ سال وہ ریاست کے محکمہ تعلیم میں خدمت انجام دیتے رہے۔ ان کے حسن کار اور طریق عمل کے نہ صرف محکمہ تعلیم کے چھوٹے بڑے منصب وار مداح تھے، بلکہ دیگر سرکاری محکموں سے تعلق رکھنے والے اہل کار بھی ان کی کارکردگی کو سراہتے اور اپنی مجلسوں میں بطور مثال اس کا ذکر کرتے تھے۔

بعد ازاں محکمہ تعلیم سے قاضی صاحب کو عدلیہ کے محکمے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

اس کے بعد قاضی صاحب تمام عمر عدلیہ میں رہے اور تھوڑے عرصے میں اتنی ترقی کی کہ ریاست پٹیالہ کے سیشن جج بنادیے گئے۔ اس نازک ترین محکمے میں ان کی زندگی کے بہت سے واقعات مشہور ہیں لیکن ان کی تفصیلات میں جانے کا یہ محل نہیں۔ سرکاری امور میں انتہائی مصروفیت کے باوصف قاضی صاحب نے علمی و تصنیفی سرگرمیاں ہمیشہ جاری رکھیں۔ قرآن، حدیث، فقہ، سیرت، تاریخ وغیرہ متعدد اہم عنوانات پر انھوں نے جس اسلوب میں اظہار خیال فرمایا، وہ اچھوتا اور منفرد نوعیت کا ہے۔ عیسائیت اور مرزائیت کے مختلف پہلوؤں کو بھی انہوں نے موضوع تحقیق بنایا اور اس موضوع پر لاجواب کتابیں لکھیں۔ جماعت اہل حدیث اور بعض دیگر منالک کے تبلیغی جلسوں میں بھی وہ شرکت فرماتے تھے۔ بعض جلسوں کی صدارتی ذمہ داری سپرد ہوئی اور ان میں انہوں نے تحریری خطبات صدارت پڑھے۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے کئی اجلاسوں کی انھوں نے صدارت کی اور تحریری خطبات ارشاد فرمائے۔ لوگوں سے میل جول کا سلسلہ بھی جاری رکھتے تھے، اپنے اعزہ و

اقارب اور احباب و متعلقین کے معاملات میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ مسجد میں روزانہ درس قرآن بھی ان کے فرائض میں شامل تھا۔ خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے تھے۔ لوگ بذریعہ تحریر ان سے فقہی مسائل بھی دریافت کرتے اور وہ ان کا تحریری صورت میں جواب دیتے تھے۔ غرض ان کی زندگی کے شب و روز بہ درجہ غایت مصروفیت میں گزرتے تھے اور اللہ نے ان کو بے پناہ ہمت اور بوقلموں اوصاف سے نوازا تھا۔

ان کی تصانیف جیسا کہ عرض کیا گیا گونا گوں موضوعات پر مشتمل ہیں جو اہل علم سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں اور لوگوں نے ان سے خوب استفادہ کیا ہے اور استفادہ کر رہے ہیں۔ وہ تصانیف حسب ذیل ہیں۔

① مہربنوت:

یہ سیرت نبوی ﷺ کی مختصر کتاب ہے۔ ۱۸۹۹ء میں پہلی دفعہ شائع ہوئی۔ پھر بار بار چھپی۔

② رحمۃ للعالمین:

سیرت نبوی ﷺ سے متعلق یہ انتہائی اہم کتاب ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اسے بہت سے ناشرین نے شائع کیا لیکن ”مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد“ نے اسے نہایت عمدہ کاغذ اور نفیس کمپوزنگ کے ساتھ شائع کیا۔ ابتدا میں قاضی صاحب کے مفصل حالات شامل ہیں۔ اس سے پہلے کسی ناشر نے ان کے حالات نہیں لکھے۔

③ غایت المرام:

یہ کتاب مرزا غلام احمد قادیانی کی بعض کتابوں کے جواب میں لکھی گئی۔ سال تالیف ۱۸۹۳ء مرزا غلام احمد سمیت کوئی مرزائی آج تک اس کا جواب نہیں دے سکا۔

④ تائید الاسلام:

اس میں بھی مرزا غلام احمد قادیانی کے، ماوی اور افکار کی تردید کی گئی ہے۔ اس کا جواب بھی کوئی مرزائی نہ دے سکا۔ ۱۸۹۸ء میں مرزا صاحب کی زندگی میں چھپی۔

⑤ خطبات سلمان:

وہ خطبات صدارت جو قاضی صاحب نے برصغیر کی مختلف انجمنوں اور جلسوں میں ارشاد فرمائے۔ سب علمی اور تحقیقی نوعیتوں کے خطبات ہیں۔

⑥ تاریخ المشاہیر:

متعدد ائمہ دین، فقہاء و محدثین، مشائخ کرام، شعرا و ادباء، مصنفین و مؤلفین اور ملوک و وزراء کے حالات و واقعات اس کتاب میں بیان کئے گئے ہیں۔

⑦ مسح جراب:

یہ علامہ جلال الدین القاسمی الدمشقی کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ ہے، جس میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ جرابوں پر مسح کیا جاسکتا ہے۔

⑧ استقامت:

۱۹۰۶ء کا واقعہ ہے۔ قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں ”میں دفتر جا رہا تھا کہ راستے میں پوسٹ مین نے مجھے ایک خط دیا۔ جس میں صاحب مکتوب نے ارقام فرمایا تھا کہ اگر مجھے تسلی بخش جواب نہ ملا تو میں عیسائی ہو جاؤں گا۔ یہ خط پڑھ کر میں گھر کی طرف لوٹا کہ مبادا دیر ہو جائے اور وہ اسلام چھوڑ دے۔ چنانچہ آدھ گھنٹے میں یہ خط لکھا۔ ڈاک میں ڈالا اور دفتر روانہ ہوا۔“ بعد میں یہ خط ایک مستقل کتاب بن گیا، جس کی اشاعت استقامت کے نام سے ہوئی۔ صاحب مکتوب بحمد اللہ اسلام پر قائم رہے۔

⑨ مکاتیب سلمان:

یہ چونتیس مکاتیب کا علمی مجموعہ ہے۔ مختلف حضرات نے قاضی صاحب سے جو استفسارات کئے، اس میں ان کے جواب دیئے گئے ہیں۔

⑩ برہان:

غازی محمود دھرم پال اپنے دور کی ایک بڑی اور معروف شخصیت کا نام تھا۔ وہ

۳ فروری ۱۸۸۲ء کو ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب) کے ایک گاؤں بہنہ کے متدین خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام عبدالغفور رکھا گیا۔ بڑے ذہین اور پڑھے لکھے آدمی تھے۔ ۱۴ جون ۱۹۰۳ء کو گوجرانوالہ میں ہندوؤں کا آریہ مذہب اختیار کر لیا اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کئی کتابیں تصنیف کیں۔ پھر ان کی زندگی نے پلٹا کھایا اور قاضی صاحب نے ۴ مئی ۱۹۱۴ء کو بعض سوالات و اعتراضات کے جواب میں ایک طویل خط لکھا جسے پڑھ کر وہ قاضی صاحب کی خدمت میں گئے اور ۱۴ مئی ۱۹۱۴ء کو دوبارہ مسلمان ہو گئے۔ اپنا نام غازی محمود دھرم پال رکھا اور اسلام کے بہت بڑے مبلغ ہوئے۔ جمعہ المبارک کے دن ۱۸ مارچ ۱۹۶۰ء (۲۰ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ) کو لاہور میں وفات پائی اور قبرستان میانی صاحب میں دفن کئے گئے۔

⑪ سفرنامہ حجاز:

۱۹۲۱ء میں قاضی صاحب نے پہلا حج کیا اور سفرنامہ حجاز لکھا جو اس دور کی سر زمین حجاز کی بہت سی معلومات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

⑫ الصلوٰۃ والسلام:

امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب کا اردو ترجمہ۔

⑬ انجیلوں میں خدا کا بیٹا: عیسائیت کے خلاف۔

⑭ امام رازی کی تفسیر سورۃ الفلق کا ترجمہ۔

⑮ نماز مترجم۔

⑯ تبیان: حج و عمرہ کے مسائل پر مشتمل ہے۔

⑰ آئینہ تصوف: امام غزالی رحمہ اللہ کے بعض افکار کا ترجمہ۔

⑱ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ کا اردو ترجمہ کیا۔ افسوس کہ مسودہ ضائع ہو گیا۔ کتاب چھپ نہ سکی۔

۱۹) ایک عرض کا جواب: عیسائیوں کے بارے میں۔

۲۰) اصحاب بدر:

اس میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات درج ہیں۔ جنہوں نے اسلام کی پہلی جنگ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔

۲۱) شرح اسماء اللہ الحسنى:

اس میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کی تفصیل سے شرح کی گئی ہے۔ ہر نام کے لغوی۔ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں اور اصطلاحی بھی۔

۲۲) الجمال والکمال:

قاضی صاحب کی تصانیف میں سے ایک مشہور اور اہم تصنیف الجمال والکمال ہے جو سورۃ یوسف کی تفسیر ہے۔ سورۃ یوسف کی اردو زبان میں بہت سے اہل علم نے تفصیلیں لکھیں ہیں، لیکن قاضی صاحب کی تحریر فرمودہ تفصیل سب سے منفرد نوعیت کی ہے۔ انہوں نے پہلا ج بیت اللہ ۱۹۲۱ء میں کیا تھا۔

وہ اس وقت پنجاب کی ریاست پٹیالہ کے سیشن جج تھے۔ ۵ مئی ۱۹۲۱ء کو پٹیالہ سے روانہ ہوئے اور دہلی آئے۔ وہاں کچھ قیام فرما کر بمبئی پہنچے۔ ۷ مئی کو بمبئی سے ”جدہ“ جہاز پر سوار ہوئے اور ۳ جون کی شام کو جدہ کی بندرگاہ میں اترے۔ اس زمانے میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، اور جدہ میں حاجیوں کی آمد و رفت کا ذریعہ اونٹ تھے، موٹروں، بسوں اور کاروں کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ نہ کچی سڑکیں تھیں، کچے اور ریتلے راستے تھے۔ قاضی صاحب جہاز سے اترتے ہی مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے تھے۔ تیسرے دن ۵ جون ۱۹۲۱ء (۲۷ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ) کو کحری کے وقت مکہ مکرمہ پہنچے۔ پھر ۲۳ ذوالحجہ ۱۳۳۹ھ (۲۵ اگست ۱۹۲۱ء) تک وہیں قیام فرما رہے

سورۃ یوسف مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی اور قاضی صاحب نے وہیں اس کے لکھنے کا آغاز کیا اور وہیں ۷ ذوالحجہ ۱۳۳۹ھ (۲۲ اگست ۱۹۲۱ء کو تفسیر مکمل کر لی) یعنی تقریباً ۲ (دو)

مہینے میں وہ اس فریضے سے سبک دوش ہو گئے۔ لکھنے پڑھنے میں وہ بہت تیز تھے اور علم کا خزانہ! انہوں نے حج بھی کیا، دیگر عبادات میں بھی مصروف رہے، عمرے بھی کئے، مکہ مکرمہ کے اندر اور باہر کے مختلف مقامات بھی دیکھے، بہت سے لوگوں سے ملاقاتیں بھی کیں، اپنے رفقاء سفر سے بھی میل جول رہا، ان میں سے بعض لوگ بیمار ہو گئے تھے، ان کی عیادت بھی کرتے رہے، کچھ افراد وفات پا گئے تھے، ان کی تکفین و تدفین کا انتظام بھی کیا۔

حج کے بعد ۲۴ ذوالحجہ ۱۳۳۹ (۱۹ اگست ۱۹۲۱ء) کو وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور تقریباً ۱۵ روز کے بعد ۱۰ محرم ۱۳۴۰ھ (۱۳ ستمبر ۱۹۲۱ء) کو مدینہ منورہ پہنچے۔ دو ہفتے وہاں قیام رہا۔ واپس مکہ کو روانہ ہوئے تو پتہ چلا کہ بدوؤں نے راستہ مسدود کر دیا ہے، پھر مکہ مکرمہ کی بجائے ان کا قافلہ ینبوع کو روانہ ہو۔ ینبوع میں جہاز کے انتظار میں انہیں ۱۵ دن ٹھہرنا پڑا۔ ۱۵ دن کے بعد جہاز آیا تو وہ بذریعہ جہاز جدہ پہنچے، وہاں سے وطن واپس آئے۔

خاتمہ تفسیر کے دس بارہ صفحے انہوں نے واپسی کے وقت جہاز میں لکھے اور آخر کے بارہ چودہ صفحات ان مشاہیر کے مختصر حالات پر مشتمل ہیں۔ جن کا ذکر تفسیر میں کیا گیا ہے۔

اس تفسیر میں بہت سی خصوصیات پائی جاتی ہیں، جن میں چند خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

☆ اس میں مصر کی پوری تاریخ بیان کی گئی ہے۔

☆ وہاں کے دریاؤں، نہروں، تصنیف کے زمانے تک کے اخباروں، پہاڑوں،

اہرام مصر، اہم شخصیتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

☆ وہاں کی مختلف حکومتوں اور حکمرانوں کا تذکرہ بالترتیب کیا گیا ہے۔

☆ نیز بتایا گیا ہے کہ ایک بہت بڑا مسلمان، کافر حکومت کی ملازمت کر سکتا ہے۔

☆ ملازمت کے لیے درخواست دی جاسکتی ہے۔

☆ مسلمان اور غیر مسلمان حکومت سے عہدہ و منصب کے حصول کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔

☆ درخواست ملازمت میں اپنی قابلیت و صلاحیت کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔

☆ حکومت یا کسی مجاز اتھارٹی سے اپنے جائز حقوق طلب کیجیا سکتے ہیں۔

☆ اپنی سچائی ثابت کرنے کے لیے حکمران اور عدالت کے دروازے پر دستک دی جاسکتی ہے۔

☆ تفسیر کی زبان اور انداز بیان نہایت عمدہ ہے۔ اس تفسیر کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اگر قاضی صاحب پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھتے تو بہت بڑے مفسر ہوتے اور لوگ بے شمار قرآنی نکات سے بہرہ ور ہوتے۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ)

قاضی صاحب نے دوسرے حج بیت اللہ سے بذریعہ بحری جہاز واپس آتے ہوئے ۳۰ مئی ۱۹۳۰ء کو جہاز میں وفات پائی۔ اس جہاز میں مولانا اسماعیل غزنوی مرحوم بھی سوار تھے۔ انہی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور میت سمندر کی لہروں کے سپرد کر دی گئی۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ)

محمد اسحاق بھٹی

اسلامیہ کالونی، ساندہ۔ لاہور

یکم ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ

۲۵۔ دسمبر ۲۰۰۳ء





مقدمت

قاضی سلیمان مرحوم کی کتاب ”الجمال والکمال“ یعنی سورہ یوسف کی تفسیر، نہ پہلے کسی تعارف کی محتاج تھی اور نہ آج اس کے ساتھ کوئی توضیحی تحریر شامل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کتاب جب پہلی مرتبہ چھپ کر منظر عام پر آئی تھی تو اس وقت بھی سلفیوں کے محتاط طریق تفسیر کا ایک نہایت عمدہ نمونہ تھی اور آج بھی کہ کتاب کی اشاعت پر چالیس سال گزر چکے ہیں۔ اس کی یہ امتیازی حیثیت اہل علم کے نزدیک مسلم ہے۔

یہ تفسیر اس زمانے میں مرتب ہوئی تھی جب مرحوم و مغفور پہلی مرتبہ حج کے لیے گئے تھے اور مسلسل اڑھائی مہینے مکہ مکرمہ میں رہے تھے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ تفسیر سورہ یوسف لکھنے کا مدت سے شوق تھا۔ مکہ مکرمہ پہنچا تو یہ شوق زیادہ بڑھ گیا اور خیال آیا کہ اسی بلدِ امین میں کچھ لکھ لیا جائے۔ جہاں اس سورت کا نزول ہوا تھا۔

قاضی صاحبؒ کے سفر نامہ حج موسوم بہ ”سبیل الرشاد“ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۵ مئی ۱۹۲۱ء کو پٹیالہ سے روانہ ہو کر دہلی ٹھہرتے ہوئے بمبئی پہنچے۔ وہاں سے ۷ مئی کو ”جدہ“ جہاد پر سوار ہوئے اور ۳ جون کی شام کو بندرگاہ جدہ میں اترے۔ اس زمانے میں آمد و رفت کا ذریعہ صرف اونٹ تھے۔ آج کل کی طرح موٹریں اور بسیں موجود نہ تھیں قاضی صاحبؒ اسی شام کو عازمِ حرمِ پاک ہوئے۔ ایک منزل جدہ میں کی اور ۵ جون ۱۹۲۱ء (۲۷ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ) کو سحری کے وقت مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ پھر ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (۲ اگست ۱۹۲۱ء) تک وہیں ٹھہرے رہے۔

اس اثنا میں انہوں نے عمرے بھی کئے ہوں گے، حج بھی کیا۔ عبادات میں بھی خاصا وقت گزارا ہوگا۔ اربابِ علم و عرفان اور اربابِ حکومت سے ملاقاتیں بھی کیں۔ رفیقانِ سفر میں سے ایک صاحب مکہ مکرمہ ہی میں بیمار ہوئے اور وفات پائی۔ ان کی تیمارداری اور کفن

دفن میں بھی وقت صرف ہوا ہوگا۔ سب سے آخر میں یہ کہ مکہ مکرمہ کے اندر اور باہر کے خاص مقامات بھی انہوں نے دیکھے، جن کی تفصیل ان کے سفرنامے میں موجود ہے اور ایسی مستند تفصیل شاید ہی کسی دوسرے سفرنامے میں مل سکے۔

ظاہر ہے کہ ان مصروفیتوں میں انہیں تفسیر کی تسوید کے لیے زیادہ وقت نہیں ملا ہوگا۔ بایں ہمہ وہ ۷ اذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (۲۲ اگست ۱۹۲۱ء) کو تفسیر مکمل کر چکے تھے۔ بعد میں انہیں وقت بھی نہیں مل سکتا تھا، کیونکہ چند روز سفر مدینہ کے لیے تیاری میں مصروف رہے۔ ۲۳ اذی الحجہ (۲۹ اگست) کو روانہ ہو کر ۱۰ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ (۱۳ ستمبر ۱۹۲۱ء) کو مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں دو ہفتے گزار کر واپس ہوئے۔ تو بدوؤں کی سرکشی کے باعث راستہ مسدود ہو گیا اور انہیں مکہ مکرمہ آنے کے بجائے ینبوع جانا پڑا۔ جہاں پندرہ روز جہاز کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ ینبوع سے بذریعہ جہاز جدہ پہنچے اور وہاں سے وطن واپس آ گئے۔

صرف خاتمہ تفسیر کے دس بارہ صفحے انہوں نے واپسی کے وقت جہاز میں لکھے اور آخر کے بارہ چودہ صفحات میں ان مشاہیر کے مختصر حالات مرتب فرمادیئے جن کا ذکر تفسیر میں آچکا تھا۔

اصل کتاب کے متعلق تفصیلی گفتگو کا یہ موقع نہیں، نیز ”رحمۃ للعالمین“ کے شہرہ آفاق مصنف کی کسی کتاب کے متعلق میرے لیے کچھ عرض کرنا کسی بھی بنا پر مناسب نہیں سمجھا جاسکتا۔ قاضی صاحب خود فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر میں دو بڑے اصول معمول بہ رہے ہیں: اول روایت، دوم درایت۔ بعض اصحاب نے روایات جمع کر دینے کے شوق میں ان کے قوت و ضعف اور صحت و سقم کا بھی خیال نہ رکھا، حالانکہ اعلام الحدیثین روایات کی تنقید و تصحیح میں جو سعی بلیغ فرما چکے ہیں، اس کے بعد یہ راستہ بالکل سہل و ہموار ہو چکا ہے۔ جن اصحاب کو درایت سے دل بستگی تھی۔ انہوں نے صحیح اور مرفوع روایات کو بھی درخور اعتناء نہ سمجھا۔ حقیقت یہ ہے:

”جب کسی روایت کی صحت ثابت ہو جاتی ہے تو ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ ان سب راویوں کی (جو قدوۃ امت تھے) درایت بھی اس کے

ساتھ شامل ہے۔“

قاضی صاحبؒ نے جو نکتہ بیان فرمایا ہے، وہ خاص توجہ کا مستحق ہے اور اسے لازماً پیش نظر رکھنا چاہیے۔ جن روایات کی صحت مسلم ہے، ان کے راویوں کی درایت بھی مسلم مان لینی چاہیے۔ یہ حقیقت محتاج تصریح نہیں کہ جن اصحاب نے کسی روایت کے الفاظ کی صحت میں اہتمام کا کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا، وہ ان کی معنویت سے چشم پوشی نہیں کر سکتے تھے۔ پھر ان کا درجہ کمال تحقیق اور عفت فکر و نظر میں اتنا بلند تھا کہ بعد کے لوگ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اقبال اس باب میں کیا خوب فرما گئے ہیں:-

عقل آبایت ہوں فرسودہ نیست کار پا کاں از غرض آلودہ نیست
فکرِ شاں ریسد ہے باریک تر درع شاں با مصطفیٰ نزدیک تر
بہر حال پوری تفسیر میں وہ تمام بنیادی اصول پیش نظر رہے، جو اہل علم کے نزدیک مسلم ہیں یعنی عربیت کی جامعیت، روایات صحیحہ کا اہتمام اور بین و واضح قرائن کے مطابق مختلف نکات کی توضیح۔ یہ کہنا غالباً مبالغہ نہ ہوگا کہ اردو زبان میں تفسیر کا یہ طریقہ ہر جگہ نظر نہیں آ سکتا۔

جہاں مصر کا ذکر آیا ہے۔ قاضی صاحبؒ نے وہ تمام معلومات یکجا کر دیں، جو میسر آ سکیں۔ صرف ایک لحاظ سے مجھے تشنگی محسوس ہوئی، یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے عہد کے مصر پر مرحوم توجہ نہ فرما سکے، حالانکہ تفسیر کے سلسلے میں اس کی خاص ضرورت تھی، یعنی اس وقت مصر کا مرکز حکومت کہاں تھا؟ دوسرے ضروری مقامات کون کون سے تھے؟ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر پہنچے تو انہیں کہاں بسایا گیا؟ وغیرہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان امور کے متعلق قاضی صاحب کو بوقت تحریر کوئی مستند ماخذ نہ مل سکا۔

تفسیر میں بعض نکات نہایت اہم اور دلآویز ہیں۔ مثلاً:

① جہاں حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت کا واقعہ بیان ہوا ہے، وہاں عزیز مصر کی بیوی کے گھرانے سے ایک گواہ نے فیصلے کا طریقہ یہ بتایا تھا کہ اگر یوسف علیہ السلام کا کرتا آگے سے پھٹا ہو تو عورت سچی اور اگر کرتا پیچھے سے پھٹا ہو تو عورت جھوٹی

اور یوسف علیہ السلام سچے۔

قاضی صاحبؒ اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھا دیا ہے:
”جب شہادت واقعہ موجود نہ ہو، تب قرآن مجید و قیاسات قریبہ میں شہادت
کا کام دے جاتے ہیں۔“

جن لوگوں نے عمر فاروق اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے فیصلہ جات کو پڑھا ہے۔ وہ جانتے
ہیں کہ ائمہ اسلام نے کس عہدگی سے اس اصول کا استعمال کیا ہے اور وہ فراست صادقہ کی
شمولیت سے حقیقت اصلہ کا انکشاف کس عہدگی سے کیا کرتے تھے۔

② عزیز مصر پر اپنی بیوی کی غلط بیانی اور تہمت طرازی آشکارا ہو گئی تو اس نے بیوی سے
کہا:

بے شک یہ ایک فریب ہے تم عورتوں کا، البتہ تمہارا فریب بڑا ہے۔ ﴿قَالَ إِنَّهُ مِنْ
كَيدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ﴾ [یوسف: ۱۳/۲۸]

ایسے لوگ بھی ہیں جو عورتوں کی مذمت بیان کرتے ہوئے دلیل میں یہ آیت پڑھ دیا
کرتے ہیں۔ قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں:

”انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ارشاد ربانی نہیں بلکہ شوہر زن کا قول ہے یعنی ایک ایسے مرد کا
قول جو ایک طرف اپنی عزت کے خوف سے عورت کی بات دباننا چاہتا ہے۔ ایک طرف اس
واقعہ سے ملول بھی ہے اور ایک طرف یوسف صدیق علیہ السلام سے محبوب بھی ہے۔ وہ اپنی
عورت کو الزام دیتے ہوئے یہ نہیں سمجھتا کہ قصور وار ہی کو ملزم ٹھہرانا چاہیے۔ بلکہ وہ کل جنس
اناث کو مطعون ٹھہرا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کوئی مرد مرد ہونے کی وجہ سے اور کوئی عورت
عورت ذات ہونے کی وجہ سے قابل عزت یا قابل نفرت نہیں۔ عزت و ذلت کا مدار انسان کے
اعمال ہیں۔“

③ تفسیر میں ضمناً تاریخ اسلام یا سیرت طیبہ سے بعض واقعات پیش کرتے گئے ہیں۔

④ آخر میں حضرت یوسف علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کی مماثلت کے

بائیس پہلو یک جا بیان کر دیئے ہیں۔

⑤ قاضی صاحبؒ بانیل کے بھی یگانہ عالم تھے جہاں کہیں انہیں ضرورت محسوس ہوئی، بانیل پر تبصرہ فرماتے گئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے متعلقین میں سے جو مصر پہنچے ان کی تعداد پر جو جامع اور مفصل بحث فرمائی ہے۔ وہ بجائے خود ایک نہایت اہم علمی کارنامہ ہے۔

بہر حال قاضی صاحب مرحوم و مغفور کی یہ تفسیر آج بھی حد درجہ قابل قدر ہے۔ میں خوش ہوں کہ یہ گراں قدر کتاب از سر نو خاص اہتمام سے شائع کی جا رہی ہے۔

مہر

مسلم ٹاؤن، لاہور

۱۲۱ اکتوبر ۱۹۶۲ء



أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ط
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا قِيمًا
لِيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ وَاشْهَدَ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا
شَرِيكَ لَهُ إِلَهًا وَاحِدًا أَحَدًا فَرْدًا صَمَدًا وَاشْهَدَ أَنَّ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ
وَرَسُولُهُ الَّذِي أَخَذَ اللَّهُ مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُ وَأَرْسَلَهُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ فَصَلَّى اللَّهُ
تَعَالَى عَلَى خَيْرِ مَبْعُوثِهِ مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَخَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ
وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ۝
آمَّا بَعْدُ - تفسیر قرآن مجید کے متعلق دو بڑے اصول معمول رہے ہیں:

اول: روایت دوم: درایت

بعض روایت کے اتنے شیدائی تھے کہ انہوں نے قوت و ضعف اور صحت و سقم روایت
کی بھی پروا نہ کی۔ حالانکہ اَغْلَامُ الْمُحَدِّثِينَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ أَجْمَعِينَ نے ہر ایک
روایت کی تنقید و تصحیح میں سعی بلیغ فرمائی تھی۔

① اور بعض درایت کے اتنے فدائی تھے کہ انہوں نے اپنے فہم کے مقابلہ میں روایات
صحیحہ و مرفوعہ کی بھی کچھ وقعت نہ کی۔

لیکن حقیقت صادقہ یہ ہے کہ جب کسی روایت کی صحت ثابت ہو جاتی ہے تو یہ بھی
ثابت ہو جاتا ہے کہ ان سب راویوں کی (جو قدوہ امت تھے) درایت بھی اسی کے
ساتھ شامل ہے۔

لہذا محض درایت کی بنیاد پر روایات صحیحہ سے اختلاف کرنے والوں کو تنہا اپنے ذاتی
فہم و قیاس پر نہ اعتماد کرنا چاہیے اور نہ دھوکا کھانا چاہیے۔

② مجھے سورہ یوسف کی تفسیر قلم بند کرنے کا مدت سے شوق تھا۔ مکہ معظمہ میں پہنچنے کے
بعد یہ شوق زیادہ بڑھ گیا کہ اسی بلد الامین میں کچھ لکھا جائے۔ جہاں اس سورہ
مبارکہ کا نزول ہوا تھا۔

اتفاق حسنہ سے مجھے یہاں چند ایسے کریم النفس احباب مل گئے۔ جنہوں نے اپنی کتابیں مجھے مہیا کر دیں۔

اب ناظرین کی خدمت میں ادب سے وہ چند اوراق پیش کئے جاتے ہیں۔ جو مکہ معظمہ میں لکھ لیے گئے تھے اور جن پر واپسی کے بعد ہندوستان میں نظر ثانی کر لی گئی ہے۔ مجھے صدق دل سے اعتراف ہے کہ تفسیر لکھنا میری حیثیت سے بہت بالا تر ہے لیکن صرف خدمت قرآن حکیم کا شوق ہے کہ اس وادی میں قدم رکھنا جو اہل ہوا و ہوس کے لیے پر خار ہے اور تبیین کے لیے خلد بہار۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو قبول فرمائے اور اس کا ثواب میرے والدین اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمَا وَارْحَمْهُمَا کے نامہ اعمال میں ثبت فرمائے اور میری زلات کو اپنی مغفرت و رحمت سے عفو فرمائے۔

وَ اخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ سَلَامٌ عَلٰى
الرُّسُلِيْنَ وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَ
اٰلِهٖ وَ بَارَكَ وَ سَلَّمَ

راجی شفاعت و غفران

محمد سلیمان سلمانؒ

۱۹/ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ ہجری المتقدّرہ



قصیدہ

در نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم

در دلم جو شد ثنائے رحمتہ للعالمین
اوست صدق و صدق آورد و کلامش نیز صدق
او دلیل صد ہزاران و اصلان قرب رب
مسند آرائے نبوت بود او در قدس گاہ
در کلام او حیات تازہ دل مردگان
اُسوہ اش ہدی مبین ست و کلام اللہ علم
از دل او ہر چہ خیزد قدسیاں را رہ نما
احتشام او ہویدا از کلام ذوالجلال
اسم او مہر سلیمان را دہد شان جلیل
درس گاہ قدس اورا ابجد دیگر بود
منکر او دور ماند از رحمت پروردگار
جرعہ جام ولائے او بخشد زندگی
اتباعش کرد لازم برہمہ آمرزگار
خائب و خاسر نماند مذنب خائف دگر
حق تعالیٰ را بود در حشر مردم حکمے
نعت او تصدیق فرمایندہ پیشدیاں
این تمام نعت دہم این کمال معرفت
ختم شد براونبوت یافت دین ازوے کمال
مدح او چون آب بر فوارہ ریزد بر زبان
در ہوائے شہر او چون ذرہ پرد پیکرم

آفتاب عالم جان و ضیائے چشم دین
دین اوحق ست و اوحق ست حق بحق مبین
او کلید صد علوم اولین و آخرین
منجول چوں بود آدم در میان ماء وطین
نجرہ اشت در دست وارد چشمہ ماء معین
قلب ایں علم و عمل را یافت شیر و انگبین
از لب او ہر چہ ریزد و صادقین را دل نشین
نور او پیدا وہم پنهان بآیات مبین
نام او روشن بفر مایہ سیدہ بخت نگین
حرف آغازش بود ایمان و انجامش یقین
رحمتہ للعالمینش خواند رب العالمین
رفت بے بہرہ ازیں سکندر ظلمت نشین
این رساند انسی و جان را بفر دوس برین
خیر معطین است خالق او شفیع المذنبین
تا نماند جاہ او بر آخرین و اولین
خلق او را ترجمانی کرد قرآن مبین
نوع انساں یافت ازوے خلعت رضوان و دین
شت اندر خانقاہ سدرہ اش روح الامین
نام او چون مہرمہ را نور بخش ذا کرین
در خیال مسجد او سجدہ رقصہ در جبین

حبّ او از ہر چہ باشد برتر و خوش تر بود غایت ایماں ہمیں است و ہمیں است و ہمیں
 در غم دوری او چشم سر شکے چند ریخت گفت رضواں زینتِ حورا است این در شین
 اے امام مرسلان اے حاملِ ام الکتاب بخش و بخشاںش بود مہر ترا براہل کین
 بر مقام برتر محمود ، پانہ ، تاکنند انبیازیر لواء الحمد جائے خود گزین
 خواہ از داور کہ در راکت شوم صحرا نورد اے غبارِ آستانِ سرمہ چشمانِ عین
 آن سلیمانم کہ خاکِ آستانِ پاک تو
 کرد مستغنی مرا از حُبِ دیکیم و نگین

احقر

سلمان منصور پوری



سورة ۛ يوسف مکیّة رکوع ۱۲، آیات (۱۱۱)

حروف مقطعات بامعنی ہیں

الر۔ اس سورہ کا آغاز الف۔ لام۔ را سے ہوا ہے۔ اس لیے حروف مقطعات قرآنی کی بحث شروع ہو جاتی ہے۔ علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ یہ حروف مہمل نہیں۔ اس لیے ان کے معانی پر تکلم کیا گیا اور بہت سے اسرار غامضہ بیان کر کے دل و گوش حق نیوش کی مہمانی کی گئی ہے۔ تاہم یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ ہنوز معانی کا حصر نہیں ہوا۔

یہ مختصر تفسیر اس دقیق بحث کے لیے موزوں نہیں۔ لہذا یہاں صرف چند معمولی معلومات کا اندراج کیا جاتا ہے۔

وہ سورتیں جن کا آغاز مقطعات سے ہوتا ہے

قرآن مجید میں ۱۱۳ سورتیں ہیں۔ ان میں سے ۲۹ کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے۔

یک حرفی	۳	ص . ق . ن .
دو حرفی	۹	حم ۶ . طس . النمل . طه . یس
سہ حرفی	۱۳	الم ۶ (بقرة . ال عمران . عنکبوت . روم . لقمان . سجدة . الر . یونس . هود . یوسف . ابراهیم . الحجر . طسم ۲ شعراء . القصص
چار حرفی	۲	المص . اعراف . المر . رعد .
پنج حرفی	۲	کھیلص . مریم . حمقسق . شوری

حروف جن کا مقطعات میں استعمال ہوا

عربی کے حروف تہجی ۲۸ ہیں۔ مقطعات میں صرف ۱۳ حروف کا استعمال ہوا ہے۔ مستعمل شدہ حروف کا شمار استعمال ذیل کے نقشہ سے واضح ہوگا۔

✽ لغت میں سورہ کے معنی عظمت، عزت، منزلت افزائی حصہ ہیں اور قرآن مجید کی ہر ایک سورت کو انہی معانی پر نظر کرتے ہوئے سورہ کہا گیا ہے۔

الف	۱۳	ح	۸	ر	۲	س	۴
ص	۳	ط	۴	ع	۲	ق	۲
ک	۱	ل	۱۳	م	۱۸	ن	۱
ه	۲	ی	م				

اس میں کچھ شک نہیں کہ جن حروف کا استعمال زیادہ ہوا۔ ان کو دیگر حروف پر شرف ہے۔ یہ شرف بلحاظ علم اللسان بھی ہے اور باعتبار علم النفس بھی۔ اس کی بحث ان شاء اللہ کسی دوسرے رسالہ میں کی جائے گی۔

اس جگہ اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ جن پانچ سورتوں کا آغاز الہ سے ہے۔ ان سب میں احوال انبیاء کا بیان ہے۔

﴿تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ﴾ [۲۶/۱ اشعر آء: ۲۰]

”یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔“

لفظ ”آیت“ کے معانی متعدّدہ

آیات: آیت کی جمع ہے۔ قرآن حکیم میں لفظ آیت کا استعمال متعدد معانی میں ہوا ہے:

① ﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئْتَيْنِ الثَّقَاتِ﴾ [۳/آل عمران: ۱۳]

”وہ دو گروہ (مسلمان و قریش جو بدر میں) لڑے تھے ان کے حال میں

تمہارے لیے عبرت ہے۔“

یہاں آیت بمعنی عبرت و استدلال ہے۔

② ﴿فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مِّمَّا بُرَهِيمُ، وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾ [۳/آل عمران: ۹۷]

”کعبہ میں روشن نشانیاں ہیں۔ مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں آ جاتا ہے وہ

امن میں آ جاتا ہے۔“

کعبہ حسی شے ہے جسے عظمت تاریخی اور حرمت ربانی حاصل ہے اور امن بسیط غیر

مادی شے ہے، ان کو آیات فرمایا۔

③ ﴿إِذَا تَنَلَّى عَلَيْهِمُ آيَةُ الرَّحْمَنِ﴾ [۱۹/مریم: ۵۸]

”جب ان پر رحمن کی آیات پڑھی جاتی ہیں۔“

یہاں آیت بمعنی کلام اللہ ہے۔

④ ﴿وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ﴾ [العنکبوت: ۵۰]

”کہتے ہیں کہ اس کے رب کی طرف سے معجزے کیوں نہیں اترتے۔“

یہاں آیات بمعنی معجزہ مادیہ ہے۔

⑤ ﴿وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۖ وَفِي أَنفُسِكُمْ﴾ [الذاریات: ۲۰]

”زمین میں اور تمہارے نفوس میں ایقان والوں کے لیے آیات ہیں۔“

یہاں آیات بمعنی دلائل حقہ ہیں۔

آیت زیر تفسیر میں لفظ آیات بمعنی جزو کلام الہی ہے اور قرآن مجید کے ہر ایک فقرہ کو آیت ہی کہا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا معانی میں سے خواہ کسی معنی کا بھی اعتبار کیا جائے قرآن مجید کا ہر ایک فقرہ بالضرور آیت ہے۔ وہ معجزہ بھی ہے اور نشان قدرت بھی۔ وہ نصیحت بھی ہے، عبرت بھی اور اس کا ہر ایک حرف کلام اللہ بھی۔ وہ بہترین بُرہان ہے اور برترین صداقت اپنے اندر رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں آیت بمعنی پیغام بھی ہے۔

أَلَا بُلَغَا هَذَا الْمَعْرَضُ آيَةً يَقْظَانُ قَالَ الْقَوْلُ إِذْ قَالَ أَمْ حَلَمَ ﴿۱﴾
قرآن مجید کی ہر ایک آیت منجانب اللہ ایک پیغام ہے۔ اس لیے بھی اس اسم سے موسوم ہے۔
کِتَبُ: قرآن مجید کو کتاب فرمایا۔

قرآن کے متعلق اللہ کے چار وعدے

① کیونکہ جوں ہی کوئی آیت نازل ہوتی تھی۔ فوراً ہی لکھی جاتی تھی۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ

نے نبی ﷺ کو متعدد آیات میں یہ ارشاد فرمایا تھا۔

الف: کہ حضور ﷺ قرآن مجید کو کبھی نہ بھولیں گے۔

﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَى﴾ [الاعلیٰ: ۶]

”ہم تجھے پڑھائیں گے پھر تو نہ بھولے گا۔“

تم دونوں اس مرض کو پیغام پہنچا دو کہ اس نے جاگتے ہوئے یہ بات کہی ہے یا خواب میں۔

ب: بتلادیا تھا کہ اس کلام پاک کی جمع و ترتیب کا ذمہ دار بھی خود اللہ تعالیٰ ہے۔

﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ [٤٥/القيامة: ١٧]

”ہم پر اس کا جمع کرنا اور پڑھ دینا ہے۔“

ج: فرما دیا تھا کہ زمان مستقبل میں بھی حفاظت رب العالمین ہی فرمائے گا۔

﴿وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [١٥/الحجر: ٩٠]

د: فرما دیا تھا کہ ایک ایسی جماعت ہمیشہ موجود رکھی جائے گی۔ جن کے سینوں میں قرآن پاک محفوظ رکھا جائے گا۔

﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾ [٢٩/الحکمت: ٣٩]

”قرآن تو وہ روشن آیات ہیں جو علم والوں کے سینہ میں ہیں۔“

تاہم نبی ﷺ کو کتابت قرآن حمید کا اتنا شغف تھا۔ کہ کسی آیت کا نزول خواہ رات دن کے کسی وقت میں ہوتا۔ حضور ﷺ فوراً ہی کاتب کو طلب فرماتے۔ آیت منزلہ تحریر کروادیتے۔

اس آیت کی ترتیب دیگر آیات کے ساتھ کہ اسے کہاں لکھا جائے۔ کس آیت سے پہلے، کس آیت کے بعد اسی وقت عمل میں لاتے تھے اور پھر نماز میں اسی ترتیب کے مطابق سب کو پڑھ کر بھی سنا دیتے تھے۔

کتاب کہنے کی وجہ اول

پس وہ کلام جس کے نزول کے ساتھ ساتھ کتابت کا اس قدر اہتمام کیا گیا ہو۔ اسے کتاب کے نام سے موسوم کیا جانا بالکل صحیح ہے۔

کتاب کہنے کی وجہ دوم

دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید قبل از نزول بھی لوح محفوظ میں تحریر شدہ ہے۔

کتاب کہنے کی وجہ سوم

تیسری وجہ یہ ہے کہ کتب کے معنی اصل لغت میں جمع کرنا ہے۔ کَتَبَ الْكِتَابَ اسی

لیے کہا جاتا ہے کہ حروف کو حروف کے ساتھ سطح کاغذ پر جمع کیا جاتا ہے۔ محاورات عرب پر غور کرو۔ کَتَبَ الْكِتَابَ۔ فوجی دستے جمع کئے، کَتَبَ السِّقَاءَ۔ چرمی حوض لگایا، کَتَبَ السَّاقَةَ۔ ناقہ کے تھن میں دودھ جمع کیا۔ پس اصل لغت کے لحاظ سے قرآن مجید کو کتاب کہنا درست ہوا اور اندریں حالت اس کا ترجمہ الجامع ہوا یعنی وہ کلام جو مواعظ و امثال، انذار و تبشیر، احکام و حکم شریعت و حکمت کا جامع ہے۔

قرآن پاک کن وجوہ سے مبین ہے

مبین لازم و متعدی

بَانَ الشَّيْءُ . يَا أَبَانَ الشَّيْءِ سے ہے۔ یعنی لازم و متعدی ہر دو معانی کے لیے۔ کتاب حمید بذات خود بھی روشن ہے کیونکہ اپنے موضوع کو نہایت واضح طریق سے بیان کرتی ہے۔

نیز واضح کرنے والی بھی ہے کیونکہ واقعات و احکام اور اخبار ماضی و مستقبل کو بھی وضوح میں لاتی ہے۔ اس نے رُشد و غی اور حق و باطل پر بخوبی روشنی ڈال دی ہے:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ [۱۲/ یوسف: ۲]

”ہم نے اسے اتارا ہے۔ وہ پڑھی جانے والی کتاب اور عربی ہے۔ تاکہ تم اسے خوب سمجھ سکو۔“

أَنْزَلْنَاهُ: کی ضمیر کتاب کی طرف ہے اور قرآن بطور بدل واقع ہے۔

قُرْءَانًا: قرآن قرء سے مصدر ہے اور مصدر کو مبالغہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے کتاب حمید کو قرآن بتلانے میں ایک پیشگوئی بھی مضمّن ہے۔

”یعنی یہ کتاب بکثرت پڑھی جانے والی ہے۔“ ساڑھے تیرہ سو سال کا زمانہ دراز شاہد عدل ہے کہ یہ پیشگوئی کیوں کر تسلسل و تواتر کے ساتھ پوری ہو رہی ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جو از اول تا آخر خراب مسجد میں پڑھی اور سنائی جاتی ہے۔

یہی وہ کتاب ہے جسے ایک دن میں پانچ وقت کروڑوں اشخاص پڑھ لیتے ہیں۔ دوسری وجہ تسمیہ اسم قرآن کی یہ ہے کہ یہ قرأت الماء فی الحوض کے محاورہ سے بنایا

گیا ہے۔ اس کے معنی ہیں ”حوض میں پانی جمع کر دیا گیا۔“ چونکہ کتب اولین کے جملہ علوم اس کتاب میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس لیے اس کا نام قرآن ہوا۔ [کتاب الفوائد لابن قیم]

ایک ہی آیت میں کتاب و قرآن کو لانے کی خاص وجہ

اس ایک ہی آیت میں اس کلام پاک کے دو وصفی نام جمع کر دیئے گئے ہیں۔
(۱) کتاب (۲) قرآن۔ اگر کوئی شخص دنیا بھر کے تمام مذاہب کتب کی تاریخ پر نظر ڈال سکتا ہے۔ تو وہ دیکھے کہ دنیا کی کسی کتاب پر کتاب اور قرآن کے دونوں اوصاف ہر وقت اور ہر زمانہ میں پورے ہوتے ہوئے نظر نہ آئیں گے۔

کوئی کتاب لکھی گئی تو پڑھی نہ گئی۔ کوئی کتاب پڑھی گئی تو لکھی نہیں گئی لیکن ابتداءً نزول اور بدو شیوع سے یہ دونوں صفات جس کلام پاک میں صادق آتے ہیں وہ یہی کلام حمید ہے اور یہ بھی قرآن پاک کی وہ اعلیٰ خصوصیت ہے جو اسے اپنے اوصاف عالیہ کے لحاظ سے فرقان ٹھہراتی ہے۔

عَرَبِيًّا: یعنی قرآن کو عربی زبان میں اتارا۔

قرآن کا عربی ہونا احسان برعرب ہے

الف: یہ احسان اہل عرب پر بھی ہے کہ قرآن کو عربی میں اتارا کیونکہ وہ بعثت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر تعلیمات اور فیوض نبوت سے بالکل محروم تھے۔ عرب میں ہزار ہا سال سے کوئی نبی نہ ہوا تھا اور اہل عرب تمام دنیا سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے کسی دوسری زبان سے آشنا نہ تھے۔

قرآن کا عربی ہونا احسان برعالم (جہاں) ہے

ب: یہ احسان جملہ اہل عالم پر بھی ہے کہ قرآن کو عربی میں اتارا گیا۔ یہ امر تو ہر شخص تسلیم کرے گا کہ کتاب کے لیے کوئی نہ کوئی زبان ہونی چاہیے۔

آخری کتاب کی زبان

لیکن فیصلہ طلب سوال یہ تھا کہ آخری کتاب کے لیے کس زبان کو حق ترجیحی

حاصل ہے؟

کیا اس کے لیے کوئی ایسی زبان اختیار کی جاتی۔ جس کا پہلے سے دنیا میں کوئی وجود نہ تھا۔ اگر اسی کو پسند کیا جاتا تو پھر اس سوال کا تعلق اس زبان سے ہو جاتا۔ جسے اس انوکھی زبان کی اولین ترجمان بننے کا شرف دیا جاتا۔

زبان جدید

کیا کوئی ایسی زبان اختیار کی جاتی۔ جو عہد قدیم میں مروج نہ تھی، نہیں! کیوں کہ مندرجہ بالا صورت میں بھی ایسی مشکلات موجود ہیں جن کا حل دشوار ہے۔

کوئی یورپین زبان

کیا کوئی یورپین زبان پسند کی جاسکتی تھی؟ نہیں! کیونکہ یورپ روحانیت میں ہمیشہ ایشیا کا شاگرد رہا ہے۔ ❀

ابراہیم علیہ السلام کی رائے کا تقدم

یہودیوں، عیسائیوں، صابیوں اور مسلمانوں کی تعداد کا مجموعہ دنیا کی باقی دیگر اقوام سے بہت زیادہ ہے۔ اس لیے ان سب کے پدر بزرگوار ابراہیم خلیل الرحمن علیہ السلام کی رائے کو اس بارے میں تقدم ملنا چاہیے۔

مکہ عالم کے لیے مرکز واحد بنایا گیا

سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جملہ عالم کی اصلاح کے لیے مکہ بطور مرکز واحد

❀ اخبار الاندلس کا مصنف ایس۔ پی۔ کاٹ تسلیم کرتا ہے کہ انگریزی زبان کے سب سے زیادہ روزمرہ کی اصطلاحات بغیر تبدیلی کے عربی زبان سے لیے ہوئے اب تک ہماری زبان میں موجود ہیں۔ فرنج زبان کے اکثر الفاظ و محاورات عربی زبان سے ماخوذ ہیں۔ یعنی زبان کو تو بگڑی ہوئی عربی کہا جاتا ہے۔ زبان اطالیہ پر جواڑ صقلیہ کے مسلمانوں نے ڈالا وہ صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے، ان فقرات سے معلوم ہو گیا کہ یورپ کی زبانوں نے خود عربی سے اپنے روزمرہ کی ضروریات کو مانگ مانگ کر پورا کر لیا ہے۔ لہذا ان میں حق ترجمانی کی خصوصیات کب مل سکتی ہیں۔ کتاب ام اللسانہ میں ۴۷۳ ایسے الفاظ کی فہرست دی گئی ہے جو انگریزی زبان سے لیے گئے ہیں۔ یہ مصنف کی ابتدائی کوشش ہے۔ اگر سب مسلمان اس موضوع کی تحقیق پر متفق ہو جائیں۔ تو اس کا شمار ہزاروں تک پہنچ سکتا ہے اور بدھ آتشکار کیا جاسکتا ہے کہ ام القری مکہ ہی کی زبان ام اللسانہ ہے۔

قائم فرمایا تھا اور انہوں نے اس اصلاح کل کے کام کی بنیاد اور ترقی کی ذمہ داری اپنے پہلے فرزند سیدنا اسماعیل علیہ السلام پر ڈال دی تھی بوجہ اس اعلیٰ قابلیت کے جو ان کی ذات جمیع الصفات میں مرکوز و موجود تھی۔

اسماعیل علیہ السلام مختلف السنہ کے عالم اور عربی میں مبلغ تھے

اسماعیل علیہ السلام کی پدری زبان بابلی تھی۔ مادری زبان قبطی تھی۔ ان کی علمی زبان عبرانی تھی۔ فلسطین میں رہ کر انہوں نے وہاں کی زبان پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ وہ یمن، حضرموت، نجد و بطناء کے لیے مبعوث تھے۔ جہاں کی زبان عربی تھی۔

وہ حجاز کے حکمران خاندان کے داماد تھے۔ ان کی دوسری بیوی مصر سے لائی گئی تھی۔ چونکہ عربی ہی ایسی زبان تھی۔ جس سے اسماعیل علیہ السلام کو تبلیغ کرنی پڑی اس لیے عربی ہی ایسی زبان بن گئی تھی جس میں مندرجہ بالا ممالک کے علوم کی جامعیت پیدا ہو گئی تھی اور انوار نبوت اور علوم سادویہ کے اجتماع نے اسے جامع تر اور مکمل تر بنادیا تھا۔ عربی زبان کے حق ترجیحی کی تائید میں یہ ایک وجہ منجملہ دیگر وجوہ ہے۔

زندہ رہنے والی زبان

اس کے بعد اس نکتہ پر بھی غور کرو کہ قدرت الہیہ نے اسی زبان کو آخری کتاب کے لیے پسند فرمایا جو زندہ رہنے والی زبان تھی۔

اس فقرہ کا مطلب سمجھنے کے لیے آپ ان زبانوں کی تاریخ گزشتہ، اور حیثیت موجودہ پر غور فرمائیں۔ جن میں کسی الہامی کتاب کا ہونا آج تک بیان کیا گیا ہے۔

سابقہ الہامی کتابوں کی اصلی زبانوں کا حشر

وید کی زبان، ثند و استا کی زبان، توراۃ کی زبان، انجیل کی زبان، کیا آج دنیا میں کسی جگہ بولی جاتی ہے یا کوئی شہر، کوئی قریہ، کوئی کوچہ بھی ایسا ہے جہاں ان السنہ میں سے کسی لسان کا استعمال بطور زبان ہوتا ہے؟؟؟

جواب میں ہر راست گو کو قطعاً خاموش ہونا پڑے گا۔ نتیجہ صاف ہے کہ علم الہی نے جو ماضی و حال و استقبال پر حاوی ہے۔ اپنی آخری کتاب کے لیے کسی ایسی زبان کو اختیار نہ فرمایا۔

جو پردہ عالم سے جلد تر مردہ و ناپید ہونے والی تھی۔ یا مردہ و ناپید بن چکی تھی بلکہ ایسی زبان کو حق ترجیحی عطا فرمایا جس میں حیات اور نمو، قیام کی صفات اور استعداد اور طاقت موجود تھی۔

عربی کے زیر نگین ملک

عربی زبان کو دیکھو۔ وہ آج اپنے مہد تربیت کے علاوہ مصر و شام، مراکو و سوڈان، الجزائر، ٹیونس کی بھی زبان ہے۔ وہ نہ صرف مسلمانوں کی زبان ہے بلکہ لاکھوں یہودی، کروڑوں عیسائی اور ہزار ہزار قبطی و حبشی کی بھی وہی پیاری زبان ہے۔ اس میں آج لیڈن سے لے کر برازیل تک اخبار و رسالے شائع ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان ممالک میں نہ عربی اقوام کی حکومت ہے نہ عربی اقوام کی سکونت ہے اور نہ اسلامی مذہب کا تسلط ہے۔

انسانی طاقت سے مافوق حالات

یہ ایسی وجوہات ہیں جن پر ایک فلسفی دماغ کو کامل غور کرنا لازم ہے کیونکہ کسی زبان کا پردہ عالم سے ناپید ہو جانا، یقیناً انسانی فعل سے برتر ہے اور کسی ایک زبان کے استحکام و بقا کا اتنا وسیع و محکم انتظام کرنا بھی کسی خاص قوم کی تدبیر سے بالکل ارفع و اعلیٰ ہے۔

اولڈ انگلش کا اب حال

آج اولڈ انگلش موجودہ انگریز کے لیے ایک نئی زبان کے برابر ہے۔ یہ تفاوت صرف تین صدی کے اندر اندر کا ہے۔

قرآن مجید اور ۱۴ صدیاں

مگر قرآن مجید کی عظیم زبان اب تک حجازی، تہامی، یمنی، حضری، نجدی، بطائی کے لیے ویسی ہی صاف اور واضح ہے۔ جیسا کہ وہ چودہ صدی پیشتر تھی۔

جس زبان میں اس قدر قوت حیات موجود ہے۔ اس کا انتخاب میں آ جانا بالکل ایک فطری امر تھا۔

عربی زبان کی تعریف یورپین مؤرخ سے

ایس۔ پی سکاٹ جس نے بیس سال سے زیادہ عرصہ عربوں کی عادات و خصائل پر

غور کرنے میں صرف کیا ہے۔ اپنی کتاب ”اخبار الاندلس“ میں کہتا ہے:

”عربی زبان کی شیرینی، اس کی حیات بخش قوت، اس کا رسیلا پن، اس کے استعارات کی کثرت بقلمونی نے اسے شاعری کے لیے اتنا موزوں بنا دیا ہے کہ یہ درجہ دنیا کی کسی اور زبان کو بہت کم حاصل ہے۔ کوئی لفظ، کوئی محاورہ ایسا نہیں جو خوبصورتی اور لطافت کے ساتھ نظم میں موزوں نہ ہو جائے۔“

نثر و نظم و موسیقی کا معیار اور عربی

اس کی نثر میں نظم کا مزہ آتا ہے اور اس کی نظم جیسا کہ اوزان عروض پر پوری اترتی ہے۔ ویسے ہی قواعد موسیقی کے پورا کرنے میں بھی کامل ہے۔

عربی زبان کی خصوصیت

صرف و نحو کی تکمیل

میں کہتا ہوں کہ علم الالسنہ کے عالمان زمانہ حال پر یہ بات روشن ہو چکی ہے کہ عربی زبان کی صرف و نحو وسیع و مکمل ہے۔ اس کے لغات کثیر التعداد، کثیر المعانی ہیں۔ اظہار جذبات کی اس میں بہت بڑی وسعت ہے۔

عربی مصادر تین حروف سے

عربی دان جانتا ہے کہ تمام عربی مصادر کا مادہ سہ حرفی لفظ ہوتا ہے۔ اب یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اس سہ حرفی لفظ کی ترتیب ایسے طریق پر رکھی گئی ہے کہ جب انہی حروف میں تقدیم و تاخیر و تقلیب کر دی جائے تو اس سے دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے درجہ تک مختلف معانی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

① مثلاً س۔ ل۔ ب تین حروف ہیں۔ اس سے سلب اور سل، لبس اور لب، بلس اور بسل چھ الفاظ بن گئے ہیں اور سب با معنی ہیں۔

✽ منشی محمد خلیل الرحمن صاحب پرنٹنگ ڈسٹری بیوٹن تار تھ ویٹرن ریلوے لاہور نے اس کتاب کا مکمل اردو ترجمہ چھاپ دیا ہے۔

ایک مصدر کے حروف سے ۶ مصادر

② مثلاً ع۔ ر۔ ب۔ تین حروف ہیں۔ اس سے عرب۔ عبر۔ رعب۔ ربع۔ بعر۔ برع۔
چھ الفاظ بامعنی مروج ہیں۔

③ مثلاً ق۔ م۔ ر۔ تین حروف ہیں اس سے قمر۔ قرم۔ مقرر۔ مرق۔ رمق۔ رقم الفاظ
بامعنی موجود ہیں۔

④ مثلاً ر۔ ط۔ ب۔ تین حروف ہیں۔ اس سے رطب، ربط، طرب اور طبر اور برط و بطر
سب بامعنی الفاظ ہیں اور زبان پر جاری ہیں۔

⑤ مثلاً ح۔ م۔ ل۔ تین حروف ہیں۔ اس سے حمل۔ حلم۔ ملح۔ محل۔ لمح۔ لحم۔ بامعنی
الفاظ جاری ہیں۔

⑥ مثلاً س۔ ل۔ م۔ تین حروف ہیں۔ اس سے سلم۔ سمل۔ لسم۔ لس۔ لیس۔ بامعنی الفاظ
لغات میں موجود ہیں۔

ایسی مثالیں سینکڑوں کی تعداد میں تلاش سے مل سکتی ہیں۔

خاص معنی کے لیے خاص حرف کی خصوصیت

اس سے بڑھ کر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عربی زبان میں خاص خاص معانی کے لیے۔
حروف کی خاص خاص خصوصیات ہیں اور ان حروف کو انہی خصوصیات کی وجہ سے
اصل مادہ میں شامل کیا گیا ہے۔

حرف میم کی خصوصیت

مثلاً حرف میم میں معنی جمعیت کی خصوصیت و دلالت کی گئی ہے اور وہ بھی اس لیے کہ
خود حرف مذکور کا تلفظ اس معنی کا خواست گار تھا۔ دیکھو اس کے ادا کرنے میں ہونٹ مل
جاتے ہیں۔ اب ان الفاظ پر غور کرو جن میں حرف میم آتا ہے۔

مثلاً: اُمّ ماں یا درخت کے تنہ کو کہتے ہیں۔ بچے اپنی ماں سے اور شاخیں اپنے تنہ
سے جمعیت پاتی ہیں۔

مثلاً: تو ام..... وہ دو بچے جو ایک بیٹ میں ایک وقت رہے ہوں۔

ہم..... وہ فکر جو انسان کے دل میں جم جائے۔

ضم..... ایک شے کا دوسرے کے ساتھ مل جانا۔

امام..... وہ شخص جس پر جماعت کا اجتماع ہو جائے۔

تمام..... وہ حالت جو جملہ اجزا کی جامع ہو۔

حرف الف کی خصوصیت

اسی طرح حرف الف پر خیال کرو۔ اس کے ادا کرتے ہوئے آواز میں مد پیدا ہوتی ہے۔ اس کی یہ خصوصیت معانی الفاظ میں بھی جلوہ گر رہتی ہے۔

طویل کے معنی ہیں لمبا، لیکن طوال کے معنی ہیں بہت لمبا۔ یہ ترقی صرف الف کی وجہ سے ہوئی۔ کبیر کے معنی ہیں بڑا، لیکن کبار کے معنی ہیں بہت بڑا۔ یہ حرف الف ہی کی فیض بخشی ہے۔

اعراب کا اثر معانی پر

آپ اس سے بھی آگے بڑھیں کہ عربی زبان میں حرکات (ضمہ۔ کسرہ۔ فتح) سے بھی الفاظ کا کام لیا گیا ہے۔ دیکھو۔ فعلت ایک لفظ ہے فتح تا سے مخاطب مذکر۔ کسرہ تا سے مخاطب مؤنث۔ ضمہ تا سے واحد متکلم اور جزم تا سے غائب مؤنث کے معنی دیتا ہے۔

اعراب کی طاقتیں

اس کے بعد یہ بھی یاد رکھئے کہ حرکات میں ضعف و قوت کی تقسیم ہے۔ ضمہ قوی تر ہے، پھر کسرہ، پھر فتح۔

یہ تقسیم خیالی نہیں بلکہ حقیقی ہے کیونکہ حرکات کی اس ضعف و قوت کا اثر الفاظ کے معانی پر بھی ہوتا ہے۔



غور کرو.....!

حَمْلٌ : بالفتح۔ ایسا بوجھ جس کا اٹھانا گوار نہ ہو۔ مادہ کے پیٹ کا بچہ یا درخت کا پھل۔
حَمْلٌ : بکسر۔ ایسا بوجھ جس کا اٹھانا دشوار ہو۔

﴿وَلَمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلٌ بِعِيبٍ﴾ [یوسف: ۷۲]

”اتنا غلہ دیا جائے گا کہ ایک مضبوط اونٹ بمشکل اٹھا سکے۔“

چونکہ کسرہ بہ نسبت فتح قوی ہے۔ اس لیے کسرہ نے معنی میں اتنی قوت پیدا کر دی۔
سَبَقٌ : فتح اول و جزم ثانی، دوڑ۔ **سَبَقٌ**۔ بقیۃً، وہ روپیہ جو دوڑ کی شرط پر لگایا جاتا ہے۔
دوڑ نا آسان ہے۔ مگر دوڑ کی شرط کاروپیہ ادا کرنا دشوار ہوتا ہے۔
پہلی لغت میں جزم ہے۔ دوسرے میں فتح۔ اس لیے ہر دو معنی میں تفاوت ہو گیا۔
حَبٌّ : بالضم محبت اور بکسر محبوب کو کہتے ہیں۔ محبت کی برداشت دشوار ہے مگر خود محبوب کبھی بار خاطر نہیں ہوتا۔

معنی میں یہ لطافت ضمہ اور کسرہ کے تفاوت قوت نے پیدا کر دی ہے۔
الفرض عربی زبان کے ایسے ایسے اسرار ہیں جن سے دنیا بھر کی تمام السنہ کے خزانے خالی ہیں بلکہ اُن امور سے ماہرین السنہ دیگر کے کان بھی نا آشنا ہیں۔

حروف و حرکات کا معانی سے اور معانی کا حروف و حرکات سے تعلق

اگر کوئی شخص عربی حروف تہجی کے ہر ایک جداگانہ حرف کے خواص سے واقف ہو جائے اور اس مناسبت کا علم بھی اسے ہو جائے جو حرکات کو الفاظ و معانی کے ساتھ ہے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ کسی معنی کے لیے کسی لفظ کا اختراع اور اس لفظ کے انہی حروف کا اختصاص بالکل دلائل پر مبنی ہے اور یہ ایسے دلائل ہیں، جو باور کر دیتے ہیں کہ ٹھیک ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔
اس معنی کے لیے یہی لفظ اور اس لفظ کے لیے یہی حروف اور ان حروف کی لیے انہی حرکات کا ہونا ضروری و ناگزیر تھا۔

ابن حنی کا قول

علامہ ابوالفتح عثمان بن حنی (ولادت ۳۳۰ھ وفات ۲۸ صفر ۳۹۲ھ) کا قول ہے کہ

بارہا ایسا ہوا ہے کہ میں نے کوئی ایسا لفظ سنا، جس کے معنی معلوم نہ تھے۔ تب میں اس لفظ کے حروف پر اور حروف کی طاقت پر اور اس مناسبت پر جو حروف کو معانی سے ہے غور کرتا اور پھر اپنے ہی فہم سے اس لفظ کے ایک معنی قائم کر لیتا تھا۔ من بعد تحقیق اس کے وہی معنی ثابت ہوا کرتے تھے۔

علامہ ابن تیمیہؒ

علامہ ابن تیمیہؒ کی بابت ایسا ہی بیان کیا گیا ہے۔

ان نظائر سے واضح ہو جاتا ہے کہ عربی زبان کے ایک ایک لفظ کی بناوٹ میں کس قدر خوض اور غور اور تعمق سے کام لیا گیا اور مناسبات و ضروریات کا کتنا اندازہ لگایا گیا ہے۔ تب کوئی (سہ حرنی) لفظ بطور مادہ کے قائم کیا گیا ہے۔

صرف کبیر

آپ اس سے بھی آگے قدم رکھیں اور اس ایک لفظ کی صرف کبیر پر غور کریں تب معلوم ہو جائے گا کہ یہ ایک لفظ کیا ہے یہ تو ۱۹۶ الفاظ کا مورث اعلیٰ ہے۔

اشتقاق صغیر

اب آپ صرف کبیر کو ہی دیکھ کر حتم نہ جائیں اور تھک نہ جائیں کیونکہ علماء لغت کے نزدیک تو اس کبیر کا نام بھی اشتقاق صغیر ہے اس کے بعد اشتقاق اوسط اور پھر اشتقاق اکبر کا درجہ آتا ہے اور اس طرح عربی الفاظ کے خاندان کا وسیع تعلق دیگر الفاظ کے ساتھ وسعت پذیر ہوتا جاتا ہے۔

اشتقاق صغیر کی تعریف تو صرف کبیر کے لفظ سے سمجھ میں آگئی ہوگی۔ بہتر ہے کہ اشتقاق اوسط و اکبر کی مختصر تعریف لکھ دی جائے۔

اشتقاق اوسط

اشتقاق اوسط یہ ہے کہ ایسے دو لفظ پائے جائیں جن کے حروف تو وہی ہوں، مگر ترتیب وہ نہ ہو مثلاً قصد اور صدق۔ بایں ہمہ ہر دو کے معانی میں ایک وجہ اشتراک موجود ہے۔

اشتقاق اکبر

اشتقاق اکبر یہ ہے کہ الفاظ میں بعض حروف کے اعتبار سے اتفاق لفظی اور بعض دیگر کے لحاظ سے اتفاق فی الجنس پایا جاتا ہو۔ مثلاً حزر۔ عز۔ از پر غور کرو۔ ہر سہ لغات میں حروف حلقی کی شمولیت پائی جاتی ہے اور اسی لیے ہر ایک کے معنی میں شدت و قوت کا مفہوم موجود ہے۔

خاصیت ابواب

لفظ واحد کی بحث کی طرف پھر غور فرمائیے۔ جب آپ ان خواص کو معلوم کریں گے جو ہر ایک مزید فیہ باب میں منتقل ہو جانے سے اس لفظ کے اندر پیدا ہو گئے ہیں تب آپ کو پتہ چل جائے گا کہ یہ ایک لفظ کیا ہے یہ تو ایسا خزانہ ہے جس میں جذبات و کیفیات و تاثیرات نفسی و آفاقی کو جمع کر دیا گیا ہے۔

ایک لفظ کے معانی کثیرہ اور وجہ اشتراک

زبان عربی کے حالات کی تفتیش میں آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس میں ایسے الفاظ بھی موجود ہیں کہ ایک ایک لفظ معانی کثیرہ پر حاوی ہے۔ مثلاً عین۔ جس کے معنی آفتاب، چشمہ، زر مسکوک، آنکھ وغیرہ (۵۱) ہیں۔ اور باوجود اس کثرت معانی کے بھی ان سب میں ایک ایسی وحدت بھی موجود ہے جو جملہ معانی کے لیے بطور وجہ مشترک ہے۔

الفاظ کثیرہ کا مدلول واحد اور عدم اشتراک

اس زبان میں ایسے الفاظ بھی موجود ہیں۔ جو مآت والوف (سینکڑوں اور ہزاروں) کی تعداد میں ہیں اور معنی واحد یا شئی واحد پر دلالت کرتے ہیں اور باوجود ایک وجہ مشترک پائے جانے کے ہر ایک لفظ میں ایک ایسا مابہ الامتیاز موجود ہے، جو اسے ایک مستقل لفظ بنائے ہوئے ہے۔ مثلاً عربی زبان میں شہد کے لیے (۸۰) سانپ کے لیے دو سو، شیر کے لیے (۵۰۰) تلوار کے لیے ہزار نام موجود ہیں۔ تاہم ہر ایک نام اپنے اندر ایک جداگانہ صفت رکھتا ہوگا۔

کثرت و قلت لغات حسب ضرورت تمدن

جب آپ تمدن کے اصول سے اس کثرت و قلت لغات پر نظر ڈالیں گے تو منکشف ہوگا کہ اس کا مدار بھی ضروریات انسانی اور خصوصیات قومی پر ہے۔ وہ اشیا جس کی کاروبار زندگی میں زیادہ ضرورت ہے۔ اس کے لیے لغات بھی وافر ہیں اور جس کی احتیاج محدود ہے اس کے لیے الفاظ بھی کمتر ہیں۔

حروف تہجی۔ مخارج و صوت و بیان میں ہمہ گیری

ان محاسن پر یہ بھی مزید ہے کہ عربی حروف تہجی کے الفاظ دنیا کی سب سے مشہور ترین السنہ (زبانوں) کی تہجی سے کم ہیں اور باوجود کی جس قدر حروف موجود ہیں۔ وہ نقل صوت، سہولت بیان اور اصول مخارج کے لحاظ سے سب زبانوں سے زیادہ ہمہ گیر ہیں۔

توحید خالص کے لیے عربی زبان ہی موزوں ہے

ان جملہ اوصاف عالیہ کے بعد یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عربی زبان خود مستقل زبان ہے۔ وہ نہ کسی دوسری زبان سے مستخرج ہے اور نہ ہی کسی دوسری زبان سے مرکب ہے۔ فی الحقیقت توحید خالص کے بیان کے لیے ایسی ہی خالص زبان کا ہونا بھی لازمی تھا۔

یہ ہیں مختصر اُوہ خصوصیات و محاسن جو عربی زبان کو دنیا کی سب زبانوں سے ممتاز و برتر ٹھہراتی ہیں اور ان جملہ امور پر عبور کرنے سے بخوبی سمجھ میں آ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جملہ اہل عالم پر یہ بھی احسان عظیم ہے۔ کہ اس نے اپنے آخری پیغام اور کلام کے واسطے عربی زبان کا انتخاب فرمایا۔

عقل کی ضرورت

تَعْقِلُون : عقل سے ہے، عقل کے معنی فہم و ادراک و تدبر ہیں۔ قرآن مجید سے فائدہ اٹھانے کے لیے فہم و ادراک و تدبر ہی کی از بس ضرورت ہے:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا

الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ﴾ [۱۲/ یوسف: ۳]

”اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! ہم وحی قرآنی میں تم سے ان واقعات کا بیان اچھی

طرح کرتے ہیں اگرچہ تو اس سے پیشتر ان سے لا پرواہ تھا۔“

نَقْصُ: (قَصُّ اَثَرِهِ قِصًّا وَ قِصَصًا) کسی شے کی دریافت کے لیے پیچھے پیچھے چلنا۔

موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔ ﴿فَارْتَدَّا عَلَىٰ اَثَارِهِمَا قِصَصًا﴾ [۱۸/ الکہف: ۶۳]

”وہ دونوں اپنے نشان قدم پر واپس ہوئے۔“

أَحْسَنَ الْقِصَصِ: بیان کا بہترین طریق۔ عام لوگ قِصَصُ بفتح کو قِصَصُ بکسر ق سمجھ لیتے ہیں اور مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ خوبصورت قصہ بیان کیا جائے گا، مگر سمجھ لینا چاہیے کہ لفظ أَحْسَنُ کا تعلق تو بیان سے ہے، نہ کہ کسی داستان سے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرغوب مضامین

لِمَنِ الْغَافِلِينَ، غَفَلَ عَنْهُ اس کام کو چھوڑ دینا۔ غافل، لا پرواہ۔ آیت بالا سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان طبع لوگوں کو دلچسپ قصے سنانا اور سننے والوں کے دلوں کو یوں لبھانا ہرگز نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر توجہ تو مسائل توحید و حشر و نشر، بیان اعمالِ صالحہ، تزکیہ قلب و تہذیب اخلاقِ عالم پر مبذول تھی۔

واقعاتِ بشری سے استدلال

قرآن مجید میں بھی جن واقعاتِ بشری کا بیان ہوا ہے وہ بطور قصہ یا تاریخ نہیں بلکہ استدلال و استناد کے طریق پر ان کا ذکر ہوا ہے۔

﴿إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ﴾ [۱۲/ یوسف: ۳]

”جب یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا کہ پیارے باپ میں نے

۱۱ تارے، چاند اور سورج کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔“

سم یوسف کا عربی ترجمہ

یوسف عبری زبان کا نام ہے۔ عربی میں اس کا ترجمہ ”مزید“ ہے۔ ان کی پیدائش

کے وقت ماں نے کہا تھا کہ اللہ مجھے اور بھی بیٹا دے گا۔

یوسف علیہ السلام کی مختصر سوانح

یوسف علیہ السلام ۱۷ سال کے تھے جب چاہ میں گرائے گئے۔ تین شب چاہ میں رہے چھ سال عزیز مصر کے گھر، سات سال زنداں میں، ۳۰ سال کی عمر تھی۔ جب مصر کے حاکم مطلق بنے۔ ۳۰ سال کی عمر تھی۔ جب باپ سے مصر میں ملاقات ہوئی۔ ۸۰ سال فرمان روائی کی، ۱۱۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ پوتے اور پڑپوتے دیکھے، مصر میں مدفون ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے خروج از مصر کے وقت ان کے تابوت کو اپنے ساتھ لیا۔ یوشع بن نون علیہ السلام نے اس تابوت کو ان کے جدی گورستان میں دفن کیا۔

صحیح بخاری کی روایت عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْكَرِيمُ بْنُ الْكَرِيمِ بْنِ الْكَرِيمِ يُوسُفُ بْنُ يُعْقُوبَ

بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِمُ وَ عَلَى نَبِينَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ)) ❦

لَا بَيْهَ: اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے۔

أَبَتِ: اصل میں ”ابی“ ہے، ی کو ت سے بدل دیا ہے۔

أَحَدُ عَشَرَ: گیارہ۔ ابن جریر نے بروایت عبد الرحمن بن سابط رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ بستانہ یہودی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان گیارہ ستاروں کے نام پوچھے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وہ نام بتلا دیئے تھے۔ جو روایت مذکورہ میں درج ہیں۔ یہی نے دلائل میں حافظ ابویعلیٰ اور ابوبکر بزار نے اپنی اپنی مسند میں، ابن ابی حاتم نے تفسیر میں اس روایت کو درج کیا ہے۔ ان جملہ روایات میں حکم بن ظہیر راوی آتا ہے، ائمہ حدیث نے اسے ترک کر دیا ہے۔ جر جانی نے اسے ساقط الاعتبار بتایا ہے۔ یہی حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے مگر اس روایت میں بھی یہی حکم بن ظہیر شامل ہے۔

كَوْكَبًا: بجلی، بجلی کی چمک، غلام کَوْكَبَ روشن چہرہ نوجوان۔

كَوْكَبَ: روشن ستارہ، یہی مراد ہے۔

شمس: سورج، یہ اسم شمس سے بنایا گیا ہے۔ شمس کے معنی امتناع ہیں۔ شمس الدابہ: گھوڑے کا سوار کو چڑھنے نہ دینا، چونکہ آفتاب کی روشنی آنکھ کو اس کی طرف دیکھنے سے روکتی ہے، اس لیے اس کا نام شمس رکھا گیا۔ یہ شمس عربی زبان میں مؤنث سماعی ہے۔ اس میں بھی یہ لطافت ہے کہ عورتوں کے حسن پر نگاہ کرنے سے بھی ہم کو ان کا احترام روکتا ہے۔

قمر: چاند۔ قمرہ سے یہ اسم بنایا ہے، قمرہ کے معنی شدت البیاض ہیں۔ سخت سفید کو اسی لیے ا قمر کہتے ہیں۔

شمس و قمر کے لغوی معانی پر غور کرو۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہر ایک چیز کا نام بھی اس چیز کی فطری خصوصیات پر تجویز کیا گیا ہے، بلا وجہ نہیں بنایا گیا۔ لغت عرب میں پہلی، دوسری، تیسری رات کے چاند کا نام ہلال ہے۔ باقی سب تاریخوں پر قمر کا اطلاق کیا جاسکتا ہے اگرچہ بدراس کی حالت تامہ کا علیحدہ نام بھی ہے۔

ساجدین: اصل لغت میں سَجَدَ کے معنی سر جھکانا ہے اور اظہار خضوع۔ اصطلاح شریعت محمدیہ میں پیشانی اور ناک کو زمین پر لگانا اس طرح سے کہ دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کی انگلیاں بھی زمین سے لگی ہوئی ہوں، رانیں پیٹ سے الگ ہوں اور بازو پہلوؤں سے الگ، اس اصطلاح کو اب حقیقت شریعہ کہا جاتا ہے۔

خواب یوسف کیوں قابل تعبیر تھا

یوسف علیہ السلام کے خواب کے دو نظارے تھے:

① گیارہ تاروں اور سورج چاند کو دیکھنا۔ یہ نظارہ اس لیے عجیب تھا کہ سورج کی موجودگی میں تو کوئی تارہ نظر نہیں آیا کرتا۔ اس لیے بھی عجیب تھا کہ آسمان کے لاکھوں تاروں میں سے صرف گیارہ ہی نظر آتے تھے۔

② اس لیے بھی عجیب تھا کہ وہ سب کے سب یوسف علیہ السلام کو سجدہ بھی کرتے تھے۔ سجدہ کے معنی خواہ لغوی مراد ہیں یا شرعی، بہر حال نجوم سماوی کا ایک بشر کے سامنے اس طرح پر جھک جانا جس سے وہ بشر بھی سمجھ لے کہ ان کا جھکنا اسی شخص کی تعظیم کے لیے ہے بالضرور عجیب تھا۔ ان دو نظاروں کی وجہ ہی سے ”رَآیْتُ“ اول کے بعد استینافاً بار ثانی ”رَآَيْتُهُمْ“ لایا

گیا ہے اور چونکہ سجدہ کرنا ذوی العقول کا فعل ہے۔ اس لیے ساجدین کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے۔

یہی دونوں امر تھے کہ یوسف علیہ السلام نے خواب کو اس قابل سمجھا کہ نبی اللہ یعقوب علیہ السلام کے سامنے بیان کریں۔

احادیث میں خواب کے متعلق چند آداب

احادیث پاک میں خواب کے متعلق چند آداب بتلائے گئے ہیں:

① اگر کوئی شخص برا خواب دیکھے تو اسی وقت تھوک دے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ الخ پڑھے اور کروٹ بدل لے۔ اس کا ذکر بھی کسی سے نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے برے خواب کی تاثیر سے محفوظ رکھے گا۔

② اگر اچھا خواب دیکھے تو کسی عاقل، عالم، خیر خواہ سے بیان کرے۔

③ تعبیر بتانے والے کو لازم ہے کہ تعبیر سوچ سمجھ کر بیان کرے اور بری تاویل زبان پر لانے سے احتراز کرے۔

﴿ قَالَ يُسَيِّئُ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَكَذَٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَاسْحَقَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ ﴾ [یوسف: ۵-۶]

”یعقوب علیہ السلام نے کہا: بیٹا! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہنا، پھر تو وہ تیرے لیے بداندیشی کریں گے۔ شیطان تو انسان کا ضرور کھلا دشمن ہے۔ تیرا خدا تجھے اسی طرح (جیسا کہ یہ اعلیٰ خواب دکھلایا ہے) برگزیدہ بنائے گا اور علم تعبیر خواب سکھائے گا اور اپنی نعمت کو تجھ پر اور آل یعقوب پر پورا کرے گا جیسا کہ اس نے قبل ازیں تیرے بابا اسحاق و ابراہیم علیہما السلام پر نعمت کا اتمام کیا تھا، تیرا رب تو جاننے والا حکمت والا ہے۔“

بنی: تغیر ہے، پیارا اور شفقت کا اس سے اظہار ہوتا ہے۔

رؤیا: مصدر ہے جیسے بُشریٰ و سُقیّا۔ اب مصدر بمعنی اسم مستعمل ہے اور ہر ایک شے جو انسان خواب میں دیکھتا ہے اس پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ خواب، سپنا رؤیا: کی چند اقسام ہیں۔

خواب کی قسم اول

الف: وہ خواب جو ہضم کی خرابی اور فسادِ معدہ سے نظر آتے ہیں، ایسے خوابوں میں عموماً اس خلط کا غلبہ شامل ہوتا ہے جو خواب دیکھنے والے کے مزاج میں غالب ہوتی ہے۔ صفراوی مزاج والا، تلواری، نیزہ، آگ، پیاس، سخت دھوپ وغیرہ دیکھتا ہے۔ سوداوی مزاج سانپ، تاریکی، شب ظلمات، عفونت وغیرہ دیکھتا ہے۔ بلغمی مزاج، پانی، بارش، سردی وغیرہ دیکھتا ہے۔

خواب کی قسم دوم

وہ خواب جو قوتِ تخیل سے پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھی ہوئی یا پڑھی ہوئی یا سنی ہوئی چیزوں کے متعلق جو تخیلات حسِ مشترکہ میں رہ جاتے ہیں ان پر حسِ مشترکہ اپنا تصرف کرتی اور مختلف اجزا سے واحد شے بنا لیتی ہے۔ مثلاً ہاتھی کا قصہ پڑھا تھا۔ خواب میں ایسا شیر دیکھے جس پر ہاتھی کی طرح سواری کی گئی ہو یا انسان دیکھے جس کا سر ہاتھی جیسا ہو یا ہاتھی دیکھے جو انسان کی طرح دو پاؤں پر چلتا ہو۔ وغیرہ وغیرہ

ایسے خوابوں میں واقعات کا کوئی تسلسل نہیں ہوتا۔ سب باتیں بے جوڑ بے ربط ہوتی ہیں لیکن اس کا ہر ایک جزو ایسا ہوتا ہے جو پہلے سے تخیل میں موجود ہو۔ مثلاً انسان کے جسم پر ہاتھی کا سر۔ چونکہ حسِ مشترکہ میں انسان اور ہاتھی دونوں کی صورت موجود تھی۔ اس لیے اس نے اپنا تصرف اتنا کر دیا۔ کہ ایک کا دھڑ دوسرے کے سر سے ملا دیا۔ ایسے خواب ہی ”خواب پریشان“ یا ”أَضْعَافُ أَحْلَامٍ“ کہلاتے ہیں۔

خواب کی قسم سوم

تیسری قسم وہ ہے جس میں معانی مجزہ کو صورتِ مشابہ میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس کا سبب

یہ ہے کہ روح انسانی جو غیر مادی و نورانی ہے۔ اس کا تعلق عالم روحانیت سے قائم رہتا ہے اور چونکہ روح خود اس عالم سے ہے اس لیے ان علوم روحانی کا تمثیل صورت پیکری ہی میں تمثیل ہونے کے بعد روح پر آشکار ہوا کرتا ہے۔

پس سچا خواب وہ ہے جو روح پر عالم روحانی سے القا ہوا ہو۔ ایسے خواب مختصر، مسلسل موزوں ہوتے ہیں اور بیداری کے بعد بھی ان کی ایک خواص کیفیت قلب پر رہتی ہے۔ ایک ماہر علم تعبیر خواب کو سنتے ہی معلوم کر سکتا ہے کہ یہ خواب پریشان ہے یا رویائے صادق ہے۔

مبشرات

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ رویائے صادقہ ہی کو حدیث نبوی میں ”مُبَشِّرَاتٌ“ بتلایا ہے اور یہ رویائے صادقہ ہی کو نبوت کا چھیا لیسواں حصہ فرمایا گیا ہے۔

رویائے صادقہ اور نبوت کا چھیا لیسواں حصہ

چھیا لیسواں حصہ کے یہ معنی نہیں کہ جسے سچے خواب آتے ہیں وہ نبوت کے ۱/۴۶ حصہ کا مالک ہوتا ہے بلکہ رویائے صادقہ کے مقابلہ میں صداقت نبوت کی برتری کا بیان ہے۔ سیدنا مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا آغاز بھی رویائے صادقہ ہی سے ہوا تھا اور چھ ماہ کا زمانہ ایسا ہی تھا کہ رات کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب دیکھ لیتے وہی دن میں علانیہ ظہور میں آ جاتا۔

انبیا کے خواب یکے از اقسام وحی ہیں

اب یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انبیا علیہم السلام کے خواب بھی وحی کی ایک قسم ہیں اور اس لیے یہ ممکن نہیں کہ اس کی تعبیر غلط ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خوابوں کا ذکر فرمایا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا خواب ہے:

﴿يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اِنِّىْ اَرٰى فِى الْمَنَامِ اَنِّىْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى﴾

”اے ابراہیم! میں نے خواب میں دیکھا۔ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ تم اس

خواب پر غور کرو۔“ [۳۷/الصافات: ۱۰۲]

خواب ابراہیم علیہ السلام

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى﴾ کہہ کر بیٹے کو وسعتِ تعبیر اور آزادیِ رائے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ بیٹا سمجھتا ہے کہ باپ نبی اللہ ہے اور نبی کا خواب قسے از وحی ہوتا ہے۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ چونکہ فعل ذبح خود اس کی ذات پر واقع ہوتا ہے۔ اس لیے باپ کا مقصود ﴿فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى﴾ سے فرزند کی رضا بہ تعمیلِ خدا معلوم کر لینا ہے۔ بیٹا اصل فطرت میں نبی ہے، نبی زادہ ہے، فطرتِ طاہرہ کا مالک ہے، اس لیے جھٹ کہہ دیتا ہے۔

﴿يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾ [۳۷/الصافات: ۱۰۲]

”اے پیارے باپ آپ وہی کریں جو حکم آپ کو ملتا ہے۔“

قابلِ غور یہ ہے کہ جس شے کو اسماعیل علیہ السلام نے مَا تُؤْمَرُ سے تعبیر کیا۔ یہ وہی ہے جسے خلیل الرحمن نے اَرَىٰ فِي الْمَنَامِ فرمایا تھا۔

خواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں خواب دیکھا تھا کہ مسلمان احرام باندھے ہوئے بیت اللہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ کسی مسلم کا مکہ میں داخل ہونا بالکل بند تھا۔ لیکن یہ خواب پورا ہوا اور اللہ تعالیٰ نے بھی ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ﴾ [۳۸/الفتح: ۲۷] ”اللہ نے اپنے رسول کا خواب ٹھیک ٹھیک پورا کر دیا۔“ فرما کر اس خواب کے پورا ہونے کی خبر دی۔

اس نکتہ فہم کے لیے قابلِ غور یہ ہے کہ ہر دو خواب ٹھیک اسی مَرَّی صورت میں پورے ہوئے۔ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے نہ تو بیٹے کی تعبیر کسی جانور سے کی اور نہ ذبح کی تعبیر کسی اخلاقی ایثار سے فرمائی بلکہ ذبح کو ذبح ہی قرار دیا اور بیٹے کو بیٹا ہی سمجھا اور اس لیے فرزند کو زمین پر گرا کر چھری اس کی گردن پر رکھ دی۔ دوسرے خواب میں مسجد الحرام سے مسجد الحرام ہی سمجھی گئی۔ تخلیق اور تقصیر (سرمنڈوانے یا بال کٹوانے) سے مراد تخلیق و تقصیر ہی سمجھی گئی۔ پس

انبیاء علیہم السلام کے خواب میں صالحین امت کے خوابات سے یہ برتری ہوتی ہے کہ ان میں تاویل کی گنجائش کم ہوتی ہے اور وہ اکثر اپنی مرئی صورت ہی پر ظہور پذیر ہوا کرتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے جس وقت یہ خواب دیکھا تھا اس وقت وہ نبوت پر مبعوث نہ ہوئے تھے مگر فطرت کی طہارت اور بالقوی استعداد نبوت میں وہ اپنے دادا سیدنا اسمعیل علیہ السلام ہی کے مماثل تھے۔

خواب یوسف صدیق میں تھوڑی سی تعبیر ہوئی

ان کے خواب میں ذرا سی تعبیر ہوئی ہے۔ کیونکہ خواب کی صورت مرئی ہی تعبیر کی خواہاں تھی۔ وجہ یہ ہے کہ سجدہ کرنا ذوی العقول کا کام ہے اور جب کوئی ایسا کام جو ذوی العقول سے خاص ہو خواب میں کسی غیر ذوی العقول کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔ تب ضرورتاً وہ صورت خواب تعبیر طلب ہو جاتی ہے۔

ان: ضروری مباحث کے بعد تفسیر کی جانب آئیے۔

إِخْوَتُكَ: إِخْوَةُ أَخٍ کی جمع ہے إِخْوَانٌ بھی أَخ کی جمع ہے۔ فرق یہ ہے کہ إِخْوَةُ نَسَب کے بھائیوں کے لیے اور إِخْوَانٌ برادرانِ محبت کے لیے مستعمل ہے۔ مثل ہے إِخْوَانُ الْوَدَادِ خَيْرٌ مِّنْ إِخْوَةِ الْوَلَادِ۔

يَكِيدُوا: کید سے ہے۔ کید کے معنی فریب ہیں اور جب ل کے صلہ کے ساتھ آتا ہے تو حیلہ کرنا، جنگ کرنا، ارادہ بد کرنا مراد ہوتا ہے فَيَكِيدُوا لَكَ کے یہی معنی ہیں کہ تیرے بھائی تیرے بداندیش بن جائیں گے۔

الشَّيْطَانُ: شطن سے بنا ہے۔ شیطان کے لغوی معنی سانپ اور سرکش و نافرمان ہیں۔ الشَّيْطَانُ ابلیس لعین کا علم (نام) ہے۔

يَجْتَبِيكَ: اجتباء سے ہے۔ اس کا مادہ جَبَىٰ ہے۔ جس کے معنی جمع کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے ﴿يَجْتَبِي إِلَيْهِ نَمْرَاثُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ [۲۸/۱۵۷] اجتباء کے معنی پسند کرنا، برگزیدہ کرنا ہے۔

تَأْوِيلُ: آلِ اولاً سے ہے۔ اول کے معنی رجوع کرنا ہے اور تاویل کے معنی مُحْتَمَلَاتِ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کلام میں سے احتمال قوی کا بیان کر دینا ہے۔

الْأَحَادِيثُ: اُخْذُوْنَهُ کی جمع ہے، جس کے معنی واقعات جدید ہیں۔ تَاوِيلُ الْاَحَادِيثُ سے مراد علم الروایا اور فراست صادقہ ہے۔ جس کے ذریعہ سے انسان ہر معاملہ کی گنہ تک پہنچ جائے۔

ال: وہ متعلقین جو کسی بڑے شخص سے نسبت رکھتے ہوں۔ یہ لفظ کسی کم حیثیت شخص کی طرف مضاف نہیں ہوتا۔

قرآن مجید میں لفظ آل کا استعمال

سورۃ نساء وال عمران میں	آل ابراہیم
سورۃ سبا میں	آل داؤد
سورۃ حجر و نمل و قمر میں	آل لوط
سورۃ بقرہ میں	آل موسیٰ و آل ہارون
سورۃ یوسف و مریم میں	آل یعقوب
سورۃ قصص، قمر، بقرہ، آل عمران،	آل فرعون
اعراف، ابراہیم و مؤمن میں وارد ہے۔	

آل کے لیے قرابت نسب ضروری نہیں

آل میں داخل ہونے کے لیے قرابت نسب ضروری نہیں۔ دیکھو سورۃ بقرہ میں:

﴿وَأَعْرِضْنَا آلَ فِرْعَوْنَ﴾ [البقرہ: ۵۰] ”ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا۔“

اور سورہ ذاریات میں ہے:

﴿فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ﴾ [القصص: ۲۸]

”ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور سمندر میں ڈال دیا۔“

پہلی آیت میں آل فرعون انہی کو کہا گیا ہے جسے دوسری آیت میں جنود فرعون بتایا

گیا ہے:

لیکن قرابت داران نسب لغت اور عرف میں آل کے اندر ضرور شامل ہوتے ہیں۔
اصطلاح شرعیہ میں آل میں ہونے کے لیے ایمان و عمل صالح کی ضرورت ہے۔

عمل بد، آل سے خارج کر دیتا ہے

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو ان کے فرزند کی بابت فرمایا تھا:

﴿إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۖ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ [۱۱/ہود: ۳۶]

”یام تیری اہل میں نہیں۔ کیونکہ اس کے عمل صالح نہیں۔“

یعقوب علیہ السلام نے خواب سن کر سمجھ لیا کہ یوسف علیہ السلام کی شان کیسی بلند ہونے والی ہے۔ سمجھ لیا کہ اس کا اثر برادران یوسف علیہ السلام پر کیا ہوگا۔ یہ سمجھنے کے بعد انہوں نے اصل سوال کا جواب دینے سے پیشتر اول دفع ضرر کی تدبیر کو مقدم خیال فرمایا اور یہ ارشاد کیا کہ یہ خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہنا مبادا کہ وہ بداندیش بن جائیں۔

کیونکہ یہ خواب بتلاتا ہے کہ خواہ کوئی شخص آسمان عزت کا کوکب درخشاں بھی بن جائے تب بھی اسے یوسف علیہ السلام کے سامنے عاجز و ذلیل ہونا پڑے گا۔ یہ تصور کہ فلاں شخص کے سامنے عاجز و ذلیل ہونا پڑے گا موجب حسد ہے اور حسد ہی وہ کمینہ صفت ہے جس کا اول اول ظہور ابلیس سے ہوا۔ وہ آدم علیہ السلام کی عزت و شرف کو نہ دیکھ سکا اور حسد میں ایسا جل بھن گیا کہ امر الہی کی بھی وقعت نہ کی۔

حاسد کو حسد کا موقع نہ دو

اس تدبیر سے یعقوب علیہ السلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حاسد کو حسد کا موقع نہیں دینا چاہیے کیونکہ حسد کے مضرات کا اثر بسا اوقات محسوس ہی کی ذات پر ہوا کرتا ہے۔ اس تمہیدی جواب کے بعد یعقوب علیہ السلام نے تین (مرتب ہونے والے) نتائج کا بیان بطور تاویل خواب فرمایا۔

اجتباء

الف: خدا تجھے مجتبیٰ بنائے گا۔
محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

لفظ اجتباء کا اطلاق انبیاء علیہم السلام کے حق میں بھی ہوا ہے اور اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی۔ آیات ذیل پر غور کرو:

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَ
مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَ مِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْرَءِيلَ وَ مِمَّنْ
هَدَيْنَا وَ اجْتَبَيْنَا﴾ [مریم: ۵۸]

”یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے نعمت فرمائی۔ انبیاء میں سے جو آدم کی
ذریعت ہیں یا نوح کے ساتھ سوار ہوئے۔ یا جو ابراہیم و اسرائیل کی ذریعت
ہیں اور جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی اور برگزیدہ کیا۔“

﴿وَ جَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ﴾ [الحج: ۷۸]
”اللہ کے حقوق میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے، اس نے تم کو
برگزیدہ کیا ہے۔“

ب: اللہ تجھے اپنی نعمت کامل عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ اس نے اسحق و ابراہیم علیہما السلام پر
اتمام نعمت کیا تھا۔

نِعْمَتٌ: بلحاظ وضع لغوی نعمت اس حالت کو کہتے ہیں جس میں انسان لذت گیر ہوتا ہے۔
اتمام نعمت

اب ہر ایک اس شے پر اس لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے جو لذت و مسرت کا سبب ہو۔
قرآن مجید میں لفظ نعمت کا استعمال مادی و روحانی اور دنیوی و دینی ہر دو حالتوں پر کیا
گیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَ اسْبِغْ عَلَیْكُمْ نِعْمَةً ظَاهِرَةً وَ بَاطِنَةً﴾ [لقمان: ۲۰]

”خدا نے تم کو اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں بھرپور عطا کیں۔“

﴿وَ ذُرْنِیْ وَ الْمُكْذِبِیْنَ أُولِی النِّعْمَةِ﴾ [الزلزل: ۱۱]

”مجھے اور ان نعمت والوں کو جو جھٹلانے والے ہیں سمجھ لینے دے۔“

لیکن جس جگہ کسی دینی یا روحانی یا شرف اصلی کا ذکر ہوتا ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے

اس لفظ کو اپنی طرف مضاف فرمایا ہے۔

﴿وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا﴾ [۱۶/ النحل: ۱۸]

”اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو گے تو شمار نہیں کر سکو گے۔“

﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ [۹۳/ الضحیٰ: ۱۱]

”اپنے پروردگار کی نعمت کا بیان کیا کر۔“

﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ

عَلَيْهِمْ﴾ [۱/ الفاتحہ: ۶-۷]

”ہم کو سیدھی راہ پر لیے چل وہ راہ جو ان بندوں کی ہے جن پر تو نے انعام کیا۔“

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾ [۳/ النساء: ۶۹]

”جو اللہ کی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتا ہے۔ اس کا ساتھ ان

بندوں کے ساتھ ہوگا۔ جن پر خدا نے انعام کیا ہے اور وہ انبیاء اور صدیق

اور شہید اور صالح ہیں۔“

سیدنا سلیمان علیہ السلام کی دعا میں ہے:

﴿رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى

وَالِدَيَّ﴾ [۲۷/ النمل: ۱۹]

”اے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا جو تو نے مجھے اور میرے

والدین کو عطا کیا۔ شکر ادا کیا کروں۔“

مسحط علیہ السلام کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ﴾ [۴۳/ الزمر: ۵۹]

”وہ تو صرف بندہ ہے ہم نے اسے نعمت دی۔“

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا درجہ

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی صفت میں باری تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ﴾ [۳۳/ الاحزاب: ۳۷]

”اللہ نے بھی اس پر انعام کیا اور تو نے بھی اس پر انعام کیا۔“

ان جملہ موارد پر تدبر سے معلوم ہوا کہ ﴿و یُسَمُّ نِعْمَتَهُ عَلَیْکَ﴾ [۱۲/ یوسف: ۶۰] کے معنی صرف نبوت نہیں ہو سکتے تھے لیکن اس نعمت کا مشبہ بہ اطلق و ابراہیم علیہما السلام کی نعمت کو فرمایا گیا ہے۔ اس لیے اب یہ معنی ٹھہرے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی منصب نبوت پر ممتاز فرمائے گا۔

یعقوب علیہ السلام کا حسن ادب

اس تشبیہ کے وقت یعقوب علیہ السلام نے اپنا نام نہیں لیا اور ان کا ایسا کرنا ازراہ انکسار و تواضع ہے کہ آباء کرام کے پہلو بہ پہلو اپنا ذکر چھوڑ دیا۔ اس سے ہم کو حسن ادب کی تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔

آل الرجل

یعقوب علیہ السلام نے اپنے ذکر کے لیے وَ عَلٰی آلِ یَعْقُوبَ کا لفظ استعمال فرمایا۔ یاد رکھنے کی یہ بات ہے کہ آل الرجل میں خود وہ شخص بھی شامل ہوا کرتا ہے۔

آیت ﴿رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَکَاتُهُ عَلَیْکُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ ۝ اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝﴾

[۱۱/ احود: ۷۳] پر غور کرو۔ یہ جواب اگرچہ سیدہ سارہ کو دیا گیا تھا مگر اسی قاعدے سے کہ لفظ اہل البیت میں خود ابراہیم علیہ السلام بھی شامل تھے۔ عَلَیْکُمْ میں ضمیر مذکر کا استعمال کیا گیا:

صحیحین میں الفاظ درود

صحیحین کی حدیث بروایت ابو حمید ساعدی میں درود شریف کے الفاظ یہ ہیں: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِلِ اِبْرٰہِیْمَ اس کے معنی بھی یہی ہیں کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَّ عَلٰی اِلِ اِبْرٰہِیْمَ۔

بخاری: کتاب الدعوات، باب هل یصلی علی غیر النبی، رقم: ۶۳۶۰۔ مسلم: کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ علی النبی، رقم: ۹۱۱، ابوداؤد: کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ علی النبی، رقم: ۹۷۹۔ نسائی: کتاب السجود، باب کیف الصلوٰۃ علی النبی، رقم: ۱۳۹۵۔

یعقوب علیہ السلام نے شرف نبوت یوسف کی خبر دے کر اسے اپنے حق میں بھی نعمت فرمایا ہے کیونکہ اب تک حضرت یعقوب علیہ السلام کو نبی اللہ اور ابن نبی ہونے کا شرف تو ملا ہوا تھا اب اس خواب سے یقین ہو گیا کہ ان کو ایک نبی اللہ کے والد ہونے کا اعزاز بھی ملے گا۔

وزن فعلیل کے الفاظ کی خصوصیات

عَلَيْمٌ حَكِيمٌ: آیت کو عَلِيمٌ حَكِيمٌ پر ختم کیا گیا ہے۔ یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ جب وزن مفعول سے عدول کر کے وزن فعلیل اختیار کیا جاتا ہے تو اس سے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ صفت بمنزلہ حرارت عزیزی اور فطرت جبلی ہو گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حبیب بہ نسبت محبوب کے اور حمید بہ نسبت محمود کے زیادہ بلیغ ہے۔

اسماء حسنی کا مدلول آیت سے تعلق

دوسری بات یہ یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی اس اعتبار سے تو سب برابر ہیں کہ ہر ایک اسم پاک انفرادی جان میں بھی ذات الوہیت پر دلالت قوی رکھتا ہے۔ لیکن پھر بھی ہر ایک اسم اپنے اندر ایک خاص معنی رکھتا ہے اور اس اسم کا ایک خاص عالم جداگانہ ہوتا ہے اور جو اسم پاک جس آیت میں لایا گیا اس کو مدلول و مفہوم آیت کے ساتھ تعلق شدید اور مناسبت کلی ہوتی ہے۔ اس جگہ علیم حکیم کا لانا انتخاب و اجتناء کی وجہ کو ظاہر کر دیتا ہے۔ ان اسماء سے یہ واضح ہو گیا کہ جو علم و حکمت یوسف علیہ السلام کو ملنے والی ہے وہ اس علیم و حکیم کی طرف سے ہے جو اپنے علم و حکمت سے یہ جانتا ہے کہ کون اس عہدہ عالیہ کا شایان اور موزوں ہے۔ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر ہے:

﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ [الانعام: ۱۲۳]

”اللہ ہی کو علم ہے کہ وہ اپنی رسالت کے لیے کسے پسند فرماتا ہے۔“



برادرانِ یوسف علیہ السلام کے عناد کا آغاز

”خود بینی، مشورہ، یوسف علیہ السلام کا چاہ میں گرایا جانا، وغیرہ وغیرہ“

﴿لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٍ لِّلْمُتَلَبِّينَ ۝ إِذْ قَالُوا لِيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِمَّا نَحْنُ غُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝﴾ [یوسف: ۷-۸]

”یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائیوں کے حالات میں سوال کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ جب انہوں نے آپس میں یہ کہا کہ یوسف علیہ السلام اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں۔ ہمارا باپ تو صریح غلطی میں ہے۔“

إِخْوَتِهِ برادرانِ یوسف دس تھے جو اس مشورہ میں شامل ہوئے۔

برادرانِ یوسف علیہ السلام اور ان کی والدات کے نام

از بطن لیاء بیگم (۶)، روبن، سمعون، لادی، یہوداہ، اشکار، زبلون۔

از بطن زلفہ لونڈی (۲) جد، آشر۔

از بطن بلہا لونڈی (۲) نفتالی، دان۔

یوسف علیہ السلام کے مات (ماں جائے) بھائی بنیامین شامل مشورہ نہ تھے۔

برادرانِ یوسف علیہ السلام کی نبوت پر کوئی اسلامی یا اسرائیلی روایت موجود نہیں

اسی مقام پر یہ لکھ دینا ضروری ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے ۱۲ بیٹوں میں سے صرف

یوسف علیہ السلام ہی نبی اللہ تھے۔ باقی ہرگز نبی اللہ نہ تھے، کوئی صحیح اسلامی روایت یا اسرائیلی

حکایت اس بارہ میں مروی نہیں۔ علامہ ابن حزم، ابن کثیر، خازن وغیرہ۔

مفسرین نے نہایت جزم کے ساتھ اس رائے کو بیان کیا ہے لہذا ہم کو ان لوگوں کے

افعال کی جو منہاج نبوت سے دور تھے، تاویل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ابن حزم کتاب
الفصل ج ۴ میں لکھتے ہیں:

وَإِنَّ إِخْوَةَ يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَكُونُوا أَنْبِيَاءَ وَلَا جَاءَ قَطُّ فِي أَنْهَمُ
أَنْبِيَاءَ نَصٌّ لَا مِنَ الْقُرْآنِ وَلَا مِنْ سُنَّةِ صَحِيحَةٍ وَلَا مِنْ إِجْمَاعٍ وَ
لَا مِنْ قَوْلِ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ عَلَيْهِ السَّلَامُ.

”بے شک برادران یوسف علیہ السلام نبی نہ تھے ان کی نبوت کے متعلق ہرگز
ہرگز کوئی نص موجود نہیں۔“ نہ قرآن سے نہ حدیث سے نہ اجماع سے اور
صحابہ کرام میں سے کسی ایک صحابی کا قول بھی اس بارہ میں ثابت نہیں۔“

یہودیوں نے قریش کو آنحضرتؐ کا امتحان لینے کیلئے سوالات سکھلائے
﴿لِلْإِسْرَائِيلِيِّينَ﴾: مختلف روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے قریش کو
سکھلایا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کریں کہ نبی اسرائیل مصر کیونکر جاپہنچے تھے۔ مغرور
یہود کا خیال تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے تاریخی سوال کا جواب نہ دے سکیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ
نے سورہ یوسف کو نازل فرمایا اور تمام اصلیت کو واضح فرمادیا۔

﴿آيَاتُ الْإِسْرَائِيلِيِّينَ﴾ کے معنی یہ بھی ہیں کہ واقعات یوسفی میں قدرت ربانی، حکمت
الہی، فطرت انسانی اور تواریخ بشری کے بہت سے سبق موجود ہیں۔

واقعات کنعان و مصر کا مکہ و مدینہ میں دہرایا جانا

اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ سائلین خواہ قریش ہیں یا در پردہ یہود ہیں۔ ان دونوں کو
آگاہ کیا جاتا ہے کہ اب سرزمین مکہ و مدینہ پر وہی واقعات ظہور میں آنے والے ہیں جو
کنعان و مصر میں ہوئے تھے۔ ان یہودیوں کو جو اسماعیلی نبی کے بھائی ہیں اور ان قریش
کو جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت رکھتے ہیں۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ویسا ہی
مطیع و منقاد ہونا پڑے گا جیسا کہ برادران یوسف کو یوسف صدیق کے سامنے اطاعت
اٹھانی پڑی تھی۔

قریش کے لیے ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ آج تم یہودیوں کی محبت پر اعتماد کرتے ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ان سے مخالف (عہد و پیمان) کرتے ہو مگر یہ تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے سگے بھائی یوسف صدیق کے ساتھ ظلم و بے وفائی کی تھی۔

قریش کے دس قبائل جو دشمن نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے

ہم نے صراحت کر دی ہے کہ یوسف علیہ السلام کے خلاف مشورہ کرنے والے دس بھائی تھے قریش میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زیادہ حصہ لینے والے دس بطون تھے۔ یعنی بنو مخزوم، بنو عدی، بنو تمیم، بنو اسد، بنو امیہ، بنو سکیم، بنو حمہ، بنو عبد الدار، بنو کعب، بنو نوفل، نزول سورہ کے بعد یہ سب یکے بعد دیگرے داخل اسلام ہو گئے۔

بنیامین کا نام پہلے بنونی تھا ہر دو اسماء کے معانی

وَ أَخُوهُ اور یوسف کا بھائی۔۔ ان کا نام بن یامین تھا۔ ماں نے ان کا نام حالت درد میں بنونی رکھا تھا۔ جس کے معنی دکھ درد کا بیٹا ہیں، مگر یعقوب علیہ السلام نے ان کا نام بنیامین رکھا۔ جس کے معنی واسنے ہاتھ کا فرزند ہیں۔

کتاب پیدائش (۱۸/۳۵) ان کی والدہ راحیل بیگم کا انتقال بنیامین کے نفاس ہی میں ہو گیا تھا۔ بنیامین جب مصر میں یوسف علیہ السلام کو ملے۔ تب ان کی عمر تقریباً ۳۸ سال تھی۔ اس وقت یہ دس فرزندانِ ذکور کے والد تھے۔

أَحَبُّ: ذکر تو یوسف علیہ السلام و بنیامین کا تھا مگر أَحَبُّ واحد صیغہ لایا گیا ہے۔ اس کی ایک تو یہ وجہ ہے کہ افضل میں واحد اور مافوق آ جاتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ برادرانِ یوسف کا حصہ اصل تو یوسف علیہ السلام ہی کے ساتھ تھا۔

فرزند ان اسرائیل کا الزام غلط تھا

برادرانِ یوسف نے جو الزام باپ پر لگایا۔ دراصل وہ خیالی تھا۔ ورنہ اللہ کے نبی اور اسرائیل یعقوب علیہ السلام سے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک یا دو بیٹوں کو حقوق میں زیادہ بڑھا دیتے اور دس بیٹوں کو کم رکھتے۔

تقسیم غیر مساوات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

صحیح مسلم میں ہے کہ بشیر رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند نعمان کو ایک غلام دیا اور اس ہبہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنانا چاہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ دوسرے بیٹوں کو بھی اس نے ایک ایک غلام دیا ہے؟ بشیر رضی اللہ عنہ بولے نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ظلم و جور پر گواہ نہیں بنتا۔ ❊

معلوم ہوا کہ یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کی کم سنی اور بنیامین کی طفولیت کی وجہ سے ان کی غور و پرداخت زیادہ رکھتے ہوں گے۔ جس کا نام انہوں نے احبیت رکھ لیا تھا۔

یہ صاف طور پر آشکار ہے کہ ان دس بھائیوں پر بد و بیٹ زیادہ غالب تھی کہ باپ کو بھی اعتراض سے نہ چھوڑا اور نبی اللہ کی شان میں ”ضلال مبین“ کا لفظ استعمال کیا۔

محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کا ایثار، حسنینؓ بمنزله دو چشم تھے علی مرتضیٰؓ کے لیے ابن حنفیہ بمنزله بازو

کاش ان میں محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کی سی وسعت خاطر کا مادہ موجود ہوتا۔ یہ سید بزرگوار سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں۔ خلافت مرتضوی میں یہی سپہ سالار فوج تھے اور اکثر لڑائیوں میں انہی کو جانے کا حکم ملا کرتا تھا۔ کسی نے ان سے کہا کہ تمہارا باپ حسنؓ و حسینؓ کو کہیں بھی نہیں بھیجتا اور تم کو ہمیشہ موت کے منہ میں دھکیل دیتا ہے۔ محمد بن حنفیہ نے فرمایا۔ حسنین (علیہما السلام) میرے والد کی آنکھیں ہیں اور میں اپنے باپ کا بازو ہوں، بازو اور آنکھ کے کام الگ الگ ہوتے ہیں۔

ایک مسلم کے لیے مسئلہ احبیت قابل غور

ایک ایماندار مسلم کے لیے قابل غور اخصیث کا مسئلہ ہے۔ ابناء یعقوب علیہ السلام کو یہ اعتراض نہ تھا کہ باپ کو یوسف علیہ السلام و بن یامین کے ساتھ محبت کیوں ہے؟ ان کا تو یہ ❊ مسلم: کتاب الہبات، باب کرہیہ تفصیل بعض الاولاد فی الہبۃ، رقم ۳۱۸۲۔

اعتراض تھا کہ ہم سے زیادہ محبت کیوں ہے۔ غور کرو کہ جب ایک بھائی دوسرے بھائی کی احبیت نہیں دیکھ سکتا تو اللہ تعالیٰ کیونکر گوارہ کر سکتا ہے کہ اس کے بندہ کی محبت دیگر اشیاء کے ساتھ بمقابلہ محبت اللہ بڑھی ہوئی ہو۔ قرآن مجید میں صاف طور پر فرمادیا گیا ہے:

حکم قرآنی مسئلہ احبیت پر

﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ﴾ [التوبة: ۲۴]

”مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم کو تمہارے ماں باپ بیٹا، بیٹی، بہن بھائی، شوہر، بیوی، خویش قبیلہ اور وہ مال و زر جو تم نے سمیٹا ہے، وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو ڈر ہے، وہ سترے سترے مکان جو تمہیں پسند ہیں۔ تم کو اللہ و رسول اللہ اور جہاد براہ خدا سے زیادہ پیارے ہیں۔ تب تم ٹھہرو حتیٰ کہ خدا اپنا حکم تمہارے لیے جاری کرے۔“

ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسئلہ احبیت پر

حدیث شریف میں آیا ہے:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ. ❁

”تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں بنے گا، جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ بیٹے اور سب انسانوں سے بڑھ کر پیارا نہیں بن جاؤں گا۔“

❁ بخاری: کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان رقم: ۱۵۰۳، مسلم: کتاب الایمان، باب وجوب محبة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رقم: ۱۶۹۰ نسائی: باب علامة الایمان رقم: ۵۰۱۶۔ ابن ماجہ، ابواب السنة باب فی الایمان رقم: ۶۷۔

عُصْبَةُ کا اطلاق

عُصْبَةُ: گھوڑوں یا پرندوں کی ٹکڑی، ایسے مردوں کی جماعت جن میں قرابت ہو۔ جو ایک دوسرے کے مدد و معاون ہوں، عموماً دس تک اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ ابنائے یعقوب علیہ السلام (اس مشورہ والے) بھی دس ہی تھے۔

ضَلَّالٌ: (ضَلَّ الرَّجُلُ ضَلَالًا عَنِ الطَّرِيقِ) وہ راستہ کھو بیٹھا۔

باپ کی ہدایت کے بعد یوسف علیہ السلام نے تو خواب کا ذکر بھائیوں سے نہیں کیا، لیکن ان کے بھائیوں نے خود بخود یہ گمان کیا کہ ان کے باپ کی محبت یوسف و برادر یوسف سے زیادہ ہے اور ان سے کم ہے۔

اب انہوں نے اس پر بحث کی اور اپنی فضیلت کی دلیل میں یہ بیان کیا کہ ہم تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور طاقتور بھی ہیں، اور یوسف میں کوئی خوبی بھی نہیں۔ اس مرحلہ تک پہنچ کر جھٹ فتویٰ لگا دیا کہ ہمارا باپ ہی گمراہی میں پڑ گیا ہے۔

خود بینی، خود داری، قیاس

اللہ اکبر! خود بینی، خود داری کی یہ انتہا ہے کہ نبی اللہ کو گمراہ کہہ دینا تو آسان سمجھ لیا، مگر اپنے کسی نقص، عیب کی طرف نہ دیکھا۔ سعادت مندانِ ازلی کے لیے اس مقام پر بہترین تعلیم یہ ہے کہ کبھی اپنی رائے و قیاس کو حکم الہی اور رسول سے مقدم نہ کریں اور حسن ادب بزرگان کے تارک نہ ہوں:

﴿اَقْتُلُوا يُوسُفَ اَوْ اَطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبْيَكُمْ وَ

تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ۝۹۰﴾ [یوسف: ۹۰]

”یوسف کو قتل کر دو، یا کسی دور جگہ پھینک آؤ۔ تمہارے باپ کا رخ تمہاری

ہی طرف ہو جائے گا اور اس کام کے بعد تم نیکو کار بن جانا۔“

اَطْرَحُوْهُ: (طَرَحَهُ طَرَحًا) اَلْقَاهُ وَ اَبْعَدَهُ (ڈال دو اس کو یا دور کر دو)

اَرْضًا: بے پہچان جگہ، ملک بعید۔

يَخْلُ لَكُمْ: (خَلَايَ خُلُوْا اَسَ) خلا بالشئىٰ کے معنی ہیں کسی شے کے ساتھ منفرد ہونا کسی دوسری شے سے خلط ملط نہ ہونا۔

مِنْ بَعْدِهِ: کی ضمیر مصدر قتل، واطرح کی طرف ہے۔

نیک مقصد کے لیے عمل بد

برادرانِ یوسف علیہ السلام نے یہ قرار دینے کے بعد کہ باپ کو یوسف کے ساتھ ہم سے زیادہ محبت ہے۔ یہ تجویز کی کہ یوسف کو قتل کر دینا، یادور پھینک آنا چاہیے۔ تجویز کا فائدہ یہ بتلایا کہ باپ کی مہربانی حاصل کر لیں گے اور چونکہ باپ کی مہربانی کا حاصل کرنا بجائے خود ایک نیک کام ہے اس لیے اس تجویز پر عمل کرنا ضروری ہے۔

گناہ بامید توبہ

لیکن اس تجویز کے بعد ان کو یہ بھی کھنکار ہا کہ معصوم، بے گناہ چھوٹے بھائی کو قتل کرنا یادور پھینکنا ظلم صریح ہے، اس کا توڑ یہ سوچ لیا کہ ایسا تو کر گزرو، بعد میں توبہ تايب ہو جائیں گے۔

اللہ اکبر! نفس و شیطان کا یہ اتنا دھوکہ ہے کہ ہزار ہا جرائم اور کبار کا ارتکاب انسان اسی شیطانی دھوکہ میں آ کر کر بیٹھتا اور ﴿زَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ﴾ [العنکبوت: ۲۸] ”شیطان نے ان کے عملوں کو ان کی نگاہ میں اچھا بنا دیا ہے“ کا مصداق بن جاتا ہے۔

احکام کے مقابلہ میں رائے و قیاس

اس فریب میں انسان اس وقت آتا ہے جب احکام الہی میں اپنی رائے یا قیاس کا دخل دینے لگتا ہے۔ اگر انسان سمجھ لے اور خوب یاد رکھے کہ کوئی عمل اس لیے صالح (نیک) نہیں بن جاتا کہ اس شخص کے نزدیک وہ صالح ہے، بلکہ عمل صالح تو وہ ہے جس کے کرنے کا حکم یا اجازت شریعت میں موجود ہو اور اسے سنت راشدہ کے مطابق ہی کیا جائے۔

وہ یاد رکھے کہ خلاف شریعت کوئی بھی عمل نیک نہیں کہلا سکتا۔

ان دو امور کے یاد رکھنے پر ان شاء اللہ اس فریب سے ہر ایک مسلم بچا رہے گا۔

عمل صالح کسے کہتے ہیں

ارتکاب گناہ کے متعلق اس سے بھی بڑا دھوکا یہ ہے کہ اب توبہ کام کر لیں اور پھر آئندہ کے لیے توبہ کر لیں گے۔ بہت سے لوگوں نے اس فریب شیطانی میں آ کر سینکڑوں فقرات ع..... ”غفور است ایزد تو ساغر بنوش“ جیسے خود گھڑت بنا رکھے ہیں۔

توبہ کا پاک مسئلہ اور اعتراض

یہ وہ دھوکہ ہے جس نے ہزاروں لاکھوں انسانوں کو معصیت میں مبتلا کر دیا ہے جس نے گناہ یا جرم کی حقیقت کو انسان کی نگاہ میں بالکل خفیف بنا دیا ہے۔ جس نے توبہ کے پاک مسئلہ کو معترضین اسلام کی نگاہ میں قابل نفرت دکھلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہماری ہدایت و بھلائی کے لیے توبہ کا جو اصول ہم کو سمجھایا ہے۔ وہ یہ ہے:

﴿ إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ

يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ ﴾ [النساء: ۱۷]

”توبہ تو ان لوگوں کے لیے ہے جو نادانی سے بری حرکت کر بیٹھتے ہیں اور پھر جلدی سے توبہ کرتے ہیں۔ خدا بھی ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔“

گناہ اور جہالت، توبہ اور عجلت

آیت میں ”بجہالۃ“ اور ”مِنْ قَرِيبٍ“ کے الفاظ موجود ہیں۔ یعنی نادانی سے وہ برا کام ہوا تھا اور جلدی سے اسے چھوڑ کر اللہ سے معافی کا خواہاں ہوا۔

لوگ ہیں کہ الفاظ نادانی اور جلدی، پر غور ہی نہیں کرتے!

﴿ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَ الْقُوَّةُ فِي غَيْبِ الْجُبِّ

يَلْسَنُطُهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ۝ ﴾ [یوسف: ۱۰]

”ان میں سے ایک نے کہا کہ یوسف کو قتل تو نہ کرو۔ ہاں اسے کسی چاہ میں

جو گہرا ہو، ڈال دو۔ کوئی آتا جاتا قافلہ اسے لے جائے گا۔ تم کو کرنا ہے تو ایسا

ہی کرو۔“

غِيَاب: قعر اور قبر ”غِيَابُ الْأَرْضِ“ زمین کا وہ نشیبی حصہ جو نظر نہ آئے۔

غِيَابُ الْجُبِّ کنوئیں کی تلیٹی، جو گہرائی کی وجہ سے نظر نہ آتی ہو۔

جُبّ: وہ چاہ (کنواں) جو زیادہ گہرا ہو اور اس میں پانی بھی زیادہ ہو۔

يَلْتَقِطُهُ: التقاط سے ہے۔ لقط الشی کے معنی ہیں، زمین پر پڑی ہوئی کوئی شے

بلا رنج و مشقت کے پالینا۔

لقط، بسکون ثانی، یا تحریک ثانی، وہ مال جو پڑا مل جائے اور اس کا مالک معلوم نہ ہو۔

سَيَّارَةٌ: سیر و تفریح کرنے والی قوم، قافلہ۔

رو بن برادر کلاں

بائبل کتاب پیدائش ۲۱/۳۷ میں اس مقولہ کا قائل کہ قتل نہ کرو اور چاہ میں گرا دو۔

رو بن کو بتلایا گیا ہے جو سب سے بڑا تھا۔

عمیق اور کثیر الماء چاہ کے اندر گرانا ہلاکت کا قوی احتمال رکھتا تھا اور یہ کہ ایک ایسی

تجویز تھی جس کا مال ہلاکت تھا۔

یہ امر الگ ہے کہ حکمت ربانی اس چاہ پر ایک قافلہ بھی پہنچ گیا اور یوسف (علیہ السلام)

زندہ نکل بھی آئے۔

قتل ایں کشتہ بشمشیر تو تقدیر نبود

ورنہ سچ ازل بے رحم تو تقصیر نبود ❁

اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ الفاظ کی ہیر پھیر کام نہیں دیتی

اگر انسان اس بات کو سمجھ لے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے اور الفاظ کی ہیر پھیر

عالم الغیب کی بارگاہ میں کچھ کارآمد نہیں، تو نفس کا حملہ انسان پر نہ چل سکے۔



❁ اس میری تلوار سے قتل شدہ کا قتل تقدیراً نہیں ہے۔ ورنہ تیرے بے رحم دل سے کوئی بھی گناہ صادر نہ ہوتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حواکی یوسف علیہ السلام کی بابت برادران یوسف علیہ السلام کی درخواست

یعقوب علیہ السلام کا جواب۔ جواب پر اعتراض۔ حواکی

﴿قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَّا صِحُونَ ۝

أَرْسَلْنَا مَعَنَا غَدًا يَرْتَعُ وَيَلْعَبُ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ﴾ [یوسف: ۱۱-۱۲]

”اے باپ! کیا وجہ ہے کہ یوسف کی بابت آپ کو ہم پر بھروسہ نہیں حالانکہ

ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔ اچھا اسے کل ہمارے ساتھ کر دیجئے کہ وہ بھی چل

پھر لے، کھیل کود لے۔ اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے۔“

لَنَا صِحُونَ: نصیح سے ہے (نَصَحَ الشَّيْءُ نَصْحًا) کسی چیز کو خالص کر لیا۔ نَصَحَ

الْعَسَلُ شَهْدًا كَوْمًا صَاف کر لیا۔ نَصَحَ الْغَيْثُ الْبِلَادَ بَادِل نے آبادی کو سیراب کر دیا۔

خلوص اور حدیث نبوی

حدیث شریف میں ہے:

((الَّذِينَ النَّصِيحَةُ قَالُوا لِمَنْ قَالَ لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ)) ❀

”دین تو خلوص کا نام ہے۔ لوگوں نے پوچھا خلوص کس کے لیے؟ فرمایا: اللہ اور رسول کے لیے۔“

غدا اور اس کا استعمال

غَدًا: غدا صبح میں غدوہ ہے۔ غدوہ اس وقت کو کہتے ہیں جو فجر اور طلوع شمس کے درمیان ہوتا

ہے۔ اب اس کا استعمال آنے والے دن کے لیے ہو گیا۔ جیسا کہ اس گزشتہ دن کے لیے

مستعمل ہوتا ہے۔

يَرْتَعُ: محاورہ ہے رَتَعَتِ الْمَاشِيَةُ رَتْعًا: ”مویشی کا کھلے چراگاہ، بھیر میں چگنا۔“

❀ بخاری: کتاب الایمان باب الدین النصیحة، رقم الباب ۴۲۔ مسلم: کتاب الایمان، باب ان الدین

النصیحة، رقم ۱۹۲۔ ابوداؤد: کتاب الادب باب فی النصیحة، رقم ۳۹۴۳۔ ترمذی: ابواب البر والصلۃ،

باب فی النصیحة، رقم ۱۹۲۶۔ نسائی: کتاب البیعة، باب النصیحة للامام، رقم ۴۲۰۲۔

رَتَعَ الْقَوْمُ لُؤْغُوں کا آرام و آسائش سے گزران کرنا۔

يَلْعَبُ: محاورہ ہے لَعِبَ الرَّجُلُ لَعْبًا وَلِعْبًا ذَاتِ يَتَفَرِّحُ کے لیے کوئی کام کرنا، کوئی ایسا کام کرنا جس سے کوئی خاص نتیجہ مقصود نہ ہو۔

يَرْتَعُ وَيَلْعَبُ: محاورہ میں اکٹھے بولے جاتے ہیں۔ خَرَجَ الْقَوْمُ يَرْتَعُ وَيَلْعَبُ ”لوگ مزے اڑانے کے لیے باہر چلے گئے۔“

انداز گفتگو

ابناء یعقوب عليه السلام نے سابقہ مشورہ پر عمل کرتے ہوئے اب باپ سے گفتگو شروع کی، انداز گفتگو ایسا ڈالا کہ درخواست نامنظور نہ ہو سکے۔ انہوں نے صاف لفظوں میں درخواست نہیں کی، بلکہ پہلے تو باپ پر پٹری جمائی کہ آپ کو ہم پر اعتماد نہیں، بھروسہ نہیں۔ آپ نے ہم کو یوسف کا غیر سمجھ رکھا ہے۔ اس انداز کلام کا نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ یعقوب عليه السلام ان کا رکن، جوان بیٹوں پر اپنا اعتماد ثابت کریں اور یوسف عليه السلام کو بلا تامل ان کے ساتھ کر دیں، لیکن یعقوب عليه السلام نے بھی اسلوب کلام بدل کر چاہا کہ بے اعتمادی کا اعتراض بھی اٹھ جائے اور یوسف عليه السلام بھی علیحدہ نہ ہو۔

﴿قَالَ اِنِّى لَيَحْزُنُنِىْ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّأْكُلَهُ الذَّنْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ﴾ [یوسف: ۱۳]

”یعقوب عليه السلام نے کہا مجھے تو رنج و الم ہوتا ہے کہ تم اسے میرے پاس سے

لے جاؤ اور مجھے یہ بھی خوف ہے کہ اسے بھیڑیا نہ کھا جائے جب تم اس سے

غافل ہو جاؤ۔“

لَيَحْزُنُنِىْ: (حَزَنٌ حَزَنًا لَّهٗ يَاعَلِيْہِ) حزن قلب کی اس کیفیت کو کہتے ہیں جو محبت کو محبوب کی تکلیف یا فراق سے ہوا کرتی ہے۔ لَيَحْزُنُنِىْ میں لام ابتداء ہے۔

تہذیب کلام

یعقوب عليه السلام کا ﴿اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ﴾ فرمانا تہذیب کلام کا اعلیٰ نمونہ ہے جو

اب دو امور پر مشتمل ہے، اول یہ کہ یوسف کی جدائی شاق ہے اور اگر ان ابناء یعقوب میں رشد و سعادت ہوتی تو نصیحت کے لیے یہی فقرہ کافی تھا کہ کیوں وہ ایسا کام کریں جس سے باپ اور نبی اللہ کے قلب کو صدمہ پہنچے۔ دوسری وجہ نہ بھیجنے کی وہ توجیہ ہے جس میں بے اعتمادی کی نفی بھی کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ذرا سی غفلت سے بسا اوقات خطرناک نتائج پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔ ایسے جنگل میں جہاں بھیڑیے بکثرت ہوں، ریوڑ چرانے والوں کے ساتھ نابالغ بچہ کو بھیجننا خالی از خطرہ نہیں ہو سکتا، کہ تم ادھر ادھر ہوئے اور یوسف کو بھیڑیا کھا جائے۔

﴿قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذَا لَخَاسِرُونَ﴾ [۱۲/یوسف: ۱۳]

”سب نے مل کر کہا: ہم سب کی موجودگی میں جو زور و طاقت اور اتفاق و اعانت والے ہیں اگر اسے بھیڑیا کھا جائے گا تب تو ہم بالکل نکلے بیچ کارہ ہیں۔“

لَخَاسِرُونَ: (خَسِرَ الرَّجُلُ ضَلَّ وَهَلَكَ) ”نا کام آدمی تباہ و برباد ہوا۔“

باپ کے الفاظ کو انہی پر الٹ دیا www.KitaboSunnat.com

فرزند ان یعقوب نے باپ کے پہلے فقرہ ﴿لَيَحْزُنُنِي﴾ کا تو جواب ہی نہ دیا۔ ممکن ہے کہ اس فقرہ کا سننا تو ان کی آتش حسد کے زیادہ بھڑکنے کا سبب ہوا ہو۔ البتہ دوسرے فقرہ کا جواب دیا اور وہ بھی اس طرح کہ باپ کے الفاظ کو انہی پر الٹ دیا کہ ہماری موجودگی میں بھیڑیے کے کھا جانے کی بھی خوب ہی کہی۔ پھر یوں فرمائیے کہ آپ ہم کو محض نالائق، نکلے اور بیچ کارہ سمجھتے ہیں۔

اس گفتگو نے خاصی جدل کی سی صورت پیدا کر لی تھی۔ اس لیے یعقوب علیہ السلام کو ان کی رائے ماننا ضروری ہو گیا۔

﴿فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَاجْتَمَعُوا أَن يُجْعَلُوهُ فِي غَيْبِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ [۱۲/یوسف: ۱۵]

”پھر جب وہ یوسف کو لے گئے تو اُن کا اجماع اس پر ہو گیا کہ اسے گہرے چاہ کی تلیٹی میں چھوڑ دیا جائے (تو انہوں نے ایسا ہی کیا) اس وقت ہم نے یوسف کے پاس وحی بھیجی کہ تو ایک دن ان سب کو ان کی حرکت جتائے گا۔ برادران یوسف کو اس وحی کا کچھ شعور نہ تھا۔“

عمر یوسف، جب چاہ میں گرائے گئے

بائبل ۲/۲۷ پ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سیدنا یوسف علیہ السلام کی عمر ۱۷ سال کی تھی۔ اس زمانہ میں ۱۷ سال کا بچہ نابالغ ہوتا تھا۔ ۱۲، ۱۸/۳ پ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ وادی سکم میں مقام ”دوتین“ کے متصل ہوا تھا۔

ایجاز کلام کا نمونہ

ایجاز قرآنی پر غور کرو کہ ﴿لَتَنبَيْئَهُمْ﴾ کے ایک لفظ کے اندر کتنے معانی بھر دیئے ہیں۔ (۱) تو یہاں سے نجات پائے گا۔ (۲) تو اعلیٰ منزلت پر پہنچے گا۔ (۳) تیرے بھائی تیرے سامنے ذلیل ہو کر حاضر ہوں گے۔ (۴) تجھے ان سے جتانے شرمانے (شرمندہ کرنے) کا موقع دیا جائے گا۔

تابعین میں قتادہ سید المفسرین ہیں

﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ کا تعلق بعض نے ﴿لَتَنبَيْئَهُمْ﴾ سے سمجھا ہے۔ قتادہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کا تعلق أَوْحَيْنَا سے ہے۔ یہی قوی مذہب ہے۔ تابعین میں قتادہ ہی سید المفسرین ہیں۔

افعال انسانی کا موازنہ الطاف رحمانی سے

اس آیت میں افعال انسانی کا موازنہ الطاف رحمانی سے کرو۔ بھائیوں نے یوسف کو چاہ میں گرا دیا ہے، چاہ ایک سنسان میدان میں واقع ہے، اسباب ظاہری اور وسائل دنیوی کا خاتمہ ہو چکا ہے، ایسے وقت میں (جو خالی از ایمان لوگوں کے نزدیک کامل یاس کا

وقت ہے) رحمت ربانی جوش میں آتی ہے اور یوسف کا تعلق ملاء آسمانی کے ساتھ قائم کر دیا جاتا ہے۔ مظلوم کی ہمدردی و دل دہی کے لیے پیام الہی آتا ہے۔ یہ وہ سبق ہے جو ہم کو یاد رکھنا چاہیے۔

خشت زیر سر در طارم ہفت اخترا
حال مسکین نگر و منصب صاحب جاہی ❁



❁ سر کے نیچے ایٹ مگر سات آسمانوں کے اوپر اس کا پاؤں ہے۔ مسکین کا حال دیکھئے اور ان کا جاہ و منزلت والا ہونا بھی دیکھئے۔

برادران یوسف علیہ السلام کا شام کو گھر آنا

”باپ کو خبر دینا، باپ کا انہیں جھٹلانا، صبر و استقامت کی تعلیم“

﴿وَجَاءَ وَآبَاهُمُ عِشَاءً يَبْكُونَ ۖ قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ
وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَ
لَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ۖ وَجَاءَ وَآ عَلَى قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ قَالَ بَلْ
سَوَّلَتْ لَكُمُ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى
مَا تَصِفُونَ ۝﴾ [یوسف: ۱۶-۱۸]

”وہ تھوڑی رات گئے سے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہا باوا جی! ہم تو دوڑ لگانے چلے گئے اور یوسف کو ہم نے اسباب کے پاس چھوڑا۔ پھر بھیڑیا آیا اسے کھا گیا۔ آپ تو ہمارا یقین نہیں کریں گے خواہ ہم سچے ہی ہیں۔ وہ یوسف علیہ السلام کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا کر لائے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا، تم نے ایک بڑی بات خود بنائی ہے اب صبر ہی بہتر ہے، جو کچھ تم کہتے ہو اس بارے میں خدا میری مدد کرے گا۔“

عِشَاء: لغت میں اوّل الظلام کو کہتے ہیں۔ غروب سے عتمہ تک کا وقت، یہی یہاں مراد ہے۔ اصطلاح شرعیہ میں عشاء نماز خفتن کو کہتے ہیں۔ اس کا وقت غروب سے سوا گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ بعد ہوتا ہے۔

نَسْتَبِقُ: سَبَقُ سَبَقًا آگے نکل جانا۔ دوسرے کو پیچھے چھوڑ گیا۔ استباق ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لیے دوڑنا۔

اصطلاح شرع میں مومن کے معنی

مومن: تصدیق کنندہ۔ اس جگہ یہی لغوی معنی مراد ہیں۔ اصطلاح شرعیہ میں تو مومن اسے کہتے ہیں جو اللہ و رسول، کتب منزلہ، انبیاء و رسل، یوم آخرت اور وجود ملائکہ پر یقین رکھتا ہو۔

﴿سَوَّلْتُ لَكُمْ﴾ تَسْوِيلَ سَوَّلَ سے ہے۔ جس کے معنی استرخاء بطن ہیں تَسْوِيلَ کے معنی اغواء کے ہیں۔ سَوَّلْتُ لَكُمْ أَنْفُسَكُمْ کے معنی ہوئے کہ تمہاری جانوں نے تم کو گمراہ کیا۔

گلکاری کا کُرتا

بائبل میں ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے لیے گلکاری کا کرتا بنا کر دیا تھا اور برادرانِ یوسف نے ان کو چاہ میں گرانے سے پہلے ان کا وہ کُرتا اتار لیا تھا اور اس کُرتے پر ایک دنبہ کا خون لگا کر لائے تھے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کو کرتا کا چاک کرنا یاد نہ رہا اور یعقوب علیہ السلام نے اسی امر سے سمجھ لیا کہ بھیڑیے والی بات جھوٹ ہے۔

یہ استدلال صحیح ہے۔ اس کے علاوہ اسرائیل علیہ السلام کے سامنے دیگر امور بھی تھے جن سے برادرانِ یوسف کا بیان دروغ بے فروغ معلوم ہوتا تھا۔

یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی بات کو کیونکر جھوٹ سمجھا

الف: یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کا ابتدائی خواب معلوم تھا اور خواب کا اقتضا تاویل یہ تھی کہ یعقوب علیہ السلام اپنی زندگی میں یوسف علیہ السلام کو شاندار منصب دنیوی و عروج دینی پر ممتاز دیکھ لیں۔

ب: برادرانِ یوسف علیہ السلام کوئی جدید جہانہ بھی نہ بنا سکتے تھے۔ باپ نے جن الفاظ کو بطور اندیشہ ظاہر کیا تھا، انہی الفاظ کو ان برخورداران نے شام کو دہرایا تھا۔ باپ نے کہا تھا۔ ﴿أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ﴾ انہوں نے آ کر کہہ دیا ﴿فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ﴾

ج: جھوٹے شخص کو اپنے جھوٹے ہونے کی وجہ سے خود شبہ ہوتا ہے کہ کیا اس کی بات پر یقین کر بھی لیا جائے گا اسی لیے وہ ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا﴾ کہتے ہیں۔ یعنی آپ ہمارا یقین تو نہیں کریں گے۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام کے اصل جواب پر غور کرو۔

﴿فَصَبِّرْ جَمِيلًا ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ﴾ [۱۲/یوسف: ۱۸] یہ جواب دینِ قیہ اسلام کے نہایت ضروری اصول پر مبنی ہے اور ہر ایک مسلم با ایمان کو لازم ہے کہ ہر ایک مصیبت کا مقابلہ انہی دو آلاتِ حرب سے کرے۔

صبر اور استعانت باللہ دین کے ضروری اصول

اول: صبر جمیل۔ دوم: استعانت باللہ۔ ہر دو امور کے متعلق ذیل میں کچھ تفصیل سے تحریر کیا جاتا ہے، کیونکہ قرآن حکیم کا اسلوب یہی ہے کہ قصہ کے پیرایہ میں وہ بڑے بڑے اصول دینی کی تعلیم دیتا ہے اور ہر واقعہ انسانی کے ساتھ عرفان ربانی کے بیان کو شامل کر دیتا ہے۔ اس طرز کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تعلیم آہستہ آہستہ دل میں اثر کرتی جاتی اور خوب ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

صبر: صبر کا بیان قرآن مجید میں قریباً (۹۰) مقامات پر ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صبر کرنا باجماع امت سب پر واجب ہے۔ انہی کا قول ہے کہ نصف ایمان صبر ہے اور نصف ایمان شکر ہے۔

صبر کی ۱۶ قسمیں قرآن مجید میں

قرآن مجید کا بیان صبر کے متعلق 16 انواع پر ہے۔

① صبر کرنے کا حکم دیا۔

﴿اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا﴾ [۴/الاعراف: ۱۲۸]

”صرف اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔“

فرمایا: ﴿اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ [۲/البقرہ: ۳۵]

”صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔“

فرمایا: ﴿اصْبِرُوا وَصَابِرُوا﴾ [۳/آل عمران: ۲۰۰]

”خود بھی صبر کرو دوسروں کو بھی صبر کی تعلیم دو۔“

فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ [۱۶/النحل: ۱۲۷]

”صبر کر، تیرا صبر کرنا تو اللہ کے لیے ہے۔“

② بے صبری سے منع فرمایا۔

فرمایا: ﴿وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ﴾ [الاحقاف: ۳۵]

”اُن کے بارے میں جلدی نہ کر۔“

فرمایا: ﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا﴾ [آل عمران: ۱۳۹]

”وہن اور حزن نہ کرو۔“ (وہن صبر کی متضاد حالت کا نام ہے۔)

③ صابرین کی تعریف فرمائی۔

فرمایا: ﴿الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ﴾ [آل عمران: ۱۷۰]

”مومن صبر کرنے والے، صدق والے ہوتے ہیں۔“

فرمایا: ﴿وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ

الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ [البقرة: ۱۷۷]

”جو لوگ تنگی اور لڑائی میں صبر کرتے ہیں۔ وہی تو ہیں جنہوں نے اپنے

اعتقاد کو بچ کر دکھایا۔ وہی تقویٰ والے ہیں۔“

④ صابرین کے ساتھ اپنی محبت کا وجہ بتلایا۔

﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ﴾ [آل عمران: ۱۳۶]

”اللہ صبر والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

⑤ بتلایا کہ صابرین کو معیت الہی حاصل ہوتی ہے۔

﴿وَاصْبِرْ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ [الانفال: ۳۶]

”صبر کرو بے شک اللہ صبر والوں کا ساتھی ہے۔“

معیت کے بارے میں یہ یاد رہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں۔ عام و خاص

معیت عام تو وہ ہے جو بذریعہ علم و احاطت ہے اور معیت خاص وہ ہے جو حفاظت و

نصرت اور تائید کی شکل میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اس آیت میں معیت خاصہ ہی کا ذکر ہے۔

⑥ بتلایا گیا کہ صبر افضل ہے۔

﴿وَلَيْنَ صَبَرْتُمْ لَهَوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ﴾ [١٦/ النحل: ١٢٦]

”اور اگر تم صبر کرتے البتہ صبر کرنے والوں کے لیے تو صبر ہی بہتر ہے۔“

⑦ وعدہ فرمایا گیا ہے کہ صابریں کے لیے بہترین جزاء ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [١٦/ النحل: ٩٦]

”جن لوگوں نے صبر کیا۔ ہم ان کے عملوں کا اجر بہت بہتر دیں گے۔“

⑧ وعدہ فرمایا کہ صابریں کو اجر بے حساب دیا جائے گا:

﴿إِنَّمَا يُوفَى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [٣٩/ الزمر: ١٠]

”صابروں کا اجر بغیر حساب کے پورا کیا جائے گا۔“

⑨ اہل صبر کو اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب سے بشارت دی۔

﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾ [٢/ البقرة: ١٥٥] ”صبر کرنے والوں کو بشارت سنا دیجئے۔“

⑩ اہل صبر کی نصرت و مدد کی ضمانت فرمائی۔

﴿بَلَىٰ ۖ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّنْ قُدْرِهِمْ هَذَا يُمدِّدْكُمْ

رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ﴾ [٣/ آل عمران: ١٢٥]

”اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کرو گے اور دشمن تم پر ناگہاں آپڑے گا تو تمہارا

رب تمہاری مدد پانچ ہزار ملائکہ سے کرے گا۔“

⑪ اہل صبر کا نام اہل عزیمت رکھا ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ الْأُمُورِ﴾ [٣٢/ الشوری: ٣٣]

”جو کوئی صبر کرے گا اور معافی دے گا تو یہ بات بڑی عظیم الشان ہے۔“

⑫ بتلایا کہ اعمال صالحہ کی جزا تلقیٰ اور حظوظ کا عطیہ اہل صبر ہی کو ملے گا۔

﴿ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَن آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلْقَاهَا إِلَّا

الصَّابِرُونَ﴾ [٢٨/ القصص: ٨٠]

”جو ایمان لایا، جس نے عمل اچھے کئے۔ اس کے لیے اللہ کے یہاں ثواب

بہت بہتر ہے، اس ثواب کو تو صبر والے ہی حاصل کرتے ہیں۔“

13 بتلایا کہ آیات الہیہ سے استفادہ اور عبرت آموز سبق سے انتفاع اہل صبر ہی لیتے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَذَكِّرْهُمْ بِأَيِّمِ اللَّهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ﴾ [۱۳/ابراہیم: ۵۰]

”تاریخ واقعات الہیہ کے ذریعہ ان کو برے انجام کے برے نتائج سمجھاؤ۔ صبر کرنے والوں، شکر کرنے والوں کے لیے اس کے اندر بہت نشانیاں ہیں۔“

14 فرمایا کہ مطلوب محبوب تک رسائی اور مرہوب سے نجات اور جنت ماویٰ کا داخلہ صبر ہی کی وجہ سے ہوگا۔

﴿وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ۖ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ [۱۳/الرعد: ۲۴]

”فرشتے ہر طرف سے ہر دروازے سے اُن کے سامنے آئیں گے اور سلام کریں گے اور کہیں گے کہ صبر کی وجہ سے تم پر سلامتی ہو۔ یہ عافیت کا گھر بہت بہتر ہے۔“

15 بتلایا کہ صبر ہی کے ذریعہ سے درجہ امامت پر فائز ہو سکتے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَاهُمْ نَبِيًّا يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا﴾ [۳۲/السجدة: ۲۴]

16 دیگر آیات قرآنیہ پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ صبر کو اسلام و ایمان اور یقین و احسان کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور یہ ایسے فضائل ہیں جن سے صبر کی فضیلت بخوبی آشکار ہو جاتی ہے۔

مومن کے صبر و شکر کے متعلق حدیث صحیح

حدیث میں ہے:

((عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَآيِسَ ذَلِكَ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَاءٌ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرَ لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ

صِرَاءٌ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ) ﴿۱﴾

”یعنی مومن کا کام یہی ہے، اسے ہر طرح بھلائی ملتی ہے اور یہ بات صرف مومن ہی کو حاصل ہے، وہ خوشی پر شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بھلا ہے۔ وہ ضرر پر صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بھلا ہے۔“

دوسری حدیث شریف میں ہے:

((مَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا لَهُ وَ أَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ)) ﴿۲﴾

”یعنی صبر سے بہتر اور وسیع تر عطیہ کسی کو نہیں ملا۔“

حقیقت صبر کا بیان

صبر کے لغوی معنی جس اور روکنے کے ہیں۔ یہی معنی اس آیت میں ہیں:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُونَ رَبَّهُمْ﴾ [الکہف: ۲۸]

”اللہ کا نبی اپنے آپ کو اللہ کا نام لینے والوں کے ساتھ ساتھ رکھے۔“

حقیقت صبر

شرعی معنی صبر کے یہ ہیں کہ نفس کو گریہ و زاری سے اور زبان کو شکایت سے اور اعضا کو

گھبراہٹ سے روک لیا جائے۔

صبر کے اقسام

صبر کی تقسیم تین اقسام پر کی جاتی ہے:

الف: معصیت سے روکنے والا صبر۔ اس کے دو سبب ہیں:

① خوف عذاب ② شرم الہی

ب: طاعت پر قائم رکھنے والا صبر۔ اس کے تین اجزاء ہیں۔

① نگہداشت حکم ② محافظت دوام ③ رعایت اخلاص۔

﴿مُسلّم: کتاب الزہد، باب لا یلدغ المؤمن من جحر مرتین، رقم ۵۰۰۔ ریاض الصالحین: رقم ۲۷۔

﴿ریاض الصالحین: باب الصبر، رقم ۳۲۔

ج: مصیبت کے برداشت کرنے والا صبر۔ اس کی بھی بڑی بڑی تین صورتیں ہیں:

① گزشتہ نعمتوں کی قدر و قیمت کو موجودہ بلا سے مقابلہ کر کے بلا کو خفیف سمجھنا۔

② امید رحمت کو قوی بنا کر سختی بلا کو کم کر دینا۔

③ احسن جزاء کے تصور سے سرور ہو کر دل پر الم بلا کو غالب نہ ہونے دینا۔ ❁

آیت تفسیر میں یعقوب علیہ السلام کا صبر، صبر بر بلا تھا اور اس لیے وہ ان ہر سہ انواع متذکرہ سے مکمل تر تھا۔

دین کا اصول دوم: استعانت باللہ

اصول دوم، جس کی تعلیم یعقوب علیہ السلام کے جواب میں ہے۔ وہ استعانت باللہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنا۔

اکثر لوگ اس اصول دین کے نہ سمجھنے سے (شرک میں) گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اس فقرہ میں بت پرستوں اور خارج از اسلام گروہوں کا ذکر نہیں بلکہ مسلمانوں کا ذکر ہے۔ الوہیت اور ربوبیت الہی پر اقرار کرنے والوں کا ذکر ہے کہ وہ بھی شرک میں اس وجہ سے پھنس جاتے ہیں کہ انہوں نے استعانت باللہ کی تعلیم کو کبھی سمجھا ہی نہیں۔

سورہ الحمد کا نماز میں بار بار پڑھا جانا اور اس کا راز

اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں فرمادیا ہے اور یہی وہ سورہ مبارکہ ہے جو سب سے زیادہ نماز میں پڑھی جاتی ہے اور بار بار پڑھی جاتی ہے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ [الفاتحہ: ۳] اے اللہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ دوسرے کی عبادت نہیں کرتے۔ صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، کسی دوسرے سے مدد نہیں مانگتے۔ خدا کے سامنے جانا، تو یوں کہنا اور نماز سے فارغ ہونا تو جھٹ اوروں سے مدد کا طالب ہونا۔ ذرا غور تو کرو کہاں تک ٹھیک ہے؟

غیر اللہ سے مدد لینا۔

① یا تو منفعت حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

❁ ماخوذ از کتاب منازل السائرین۔

② یادِ دفعِ ضرر کے لیے۔

بہر دو صورت جب کوئی شخص غیر اللہ سے مدد کا خواہاں ہو تو استعانت باللہ سے ضروری غافل ہو گیا۔

اللہ کے بندہ کی شناخت

اگر کوئی شخص مصیبتوں اور آفتوں کے وقت ڈانواں ڈول نہ ہو اور اس کا دل اللہ تعالیٰ ہی کی مدد و نصرت اور کار سازی پر جما رہے اور غیر سے مدد لینے کا شائبہ بھی اس کے دل میں پیدا نہ ہو، اس وقت سمجھا جاتا ہے کہ یہ بندہ فی الحقیقت اللہ کا بندہ ہے۔ ﴿إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ اسی کی زبان سے زیب دیتا ہے۔

ترا کہ از دگران است استعانتِ عمر
زبانِ کذبِ باپاک نستعینِ مکشا



توجہ دوسروں سے عمر کی مدد مانگ رہا ہے تو ”نستعین“ کے پاک لفظ کے ساتھ اپنی جھوٹی زبان نہ کھول۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

فصل

چاہ پر قافلہ کا آنا

یوسف کا چاہ سے نکلنا۔ مصر میں جا بکنا۔

﴿ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَهُ قَالَ يَبُشْرَى
هَذَا غُلَامٌ ﴾ [۱۲/یوسف: ۱۹]

”ایک قافلہ آگیا۔ انہوں نے اپنے پانی لانے والے کو چاہ پر بھیجا۔ اُس نے
ڈول ڈالا (جب نکالا) تو بولا مبارک، یہ تو ایک نوجوان لڑکا نکل آیا۔“
سَيَّارَةٌ: سیار کا مؤنث۔ قافلہ، وہ لوگ جو اکثر سیر و سفر میں رہتے ہوں۔
وَارِدٌ: وارد بالکسر سے ہے وارد کے معنی ہیں پانی پر پہنچ جانا۔

وارد کا نام

وارد، وہ شخص جو پانی لانے پر مقرر ہو۔ علامہ ابن اسحقؒ نے اس کا نام مالک بن
ذعر بن قریب بن عنقا بن مدیان بن ابراہیم رضی اللہ عنہ بتلایا ہے۔ ہم کو اس روایت کا ماخذ
معلوم نہیں۔

أَدْلَى: دلو اسم سے فعل بنا لیا گیا ہے دلی الدلو کے معنی ہیں دلو کو چاہ سے نکالا اور أَدْلَى
الدَّلْوُ کے معنی ہیں دلو کو چاہ میں ڈالا۔ أَدْلَى إِلَيْهِ بِمَالٍ۔ مال کا ادا کرنا۔ قرآن پاک میں
ہے: ﴿ وَتَذَلُّوا بِهَا إِلَى الْحُغَّامِ ﴾ [۲/البقرة: ۱۸۸]

غلام: مذکر کے لیے آتا ہے۔ بعض نے نظم میں غلامہ مؤنث کے لیے استعمال کیا ہے۔ لیکن
اس کا استعمال صرف قداماء کی نظم میں ہوا ہے۔

مختلف عمر کے لحاظ سے بچہ کے نام عربی زبان میں

ذرا الفت عرب کی وسعت پر غور کرو کہ بچہ کے نام بلوغت تک پہنچتے پہنچتے
کتنے ہیں۔

- ① پیٹ کے بچہ کا نام جنین ② سات دن تک صدیغ
 ③ تا ایام شیر خوردگی رضیع ④ دودھ چھٹانے کے بعد فطیم
 ⑤ جب خوراک پر لگ جائے حبوش ⑥ جب بڑھ نکلے تب دارج
 ⑦ پانچ بالشت کے قد میں خُماسی ⑧ جب دودھ کے دانت ٹوٹیں مٹغور
 ⑨ جب نئے دانت نکل آئیں مٹغور ⑩ دس یا دس سال سے زائد مترعرع
 ⑪ قریب علم یافع یا مراهق ⑫ بعد از احتلام حَزُور

ان سب حالتوں کا مجموعی نام غلام ہے۔ اس کے بعد جب سبزہ بھگنے لگے۔ تب غلام سے آگے نکل جاتا ہے۔ پھر قتی پھر شارخ وغیرہ نام آتے ہیں۔ اس لفظ نے بتلادیا کہ جب یوسف علیہ السلام چاہ سے نکالے گئے تو ابھی ان کے چہرہ پاک پر مسیں نہیں بھگنے پائی تھیں۔

﴿وَأَسْرُوهُ بَضَاعَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝ وَشَرُّوهُ بِشَمْنٍ بَخْسٍ دَارِهِمْ مَعْدُودَةٌ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۝﴾ [یوسف: ۱۹، ۲۰]

”قافلہ والوں نے یوسف کو اس المال کی طرح چھپایا اور اللہ خوب جانتا تھا جو وہ کرتے تھے اور انہوں نے یوسف کو ہلکی سی قیمت پر جو گنتی کے درہم تھے، بیچ دیا، وہ یوسف کی قدر نہ جانتے تھے۔“

أَسْرُوهُ: سب کا اتفاق ہے کہ أَسْرُوهُ کے معنی یہ ہیں کہ قافلہ والوں نے یوسف کو چھپایا۔ شَرُّوهُ: شری سے ہے۔ یہ لغات اضداد سے ہے۔ اس کے معنی خریدنا بھی ہے اور فروخت کرنا بھی۔ مفسرین نے کہا ہے اس جگہ معنی تو فروخت ہی کے لیے ہیں مگر فاعل کے متعلق اختلاف کیا ہے اور اکثر نے یہ لکھ دیا ہے کہ فروخت کنندہ برادران یوسف علیہ السلام تھے۔

کوئی قرینہ نہیں کہ بھائیوں نے یوسف کو فروخت کیا تھا

یہاں اس قدر قصہ ایزاد کیا جاتا ہے کہ پھر بھائیوں کو خبر ہو گئی۔ وہ قافلہ والوں سے آ کر جھگڑ پڑے کہ یہ تو ہمارا غلام ہے اور پھر انہوں نے تھوڑے سے درہم لے کر فروخت کر دیا، لیکن کلام اللہ میں کوئی ایسا قرینہ نہیں، جو اس کی تائید میں ہو۔ عدم موجودگی قرینہ کے علاوہ ان معنی سے انتشار ضمائر بھی لازم آتا ہے، جو قرآن مجید کی اعلیٰ بلاغت کے خلاف ہے۔

فتح البیان جلد ۵ ص ۱۹۲ میں قادم کا قول درج ہے۔ بَلْ هُوَ عَائِدٌ عَلَى السَّيَّارَةِ۔ علامہ ابن کثیر (ج ۵ ص ۱۵) نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ یہ جو مشہور ہے کہ برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام کو فروخت کر دیا تھا۔ یہ غلط واقعہ ہے۔ انہوں نے یوسف صدیق کو چاہ میں ہلاک ہو جانے کے لیے گرایا تھا۔

بَخْسَ: (بَخَسَ بَخْسًا) تقصرہ۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ﴾ [۴/الاعراف: ۸۵] ”لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو۔“

دوسرے مقام پر ہے:

﴿فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا﴾ [۲/البقرہ: ۱۳]

”وہ نقصان اور ظلم سے نہیں ڈرا کرتا۔“

شمن بَخْسٍ سے مراد گھٹیل قیمت ہے۔

﴿دَرَاهِمَ مَعْدُودَةً﴾ [۱۲/یوسف: ۲۰] یہ الفاظ قیمت کی کمی کو بیان کرتے ہیں۔ اول

یہ کہ درہم لیے تھے، دینا نہیں۔ دوم یہ کہ وہ بھی اتنے کم تھے کہ وزنہ اور وزن کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ ہاتھوں سے ہی گن دیئے۔

زہد کے لغوی واصطلاحی معنی

زَاهِدٌ: زُہد سے ہے۔ زہد کے معنی کسی شے کو حقیر سمجھ کر چھوڑ دینا ہے۔ شَيْءٌ زَاهِدٌ کے معنی قلیل چیز ہیں۔ حدیث پاک میں ہے:

أَفْضَلُ النَّاسِ مُؤْمِنٌ مُزْهَدٌ.

”تھوڑی سی چیز پر گزراں کر لینے والا مومن سب میں اچھا ہے۔“

یہ تو لغوی معنی تھے اور آیت میں معنی لغوی ہی مراد ہیں۔

اصطلاح میں زہد کی تعریف یہ ہے: طَيْبُ الْكَسْبِ وَ قَصْرُ الْأَمَلِ۔ یعنی پاک

کمائی اور آرزو کی کوتاہی۔ امام زہریؒ جو بزرگ تابعین میں سے ہیں اور محدثین کے ائمہ ہیں، فرماتے ہیں:

”زہد کا تعلق حلال اشیاء میں یہ ہے کہ نعمتوں کا استعمال شکر کو مغلوب نہ کر سکے

اور حرام اشیاء میں یہ ہے کہ صبر شکن نہ ہو۔“

اسلامی زہد اور جوگ

مندرجہ بالا تعریف پر غور کرو۔ اب جو لوگ زہد کی حقیقت یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ترک دنیا یا ترک ملابس یا ترک لہذا لہذا کا نام زہد ہے۔ انہوں نے زہد اسلامی کی حقیقت کو سمجھا ہی نہیں۔ وہ تو جو گیانہ زندگی کو اسلامی زہد سمجھ بیٹھے ہیں۔

بائبل میں ہے کہ یوسفؑ کو مدیانیوں نے چاہ سے نکالا اور اسماعیلیوں کے ہاتھ فروخت کیا تھا اور اسماعیلی قافلہ اُن کو مصر لے گیا۔

اسماعیلیوں کا فروخت کرنا اس لیے بھی غلط ہے کہ صرف ایک نسل کے درمیان پڑنے سے اسحاقی و اسماعیلی ایک دوسرے سے اس قدر ناواقف نہیں ہو سکتے تھے کہ وہ یوسفؑ کو شناخت بھی نہ کر سکتے۔ درانحالیکہ ایک کو دوسرے کا ممکن معلوم تھا۔

چاہ میں مدت اقامت

ابو بکر بن عیاش کا قول ہے کہ یوسفؑ چاہ میں تین روز رہے تھے۔



مصر میں یوسف علیہ السلام کا بلکنا، خریدار کا ان کی توقیر کرنا، یوسف علیہ السلام کا آرام و آسائش میں پہنچ جانا

﴿وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لَامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا﴾ [یوسف: ۲۱]

”جس نے اسے مصر میں خریدا تھا، اس نے اپنی عورت سے کہا کہ اسے عزت سے ٹھہراؤ، ممکن ہے کہ یہ ہم کو نفع دے دے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں۔“

عزیز مصر کا نام و عہدہ

اِشْتَرَاهُ: یہ خریدار یوسف وہی ہے جسے آگے چل کر عزیز مصر کہا گیا ہے۔ بائیل میں اس کا نام ”فوطیفار“ تھا اور بتایا گیا ہے کہ وہ فرعون کی سردار لشکر تھا اور جلو داروں کا سردار تھا۔ لَامْرَأَتِهِ: اپنی عورت سے۔

عورت کا نام کہیں نہیں ملتا

اس عورت کا نام توراۃ، قرآن مجید یا کسی اور صحیح اسلامی روایت میں بیان نہیں ہوا اور ہم کو معلوم نہ ہوا کہ اس کا نام زلیخا یا راعیل کتابوں میں کس اعتماد پر لکھ دیا گیا ہے۔ زلیخا کے متعلق یہ قصہ کہ وہ کسی شاہی خاندان کی لڑکی تھی۔ اس نے قبل از شادی یوسف علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور مصر کا پتہ معلوم کر کے مصر میں شادی کرائی۔ بالکل افسانہ اور لغو ہے۔ مِصْر: ملک کا نام ہے جو مصر بن حام بن نوح علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا ہے کیونکہ برادرانہ تقسیم میں یہ ملک انہی کے حصہ میں آیا تھا۔

مصر کا محل وقوع

مصر بر اعظم افریقہ میں داخل ہے اور افریقہ کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ اس کی

حدود طبعیہ یہ ہیں:

حدود اربعہ

شمال.....	میں بحر ایض متوسط
شرق.....	میں بحر احمر، بلاد عرب و شام
جنوب.....	میں بلاد لوبہ
غرب.....	میں بلاد طرابلس

وضع طبعی

بالحاظ وضع طبعی مصر اس وادی کا نام ہے جس کے شرق میں جبال عرب اور غرب میں جبال لیبیا کا سلسلہ واقع ہے۔

مساحت: ڈیڑھ سو ملین فندان اس کی مساحت ہے۔ ایک فندان ۱۰۲ء۔۱ ایکڑ کا ہوتا ہے۔ اس میں سے قابل زراعت صرف ۵ ملین فندان اراضی ہے۔

آبادی: ۱۹۱۰ء میں اس کی آبادی ایک کروڑ بیس لاکھ تھی۔ جن میں سے ۱۰/۱ حصہ اجنبی لوگوں کا ہے۔ باقی سب مسلمان ہیں۔ یا بعد اذیل قبیل ہیں۔

آثار قدیمہ

ملک مصر اپنے قدیم تمدن اور ترقی علمیہ کے لحاظ سے مشہور ترین ممالک میں سے ہے۔ یہاں کے تین اہرام اپنی قدامت کے اعتبار سے زمانہ تاریخ سے بھی پیشتر کے ہیں۔

اہرام

سب سے اونچے اہرام کی بلندی ۴۵۰ فٹ، نیچے کا دور ۵۰۰ فٹ، اوپر کی چوٹی کا دور ۳۵ فٹ اور کل رقبہ اڑتالیس لاکھ ایک ہزار گز مربع ہے۔

ابوالہول

ابوالہول کا بت بھی اسی ملک میں ہے۔ جو دنیا کے سب بتوں سے ڈھانچ میں بڑا اور

زمانہ کے لحاظ سے سب سے پرانا ہے۔ اس بت کا جسم شیر کا اور چہرہ عورت کا سا بنایا گیا ہے۔
اس کا قد پنچہ سے دم کی جڑ تک ۱۸ فٹ بلند ہے۔ سر کی بلندی ۶۶ فٹ، کان ۵۴ فٹ، ناک ۶۷ فٹ کی ہے۔

مصر کے مشہور پہاڑ

مصر کے پہاڑ

المقطم قاہرہ کے شرق میں (اسی نام کا ایک عیسائی اخبار مصر سے شائع ہوتا ہے)

- معصرہ ضلع حیزہ میں۔
- جبل الطیر ضلع منیسا میں۔
- جبل الرخام ضلع بنی سویف میں۔
- جبل ابی فودہ ضلع اسیوط میں۔
- جبل شیخ الہریدی ضلع جرجا میں۔

یہ سب پہاڑ سلسلہ جبال عربی کے ہیں۔

سلسلہ لیبیا کے پہاڑ زیادہ بلند نہیں۔ اُن میں صرف جبل الاخضر زیادہ مشہور ہے جو ضلع فیوم میں ہے۔

دریائے نیل

دریائے نیل: مصر کی خاص شہرت دریائے نیل کی وجہ سے بھی ہے۔ یہ دریا ایشیا و یورپ اور افریقہ کے سب دریاؤں سے لمبا بہنے والا ہے۔

اس کا بہاؤ طول میں تقریباً ۶۵۰۰ کلومیٹر ہے۔ دریائے نیل افریقہ کی تین جھیلوں کے مجموعہ آب سے مل کر بنتا ہے۔

ان جھیلوں کو مسلمانانِ اندلس نے دریافت کر لیا تھا، مگر اب یورپ نے ان کا نام و کٹوریا نیا نزا، البرٹ نیا نزا، اور البرٹ ایڈورڈ نیا نزا رکھ دیا ہے۔ گویا ان کی دریافت صرف

انہی عہود میں ہوئی۔

امدادی دریا

دریائے نیل میں عطیرہ، نیل ارزق، سوبا، بحر الغزالی گرتے ہیں اور پھر نیل ہی کہلاتے ہیں۔

دریائے نیل جنوب سے شمال کو بہتا ہے اور دو بڑی بڑی شاخوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔

(الف) شاخ دمیاط: جو جنوب سے شمال مشرق کو جاتی ہے۔

(ب) شاخ رشید: جو جنوب سے شمال مغرب کو جاتی ہے۔

نیل کے مختلف نام

کبھی کبھی مختلف حصہ بلاد کی وجہ سے دریائے نیل کے مختلف نام بھی لیے جاتے ہیں۔

(۱) بحیرہ البرٹ اڈوارڈ سے بحیرہ نوتک اس کا نام بحر الجبل ہے۔

(۲) بحیرہ نو سے خرطوم تک اس کا نام نیل الابيض ہے۔

(۳) خرطوم سے قاہرہ تک اس کا نام ”نیل“ ہے۔

پانی

دریائے نیل کا پانی نہایت میٹھا اور خوشگوار ہے۔

نیل کا اچھلنا اور سیاہ مٹی

یہ دریا جب بڑھتا ہے تو پانی کناروں سے اچھل کر اراضی زیر کاشت پر پھیل

جاتا ہے۔ پانی کے ساتھ ایک سیاہ مٹی بھی آتی ہے۔ جسے مصر والے ”طی“ بولتے ہیں۔ یہ مٹی

اس زمین کے لیے کھاد کا کام دیتی ہے، پھر اعلیٰ درجہ کی پیداوار ہوتی ہے۔

نیل کے بڑھنے گھٹنے کی تاریخیں

دریائے نیل کا پانی عموماً ۱۸ جون سے بڑھنے لگتا ہے اور ۲۱ ستمبر سے گھٹنے لگتا ہے۔ اور
بمہ مئی (سال آئندہ) پھر اصلی حالت پر پہنچ جاتا ہے۔

نیل کی بھینٹ کا قصہ

دریائے نیل کو عہد قدیم میں ایک مقدس دیوتا سمجھا کرتے اور سال بسال ایک
کنواری لڑکی کو لہن بنا کر اس کی بھینٹ چڑھایا کرتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ اس بھینٹ
لیے بغیر نیل دیوتا اوپر نہیں اچھلتا۔ جب مصر مسلمانوں نے فتح کیا تو اسلامی گورنر نے لوگوں
کو اس رسم بد سے روک دیا۔ اللہ کی قدرت کہ اگست تک دریا میں افزونی کے آثار نمودار نہ
ہوئے، تب تو رعایا نے کہہ دیا کہ وہ اجر جائیں گے۔ گورنر نے خلیفہ راشد کی خدمت میں
تمام احوال لکھ بھیجا۔

امیر المومنین کا فرمان بنام نیل

امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے والی کو لکھا کہ اس خط کے ساتھ دوسرا خط دریائے
نیل کے نام روانہ کیا جاتا ہے۔ جس مقام پر لہن کو بھینٹ چڑھایا جاتا تھا، وہاں میرا فرمان
ڈال دیا جائے، ایسا ہی کیا گیا اور پھر کبھی خلافت راشدہ کے عہد ہمایوں میں فیضان ماء میں
کئی نہ آئی۔ فرمان کی نقل یہ ہے:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ.

مَنْ عَبْدُ اللَّهِ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلَى نَيْلٍ مِصْرَ أَمَّا بَعْدُ
فَإِنْ كُنْتَ تَجْرِي مِنْ قَبْلِكَ فَلَا تَجْرِي وَإِنْ كَانَ اللَّهُ الْوَاحِدُ
الْقَهَّارُ هُوَ الَّذِي يَجْرِيكَ فَسَأَلَ الْوَاحِدَ الْقَهَّارُ أَنْ يَجْرِيكَ ❀

”اللہ کے نام سے جو بڑی رحمت اور کمال رحم والا ہے۔

❀ الخلفاء الراشدون محمد رضا: خلافت عمر رضی اللہ عنہ، ص ۲۳۲۔

اللہ کے غلام مومنوں کے امیر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے دریائے نیل کے نام۔ واضح ہو کہ اگر تو اپنی مرضی سے بہا کرتا ہے تو اب نہ بہنا اور اگر تیرا جاری کرنے والا، بہانے والا وہ یکتا مالک ہے جو سب پر حکمران ہے تو ہم اسی سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری فرمادے۔“ ❀

حُسن و جمال مصر

کلیو پیٹر۔ زمانہ حُسن

داستان نویسوں کے نزدیک مصر کا حسن و جمال اور وہاں کی عشرت پسندی ایک مسلمہ امر رہی ہے۔ ملکہ کلیو پیٹر کا حال اور اس کی رنگ رلیوں کی داستان سے مصر و روم اور یورپ کا کون سا مورخ ناواقف ہوگا۔

دینی تاریخ کا تعلق مصر سے

قرآن مجید میں ذکر

قرآن مجید میں مصر کا ذکر صراحۃً یا کنایۃً (۳۰) مقامات پر آیا ہے۔

صحیح مسلم میں ذکر مصر

صحیح مسلم میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((سَتَفْتَحُونَ مِصْرَ وَ هِيَ أَرْضٌ يُسَمَّى فِيهَا الْقَيْرَاطُ. فَإِذَا

فَتَحْتُمُوهَا فَاحْسِنُوا إِلَى أَهْلِهَا فَإِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَ رَحْمًا.)) ❀

”تم عنقریب مصر کو فتح کر لو گے۔ یہ وہ ملک ہے جہاں قیراط نامی سکھ چلتا

ہے۔ وہاں کے لوگوں سے بھلائی کرنا، ان کو ذمہ اور رحم کے دوہرے حقوق

حاصل ہیں۔“

❀ منقول از تحفۃ الناظرین: تالیف الامام الشیخ عبداللہ الشرقادی، ص ۷۷۔

❀ مسلم: کتاب فضائل الصحاب، باب وصیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باهل مصر، رقم ۶۳۹۴۔ مسند احمد: ۱۷۴/۵۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مصر میں مصاہرت انبیا

مندرجہ ذیل انبیا کی زوجات مصر کی ہیں:

خلیل الرحمن ابراہیم علیہ السلام..... کی زوجہ ہاجرہ علیہا السلام

اسماعیل علیہ السلام..... کی اہلیہ اول

سلیمان علیہ السلام..... کی زوجہ ضحیہ - (دختر فرعون)

سیدنا حبیب اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حلیہ..... ماریہ خاتون حبشیہ۔

مولد انبیا

مندرجہ ذیل انبیا کی ولادت ملک مصر میں ہوئی:

ہارون، موسیٰ، یوشع بن نون علیہم السلام۔

مہبط انبیا

مندرجہ ذیل انبیا مصر میں تشریف لائے اور کچھ کچھ عرصہ قیام فرمایا:

سیدنا ابراہیم، یعقوب، یوسف، ارمیا، دانیال، عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

مومنین مصر

آسیہ امراۃ فرعون، مومن آل فرعون، ساحران عہد موسوی، وہ مومنین ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ ان ساحروں کی صحیح تعداد کسی معتبر کتاب سے دستیاب نہیں ہوئی۔

مصر اور تاریخ اسلام

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوت نامہ بنام شاہ مصر

یکم محرم ۷ھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے مشہور حکمرانوں کے نام فرمان دعوت اسلام جاری فرمائے تھے۔ اُن دنوں مصر برمتی بن جریج الملقب بہ مقوقس حکمران تھا۔
محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

حاطب بن ابی بلتعہ اور شاہ مصر کی باہمی گفتگو

اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر گئے تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی پیش کیا اور بادشاہ سے مندرجہ ذیل گفتگو بھی فرمائی:

حاطب: آپ سے پہلے اس ملک میں ایک شخص ہو چکا ہے۔ جو ﴿اَنَا رَبُّكُمْ اَلَا عَلِي﴾ [۷۹/۷۹ نازعات: ۲۳] ”میں سب کا بڑا خدا ہوں۔“ کہا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا و آخرت کی رسوائی دی۔ اللہ پاک کے غضب سے ملک یا لشکر اسے بچا نہ سکے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم اس سے عبرت حاصل کرو۔ مبادا کہ لوگ تم سے عبرت لیا کریں۔

مقوقس: ہم خود ایک مذہب رکھتے ہیں اور اسے ترک نہ کریں گے۔ جب تک اس سے بہتر کوئی مذہب نہ ملے۔

حاطب: اسلام کے بعد عیسائیت یا کسی اور مذہب کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسلام سب مذاہب سے کفایت کنندہ ہے۔ اسی کی دعوت آپ کو دی جاتی ہے۔

اے بادشاہ.....! جیسے آپ اہل توراۃ کو انجیل کی دعوت دیا کرتے ہیں، ویسے ہی ہم آپ کو قرآن کی دعوت دیتے ہیں۔ نبی اللہ کے ظہور کے بعد سب لوگوں کو اسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ضروری و لازم ہو جاتی ہے۔ آپ یہ سمجھ لیں کہ آپ کو مذہب مسیح ہی کی دعوت دی جاتی ہے۔

وہی شاہ خراج گزار اسلام بنا

بادشاہ نے مزید مہلت کی درخواست کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو ہاتھی کے دانت کے ڈبے میں رکھ کر، مہر لگا کر خزانہ میں رکھوا دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تحائف بھیجے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرما دیا کہ تم تھوڑے ہی عرصہ بعد اس ملک کو فتح کر لو گے۔ چنانچہ جمادی الاخریٰ ۲۰ھ میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مصر فتح ہوا اور یہی متی بن جریح الملقب بہ مقوقس اپنی ۳۷ سالہ فرمان روائی کے بعد خلیفہ اسلام کا خراج گزار بنا۔

تعداد لشکر اسلام بوقت فتح مصر

مصر پر جس فوج نے حملہ کیا۔ اس کے سپہ سالار اعظم حضرت عمرو بن العاص اموی رضی اللہ عنہ تھے۔ حملہ اولین کے وقت اُن کے پاس صرف چار ہزار فوج تھی۔ بعد میں اٹھ ہزار فوج مدینہ منورہ سے اور بھیجی گئی۔ اس فوج کے سردار سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا کہ اس فوج میں چار شخص وہ ہیں۔ جو اکیلا ایک ہزار کے برابر کا ہے۔ اس لیے فوج کی تعداد بارہ ہزار سمجھنی چاہیے۔ وہ چار مندرجہ ذیل بزرگوار تھے:

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ

اب ہم ایک نقشہ درج ذیل کرتے ہیں، جس سے واضح ہوگا کہ خلافت راشدہ کے بعد کن کن اسلامی حکومتوں نے مصر پر حکمرانی کی۔

مصر پر اسلامی سلطنتوں کی حکومت کا نقشہ

نمبر شمار	نام	سند ابتدا و انتہا	کیفیت
۱	امارت بنو امیہ	۴۰ھ تا ۱۳۲ھ	
۲	خلافت عباسیہ	۱۳۲ھ تا ۲۲۳ھ	
۳	دولت طولونیہ	۲۵۴ھ تا ۲۹۱ھ	۱۲ھ سے ۲۲۳ھ تک پھر براہ راست خلافت عباسیہ کے ماتحت تھا۔
۴	دولت اشیدیہ	۳۲۲ھ تا ۳۵۵ھ	۳۲ سال۔ ۱۰۔ ۲۲ یوم
۵	دولت فوالم یا بیدیون	۳۵۰ھ تا ۵۶۶ھ	۲۰ سال۔ ۵ ماہ
۶	دولت الیوبیہ	۵۶۶ھ تا ۶۴۸ھ	ماتحت خلافت عباسیہ
۷	دولت الممالیک	۶۴۸ھ تا ۸۴۳ھ	ماتحت خلافت عباسیہ
۸	دولت چراکسہ	۸۴۳ھ تا ۹۰۵ھ	ماتحت خلافت عباسیہ
۹	خلافت عثمانیہ	۱۳ ارب جب ۹۲۳ھ لی لآن	
۱۰	خلافت خدیویہ	۱۲۲۰ھ لی لآن	

مصر کے مشہور مشہور شہر

القاہرہ

القاہرہ اس وقت مصر کا دار السلطنت ہے۔ ۳۵۹ھ میں اس کی بنیاد رکھی گئی۔ جامع ازہر اسی شہر میں ہے۔ یہ علوم عربیہ کی تعلیم میں سب سے بڑی یونیورسٹی ہے۔ طلباء کی تعداد بالا وسط بارہ ہزار رہتی ہے۔

القاہرہ ہی کے قریب مصر القدیمہ کی آبادی ہے۔ اسی میں جامع عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہے۔ جس کی عمارت اب تک سالم و قائم ہے۔

القاہرہ میں ٹراموے جاری ہیں۔ جس کی بارہ لمبی لمبی شاخیں مختلف اطراف ملک میں جاری ہیں۔ سیاحین کو سیاحت ملک میں ان سے خوب مدد ملتی ہے۔

اسکندریہ: یہ شہر سکندر مکدونی نے ۹۵۳ قبل ہجرت آباد کیا تھا۔ اب اس کی آبادی ساڑھے تین لاکھ ہے۔

اسکندریہ کا کتب خانہ، اسے جلانے والا

اس شہر کی وجہ شہرت اس عظیم الشان کتب خانہ کی وجہ سے بھی تھی جو شاہان رومان قبل از مسیح یہاں قائم کیا تھا۔

اس کتب خانہ کی بہترین کتب کو امپراطرہ رومان قسطنطینہ لے گئی تھی۔ بعد ازاں جن کتابوں کو امپریٹریوڈورس نے عیسائیت کے خلاف سمجھا انہیں آگ لگا دی۔

ابوالفرج یہودی نے ۶ سو سال کے بعد یہ گھڑت بنائی

اس حقیقت کو چھپانے کے لیے سب سے اول ابوالفرج بن طیب یہودی نے جو (مالٹا میں ۱۲۲۶ء کو پیدا ہوا) اور یہودیت کے بعد عیسائی بنا۔ احرار کتب خانہ کو مسلمانوں سے منسوب کر دیا ہے۔ یہ کذب و افترا کی داستان اسلامی قبضہ سے کامل چھ صدیوں کے بعد گھڑی گئی۔ ورنہ ابوالفرج مذکور سے پیشتر کی جتنی کتابیں ملک مصر کی تاریخ پر یہودیوں،

عیسائیوں، مسلمانوں نے لکھی ہیں کسی میں اس واقعہ کا ذکر تک نہیں۔

کتابوں کی تعداد اور جلانے کا حساب

جھوٹا آدمی بات تو بناتا ہے، مگر اسی کا جھوٹ خود اسی کی بناوٹی بات سے کھل جاتا ہے۔ یہ یہودی لکھتا ہے کہ اسکندر یہ میں چار ہزار حمام تھے۔ اُن کا پانی پچھے ماہ تک انہی کتابوں سے گرم ہوتا رہا۔ اگر فی حمام ایک سو کتاب روزانہ کا حساب بھی لگا لیا جائے تو کتابوں کا شمار ۲۷ ملین پہنچ جاتا ہے اور یہ وہ تعداد ہے کہ اگر آج اس زمانہ میں جبکہ لاکھوں مطابع کھلے ہوئے ہیں اور جبکہ دولت کی فراوانی اور شوق علم نے کتب خانہ جات کے قیام کو ہر ایک قوم کی زندگی کے قیام کا مسئلہ بنا دیا ہے۔ تمام یورپ کے کتب خانوں کی کتابیں جمع کر لی جائیں، تب بھی اتنی نہیں ہو سکتی ہیں۔

نہر سوز، مصارف پیمائش وغیرہ

مصر کی بڑی شہرت اور سیاسی اہمیت ہمارے زمانہ میں نہر سوز کی وجہ سے ہو گئی ہے۔ یہ نہر بحر ایض کو بحر احمر سے ملاتی ہے۔ طول ۷۰ کلومیٹر اور عرض ۵۰ سے ۱۰۰ کلومیٹر تک۔ عمق ۸ سے ۱۰ میٹر تک ہے۔ اس کی تیاری میں ۲۰ ملین پونڈ (تیس کروڑ روپیہ صرف ہوا تھا) ۱۸۵۹ء میں کھدوائی شروع ہوئی اور ۱۸۶۹ء کو نہر مکمل ہوئی۔ اب ہم احوال کو ختم کرتے ہیں اور خاتمہ پر حضرت عمرو بن العاص اموی فاتح مصر کا خط نقل کرتے ہیں جو ادب عربی کا بہترین نمونہ ہے۔

گورنر مصر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا خط بنام امیر المومنینؓ

یہ خط امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نام بھیجا گیا تھا:

وَرَدَ إِلَيَّ كِتَابُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ أَطَالَ اللَّهُ بَقَاءَ هَذَا لِسِي عَنْ
مِصْرَ أَعْلَمَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّ مِصْرَ قَرْيَةُ غِبْرَاءَ وَشَجَرَةٌ
خَضْرَاءَ، طَوْلَهَا شَهْرٌ وَعَرْضُهَا عَشْرٌ يَكْتَنِفُهَا جَبَلٌ غَبِرٌ وَرَمَالٌ
أَعْفَرُ يَخْطُ وَبِطْنِهَا نَهْرٌ مَبَارَكٌ الْغَدَوَاتِ مِمُّونِ الرُّوحَاتِ

تجرى فيها الزيادة والنقصان كجرى الشمس والقمر له اوان
يدر حلاله و يكثر عجاجه وتعظم امواجه فتفيض على الجانبين
فلا يمكن التخلص من القرى بعضها الى بعض الا فى صغار
المراكب و خفاف القوارب وزوارق كانهن المخائل او ورق
الاصائل فاذا تكامل فى زيادته نكص على عقبه كاؤل مابداً فى
جريته و طمى فى رده فعند ذلك تخرج ملة محقورة وذمة
مخفورة يحرثون بطون الارض و يبذرون فيها الحب و
يرجون بذلك النماء من الرب لقيهم ما سعون كدهم فباله
عنهم بغير جدتهم. فاذا احرق الزرع. واشرق، سقاه النداء و
غذاء من تحت الثرى فبينما مصر يا امير المؤمنين لؤلؤة بيضاء
فاذا هى عنبرة سوداء فاذا هى زمردة خضراء فاذا هى ديباجة
زرقاء فتبارك الله خلق لما يشاء والذى يصلح هذه البلاد و
يضر قاطنهما فيها. ان لا يقبل قول خسيسها فى رئيسها. ولا
يستأدى خراج ثمرة الا فى او انها و ان يصرف ثلث ارتفا عها
فى عمل جسور هاوتر عها. فاذا تقرر الحال مع العمال على
هذه الاحوال تضاعف ارتفاع المال. والله يوفق الى حسن
الحال. فقط [الخلفاء الراشدون الحمد رضا: خلافت عمر ۲۲۳-۲۲۵]

”امير المؤمنين: آپ کا خط ملا!

اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے۔ آپ نے مصر کی بابت دریافت فرمایا
ہے۔ سو واضح ہو کہ مصر روٹلی زمین کا ملک ہے جس میں سرسبز درختوں کی
کثرت ہے۔ طول ایک ماہ کی مسافت عرض دس یوم کی مسافت کا ہے۔
ٹیا لے پہاڑ اور موٹی موٹی ریت اسے گھیرے ہوئے ہیں۔ اس کے وسط
میں ایک دریا رواں ہے۔ جس کی جملہ اوقات مبارک ہیں۔ یہ گھٹنا، بڑھتا

ہے جیسا کہ آفتاب و ماہتاب کی حالت ہے۔ یہاں کا ایک موسم ہے جب شیردار جانوروں کا دودھ گھٹ جاتا ہے اور گرد و غبار بڑھ جاتا ہے۔ اس کے بعد دریا اپنے دونوں کناروں سے اچھل پڑتا ہے۔ تب ایک بستی سے دوسری بستی تک ڈونگوں اور کشتیوں کے سوا جو بادلوں کے ٹکڑوں یا درختوں کے پتوں کی طرح چلتی پھرتی ہلتی جلتی نظر آتی ہیں، جانا دشوار ہوتا ہے۔ جب دریا کی افزونی پوری ہو جاتی ہے تب بدستور گھٹنے لگتا ہے اور ابتدائی حالت پر آ جاتا ہے۔ وہ اراضی پر طمی چھوڑ جاتا ہے، تب غریب کاشتکار اور اجرتی لوگ نکل پڑتے ہیں جو زمین کے شکم کو چاک کرتے اور اُس میں دانہ ڈالا کرتے ہیں اور خدا سے اُس کی پرورش کے امیدوار ہوتے ہیں۔ ان کی کوششیں بار آور ہوتی ہیں اور ان کو بلا مشقت ثمرہ ملنے لگتا ہے۔ جب کھیتی کو گرمی پہنچتی ہے اور اس پر چمکیلی اوس پڑتی ہے اور تہ زمین سے غذا ملنے لگتی ہے۔ اس وقت اے امیر المومنین سارا ملک ایک درآبدار ہوتا ہے یا تل عنبر بار، وہ زمرد آسمانی ہوتا ہے یا غالیچہ الوانی۔ مبارک ہے وہ مالک کہ جو چاہا سو بنایا، جو چاہا وہ پیدا کیا۔ اس ملک کی صلاحیت اور باشندوں کی فطرت کے متعلق امور ذیل قابل غور ہیں:

- (۱) ادنیٰ شخصوں کی شکایت پر جو روسا کے خلاف ہو توجہ نہیں کرنی چاہیے۔
- (۲) محاصل اراضی قبل از وقت نہیں لینا چاہیے۔ (۳) کل آمدنی کا ایک ثلث وسائل آبپاشی اور تعمیر پل پر صرف کرتے رہنا چاہیے۔
- ان طریقوں پر عمل کرنے سے پیداوار میں ترقی، آمدنی میں افزونی، رفاہیت میں بیشی ہوگی۔ اللہ پاک کی توفیق رفیق ہونی چاہئے۔“

عجائب خانہ مصر

اس عجائب خانہ میں فرعون غریق کی لاش بھی رکھی ہوئی ہے۔ جسے یورپ کے جملہ فلاسفروں نے مان لیا ہے کہ یہی فرعون عہد موسیٰ علیہ السلام کی لاش ہے۔

لاش فرعون۔ اخبار قرآنی

اس سے قرآن مجید کی صداقت منکرین الہی پر حجت بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون کو غرق ہونے کے وقت آگاہ کر دیا گیا تھا کہ وہ غرق ہوگا اور پھر اس کی لاش ساحل پر پھینک دی جائے گی اور وہ آئندہ نسلوں کے لیے عبرت بنے گی ﴿فَالْيَوْمَ نَسْجِيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً﴾ [۱۰/ یونس: ۹۲]

یہ حقیقت بائبل نے ظاہر نہ کی تھی۔ قرآن مجید کے اس اعلان کے بعد تیرہ صدیوں کے گزر جانے پر وہ لاش ملی اور قرآن مجید کی خبر اپنے ظاہری لفظوں میں پوری ہوئی۔

مزارات مصر

مزار امام شافعیؒ

مصر میں سینکڑوں مزارات ہیں لیکن سب میں مشہور تر سیدنا محمد بن ادریس یعنی امام شافعیؒ کا مزار ہے۔ یہ یکے ازائمہ اربعہ ہیں۔ علم میں ان کا پایہ بہت بلند ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے کہ شافعیؒ کا وجود علم کے لیے ایسا ہے، جیسے دنیا کے لیے آفتاب یا انسان کے لیے صحت۔ مظہری النسب ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہیں۔ ان کی مصنفہ کتابیں بہت ہیں۔ اشہر و نافع تر ”کتاب الام“ ہے، جس کی ۷ جلدیں ہیں۔

مزار اُس حسینؒ

یہاں ایک مزار امام حسینؒ کے سر مبارک کے نام سے بھی بنا ہوا ہے۔ عوام اہل مصر کا اعتقاد ہے کہ سبط النبی امام حسینؒ کا فرق مبارک مصر میں مدفون ہے لیکن علماء حدیث و سیرت اس روایت کی تصدیق نہیں کرتے۔

مَشْوَاهُ: (ثَوَى يَثْوِي ثَوَاءً) جس کے معنی ہیں ٹھہرانا، اقامت دینا۔ حدیث میں ہے: وَ عَلَى نَجْرَانَ مَثْوَى رَسُولِي ”نجران والوں پر لازم ہوگا کہ ہمارے قاصدوں کو اترنے کی

جگہ دیا کریں۔“

خریدار نے حضرت یوسف کے متعلق اپنی عورت سے دو ارادے ظاہر کئے تھے۔
الف: حصول نفع۔ یعنی مہنگے داموں فروخت کرنا۔

غلامی کی رسم قدیم

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد قدیم میں ملک مصر کے اندر خرید و فروخت غلامان بکثرت جاری تھی۔ متعصب عیسائی آج اس کا الزام صرف اسلام کو دیا کرتے ہیں۔ *
معلوم ہوتا ہے کہ دولت مند لوگ باہر کے سودا گروں سے جوان جوان لڑکوں کو ہلکی قیمت پر خرید لیتے اور پھر تعلیم و تادیب دے کر بڑی بڑی قیمت پر ان کو فروخت کر دیا کرتے تھے۔ پس ﴿اَكْرِمِي مَنَوَا﴾ کے معنی بامید منفعت یہ ہیں کہ اسے مؤدب و مہذب بنانا چاہئے تاکہ اچھی قیمت دے جائے۔

متبنیت کی رسم

ب: اتخاذ ولد یعنی بیٹا بنانا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں اولاد نہ تھی۔ نیز یہ

* کسی ایک مذہب نے بھی غلامی کی اصلاح میں کوشش نہیں کی۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس کے متعلق ایک حرف بھی نہیں فرمایا۔ پولوس نے غلامی کو استحکام دیا۔ اس نے غلاموں کو فصاحت کی کہ ”وہ اپنے آقاؤں سے ایسا ہی ڈرتے رہیں جیسا خدا سے۔“

یہ فخر صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے غلامی کو ایسی شکل میں بدل دیا کہ آزادی کا گیت گانے والے بھی اس غلامی پر فخر کر سکتے ہیں۔ بلال رضی اللہ عنہ ایک حبشی الاصل غلام تھے۔ عمر فاروق جیسا خلیفہ اعظم جب ان کا ذکر کرتا۔ تو ان الفاظ میں۔ سَيِّدُنَا اَبُو بَكْرٍ اَعْتَقَ سَيِّدَنَا بَلَالًا ہمارے سردار ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہمارے سردار بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا۔ زید رضی اللہ عنہ بھی غلام تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح ان سے کر دیا تھا۔ خاندان نبوت کا یہ عمل دنیا کی بنا کی ہوئی غلامی کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دیتا ہے۔ کیونکہ اسلام نے نکاح کے لیے کنو کا لحاظ بتلایا ہے۔ ان زوجین کے درمیان وہ شے تو کھو نہیں ہو سکتی۔ جیسا دنیا دار سمجھا کرتے ہیں۔ یعنی خاندان میں ہمسری، اب جو کنو پانی جائے گی۔ وہ مذہب اسلام ہے۔ یہ اسلام ہی کی فیاضی ہے جس کی طفیل حسن بصری، نافع، عکرمہ، ابن سیرین جیسے لوگ جن کی امہات کو لوگ لونڈی کہتے تھے۔ دین کے امام تسلیم کئے گئے۔ البککین، سبککین، قطب الدین ابیک، شمس الدین التمش جیسے غلام صاحب تاج و تخت بنے۔ مصر کا خاندان مملوکان، ہندوستان کا خاندان غلاماں کے یاد نہیں۔ پس عیسائیوں کے اعتراضات دراصل یہودیوں یا عیسائیوں یا آریائیوں کی قدیم غلامی پر واقع ہوتے ہیں۔ اسلامی احکام غلامی پر ان اعتراضات کو ذرا لگاؤ نہیں۔

کہ عزیز مصر کی عورت کی جوانی دھل چکی تھی کیونکہ اتحاد و ولد کا خیال عموماً شادی سے دس بارہ سال بعد پیدا ہوا کرتا ہے۔ جب کہ جانبین کو اپنے ہاں اولاد کی امید نہیں رہتی۔
رسم متبیت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اولاد کی کمی کے نقص کو دور کر لیتے ہیں مگر یہ غلط فہمی ہے۔

متبیت، قدرت کے ساتھ گستاخی

اول: تو متبیت قدرت ربانیہ کے مقابلہ میں ایک گستاخانہ فعل ہے یعنی جو شخص کسی دوسرے کا بیٹا لے کر اسے اپنا بناتا ہے۔ وہ قدرت ربانی کو منہ چڑھاتا ہے کہ دیکھ، اگر تو نے مجھے بیٹا نہیں دیا تو کیا ہوا، میں نے تو بیٹا لے ہی لیا۔

تبیت کا کڑوا پھل

دوم: متبنی گری کے شروع میں تبیت کرنے والوں کے خیالات خواہ کیسے ہی صاف اور مستحکم ہوں، لیکن جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے ان جھوٹ کے والدین اور فرزند میں نفاق و شقاق میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ وہ رسم جو ایک دن خوشی خوشی منائی گئی تھی۔ بالآخر وہ نہایت کڑوا پھل ثابت ہوتی ہے۔ وہ کڑوا پھل جو حلق میں جا کر اٹک جاتا ہے نہ نیچے نگلا جائے نہ باہر تھوکا جائے۔

عورت کی بدنیتی، اصل و نقل کا فرق

خود اسی واقعہ کو دیکھو کہ عزیز اور اس کی عورت حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت یہ بات چیت کرتے ہیں کہ ”ہم اسے بیٹا بنالیں گے“ لیکن چند سال کے بعد جب حضرت یوسف علیہ السلام کی جوانی بھر جاتی ہے تو کیا ہوتا ہے کہ وہی عورت یوسف صدیق علیہ السلام پر مرنے لگتی ہے۔ اصلیت یا بناوٹ میں یہی تو فرق ہوتا ہے۔ دیکھو حقیقی ماں اپنے پیٹ کے بچے پر کیونکر ناپاک تعشق کر سکتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اور تبیت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت میں بھی ایسی ہی مثال ہے۔ فرعون کی بیوی نے

بھی فرعون سے انہی الفاظ میں (جو عزیز مصر کے الفاظ اپنی عورت سے ہیں) کہا تھا:
﴿عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا﴾ [۲۸/ القصص: ۹] مگر نتیجہ یہ تھا کہ وہی بچہ موسیٰ علیہ السلام
ان کو غرق و ہلاک و تباہ کرنے کا سبب ٹھہرایا گیا۔ پس تنبیت خواہ عورت کے انتخاب پر ہوئی
ہو یا مرد کی رائے پر، نتیجہ یکساں ہے۔

کافروں کی رسم

تنبیت کرنے والوں کو آخر میں سخت مایوسی و محرومی دیکھنی پڑتی ہے۔ یاد رکھو کہ تنبیت
کافروں کی رسم ہے اور شرع میں حرام ہے۔



یوسف علیہ السلام کے مصر پہنچنے کا راز

﴿وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ
الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَعْلَمُونَ ۝﴾ [یوسف: ۲۱]

”اور یوں ہم نے یوسف علیہ السلام کو ملک مصر میں مکنت دی اور اس لیے بھی
کہ ہم اسے احادیث کی تاویل سکھلائیں اور خدا تو اپنے کام پر غالب ہے
مگر بہت لوگ ہیں جو اسے نہیں سمجھتے۔“

كَذَلِكَ: کا ارشاد سابقہ واقعات پر ہے۔ یعنی بھائیوں کے ہاتھوں قتل سے بچایا، قافلہ کو
اُن کی محبت نہ دی اور اُن کے ذریعہ اُن کو مصر پہنچایا اور مصر پہنچانے کے بعد صاحب خانہ کے
دل میں اُن کی توقیر ڈال دی۔

مَكَّنَّا: مَكَّنَ الشَّيْءُ قُوًى وَمَضُوبٌ بِنَايَا، مَكْنَتٌ، قُوْتٌ، مَقْدَرَتٌ، طَاقَتٌ، مَكْنٌ،
پرندے کا انڈے جمع کرنا۔ حدیث پاک میں ہے: ((أَقْرِؤْا الطَّيْرَ عَلَى مَكْنَاتِهَا))
”پرندوں کو انڈوں پر سے مت اٹھاؤ“

خلافت راشدہ اور تمکین

اللہ تعالیٰ نے خلافت راشدہ کی صفت و شناخت میں فرمایا:

﴿وَلِيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمْ﴾ [النور: ۵۵]

”ان کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے پسند کردہ دین کو قوت، طاقت اور جامعیت
دے گا۔“

یوسف علیہ السلام کو گھر کا مختار بنایا

بائبل ۴۰/۶، ۵ پ سے واضح ہے کہ فوطیفار نے یوسف علیہ السلام کو اپنے تمام گھر اور
جائداد کا مختار مطلق کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی وجہ سے اس کے ہر ایک کام میں برکت
محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بخشی تھی۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ چاہ میں گرایا جانا، خرید و فروخت، یہ تو سب ظاہری اسباب تھے۔ تقدیر الہی یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام کے لیے مصر میں قوت و غلبہ حاصل ہو۔ اُن کے لیے تاویل احادیث کے زریں مواقع مہیا کئے جائیں۔ اس کے لیے تدابیر بظاہر ایسی بنائی گئیں۔

اللہ تعالیٰ کے عجیب کام

یاد رکھنے کا سبق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عجیب کام ہیں اور وہ اپنی تدابیر پر خوب غالب ہے۔ لوگ جو قدرت اور حکمت الہیہ سے واقف نہیں۔ جن کی نگاہ اسباب و تدابیر انسانی کے دائرہ کے اندر اندر محدود ہے۔ وہ ایسی حکمتوں کو نہیں پاسکتے۔

ہدایتش بسوئے ساحراں نمائد رُخ عصا نمود بدست کلیم ثعبانی
بشاہ خواب نماید کہ یوسف صدیق عزیز مصر شود مشہر نہ زندانی ❀
﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ [یوسف: ۲۲]

”جب وہ اپنی پوری طاقت کو پہنچ گیا۔ تب ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم اسی طرح احسان کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔“
اَشُدُّہ: شدت کے معنی قوت ہیں اور ﴿بَلَغَ أَشُدَّهُ﴾ سے مراد جوانی لی جاتی ہے۔
یعنی وہ عمر جب نشوونما کا کمال ہو جائے۔

یوسف علیہ السلام کی جوانی کے متعلق چند اقوال

مفسرین کے اقوال اس بارے میں مختلف ہیں کہ یوسف علیہ السلام اپنی عمر کے کس سن و سال میں جوانی کی پوری طاقت کو پہنچ گئے تھے۔ سعید بن جبیرؒ نے ۱۸ سال، ضحاک نے ۲۰ سال، عکرمہ نے ۲۵ سال، سعدی نے ۳۰ سال، مجاہد و قتادہ نے ۳۳ سال، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ۳۵ سال۔ حسن بصریؒ نے ۴۰ سال بیان کئے ہیں۔ سعید بن جبیر و ضحاک کے اقوال

❀ کلیم کے ہاتھ میں عصا تھا وہ ثعبان اور سانپ ہو گیا۔ جادو گروں کو اس سے ہدایت کا رخ دکھایا، بادشاہ کو اللہ تعالیٰ خواب دکھاتا ہے کہ یوسف صدیق عزیز مصر ہو جائیں اور قید سے رہائی پالیں۔

اس لیے رائج ہیں کہ یوسف علیہ السلام کا قیام اس عورت کے گھر میں ۲۳ سال کی عمر تک رہا تھا۔ اور اس کی داستان کا آغاز حضور کی جوانی کے بعد کا ہے۔ اگرچہ نبوت کے لیے ۴۰ سال کی عمر زیادہ موزوں و مناسب ہے۔

اسلام میں بلوغ کو تعداد سال کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا

یہ بحث تو یوسف صدیق کے سن و سال جوانی اور اس کے بعد عطاء نبوت کے متعلق تھی، لیکن ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بلوغ مرد و زن کی بابت کسی سنہ یا سال کی تعیین کسی روایت صحیحہ میں نہیں پائی جاتی اور فی الحقیقت اُس دین کے لیے جو جملہ طبقات عالم اور ہر ایک براعظم کے لیے ہو، سال کا تعین کرنا مناسب ہی نہ تھا۔ روس کے شمال میں مردہ ۳۰ سال کی عمر میں بالغ ہوتا ہے۔ جب کہ سوڈان میں ۱۲ سال کے مرد کا صاحب اولاد بن جانا مستبعد نہیں۔ اسی لیے علماء فقہ نے حُلُم وغیرہ کو علامت بلوغ قرار دیا ہے۔

اَتَيْنَاهُ: اعطاء و ایتا دونوں کے معنی ”دینے“ کے ہیں۔ مگر استعمال میں یہ فرق ہے کہ اعطاء کسی مادی اور مجسم شے کے دینے پر بولا جاتا ہے اور ایتا کا غیر مادی و غیر جسمانی شے پر اطلاق ہوتا ہے۔ ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝﴾ [۱۰۸/الکوثر: ۱] اور ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ۝﴾ [۱۵/الحجر: ۸۷] پر غور کرو۔ کوثر جسمانی شے ہے اور سبع مثنیٰ غیر جسمانی شے۔ آیت زیر تفسیر میں چونکہ حکم اور علم دیئے جانے کا ذکر تھا۔ اس لیے اسے ایتا کے ساتھ بیان فرمایا۔

مُحْسِنِينَ احسان سے ہے۔ احسان کے معنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو یہ بتلائے تھے:

((أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ)) *

”اللہ کی عبادت اس طرح کرنا گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے دیکھ نہیں رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔“

یہ تو شرعی معنی ہوئے۔ لغوی معنی نیکی کرنا، سلوک کرنا ہیں، یوسف صدیق علیہ السلام ہر دو معانی کے اعتبار سے محسن تھے۔

بخاری: کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۵۰۔ مسلم: کتاب الایمان، باب بیان الایمان والا سلام والا حسان، رقم: ۹۳۔ ابوداؤد: کتاب السنہ، باب فی القدر، رقم: ۴۶۹۵۔ ابن ماجہ: ابواب السنہ، باب فی الایمان، رقم: ۶۳۔

امراۃ العزیز کا ہیجان۔ یوسف صدیق کا کمال عصمت

﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْت لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنَّ رَأٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ﴾ [یوسف: ۲۳-۲۴]

”اور اس عورت نے جس کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتا تھا۔ اس کو بار بار پھلایا اور سب دروازوں کو اچھی طرح بند کر کے بولی: آؤ! اپنا کام کرو۔ یوسف علیہ السلام نے کہا: پناہ، بخدا! میرے رب نے تو میرا مقام پاک بنایا ہے اور ظلم کرنے والے تو کبھی فلاح نہیں پاتے۔ عورت اپنی بات پر رہی اور یوسف اپنے جوابات پر رہا۔ اگر یوسف علیہ السلام نے برہان رب کو نہ دیکھا ہوتا (تو کچھ کا کچھ ہو جاتا) ایسا ہی ہوتا کہ ہم یوسف سے بدی کو اور بے حیائی کو دور ہی رکھیں۔ یوسف تو ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے۔“

رَاوَدَتْهُ. (رَاوَدَتْ رَوَدًا) طلب کرنا۔ رَاَدَتِ الْمَرْأَةُ رَوْدًا۔ ”عورت نے چکر لگائے“ رَاوَدَهُ ”اُس سے فریب کھلا۔“

رَاوَدَ عَنْ نَفْسِهِ: ”اس سے فعل منکر چاہا۔“

رَاوَدَتْ ”پھلاوٹ میں برابر لگے رہنا“ بائبل میں ہے کہ وہ عورت یوسف کو ہمیشہ ہم بستری کے لیے کہا کرتی تھی۔

الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا کہنے میں پہلی خوبی

الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا سے مراد وہی امراۃ العزیز ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے:

قَالَتْ امْرَأَةُ الْعَزِيزِ الثَّنِ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدْتُهُ [یوسف: ۵۱]

(۱) قرآن مجید نے یہاں عورت کا نام نہیں لیا۔ بلکہ عَلِمَ (امراۃ الغزیز) بھی ترک کر دیا اور اس طرز بیان سے اللہ تعالیٰ نے اس عورت پر بھی احسان فرمایا اور اس کی پردہ پوشی کی۔

یہ سبب ہے کہ اگر کسی شخص کے کسی فعل بد کا ذکر ضروری بھی ہو جائے، پھر بھی جہاں تک ممکن ہو کنایہ وغیرہ سے کام نکالے۔

(ب) اس طرز بیان سے اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام پر بھی احسان فرمایا۔

یوسف علیہ السلام پر احسان

کیونکہ ﴿الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا﴾ اس طرز بیان سے ثابت ہوا کہ یوسف علیہ السلام اس عورت کے تحت اقتدار و اختیار تھے اور سخت مشکل یہ تھی کہ ان کی رہائش عورت ہی کے گھر میں رکھی گئی تھی۔ ایسی حالت میں بچنا خاصا خدا ہی کا کام ہوتا ہے۔ اس جگہ حدیث ذیل کا درج کرنا موزوں ہے۔

سات قسم کے لوگ اللہ کے سایہ کے نیچے

صحیح بخاری کتاب الحارثین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ سات قسم کے لوگوں پر اس روز اللہ کا سایہ ہوگا جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا۔

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ إِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللَّهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتَّى يَعُودَ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللَّهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا أَنْفَقَتْ يَمِينُهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَلَيْهِ غَيَاةُ ۞

① امام عادل ② وہ جوان جس نے عبادت الہی میں پرورش پائی

بخاری، کتاب الاذان باب ابن جلس فی المسجد یظفر الصلاۃ رقم: ۶۶۰۔ مسلم کتاب الزکوۃ، باب فضل اخفاء

الصدقة، رقم: ۲۳۸۰۔ ترمذی، ابواب الہدایا باب فی الحب فی اللہ رقم: ۲۳۹۱۔ مسلم، کتاب الزکوۃ باب فضل اخفاء الصدقة۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہو۔ ③ وہ شخص جس کا دل مسجد سے نکلنے وقت مسجد ہی میں لگا رہتا ہے۔
 جب تک کہ پھر مسجد میں نہ پہنچے۔ ④ وہ دو شخص جن میں اللہ کے لیے محبت
 ہے۔ اسی پر مل کر بیٹھتے ہیں اور اسی محبت کو لیے ہوئے جدا ہوتے ہیں۔ ⑤
 وہ شخص جو صدقہ دے اور چھپائے حتیٰ کہ بایاں ہاتھ نہ جانے کہ داہنے ہاتھ
 نے کیا دیا۔ ⑥ وہ شخص جسے منصب اور جمال والی عورت اپنی جانب بلائے
 اور وہ کہہ دے کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ ⑦ وہ شخص جسے تنہائی میں خدا یاد
 آئے اور اس کی آنکھیں ڈبڈبا آتی ہوں۔“ ❁

عَلَّقْتُ: اس لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دروازوں کے بند کرنے کا کام عورت نے خود کیا تھا
 اور دروازے بند کرنے میں پوری احتیاط و اہتمام کیا تھا۔

الْأُوب: معلوم ہوتا ہے کہ عورت نے جس جگہ یوسف کو لے جا کر اُن سے چھیڑ
 چھا شروع کی تھی۔ وہ مکان در مکان بہت اندر تھا۔ عموماً فساق لوگ ارتکابِ فحش کے لیے
 ایسی ہی تجاویز کیا کرتے ہیں۔ کوئی رات کی اندھیاری، کوئی موسم گرما کی دوپہر، کوئی مکان کا
 اندرونی حصہ، کوئی بالا خانہ، کوئی پیچ در پیچ کوچہ کا انتہائی مکان، کوئی صحرا، کوئی پارک، کوئی
 ریسٹورنٹ وغیرہ وغیرہ مقام کو پسند کرتا ہے اور اپنے خیال میں سمجھ لیتا ہے کہ اب اُس نے
 اپنی سیہ کاری کے چھپانے کا پورا سامان کر لیا۔ لیکن بدبو پھوٹ پڑتی ہے اور اُن کی سیاہ
 درونی کا عکس ان کے احوال و اقوال و افعال پر ایسا پڑتا ہے کہ سب کو اُن کے شیطانی حالات
 کا علم ہو جاتا ہے۔

هَيْتَ لَكَ: صحیح بخاری کتاب التفسیر میں عکرمہ کا قول ہے کہ ﴿هَيْتَ لَكَ﴾ حورانی
 زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی هَلْمُ ہیں۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس کے معنی

❁ حدیث میں جو ہفت گانہ اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے پانچ صفات اس قصہ میں سے یوسف علیہ السلام
 پر صادق آتی ہیں۔ (۱) وہ عادل تھے کیونکہ انہوں نے زنا کو ظلم بتایا اور ظالمین کو فلاح سے محروم بتایا۔ (۲) وہ
 تنہائی میں خدا کو یاد کرنے والے تھے۔ معاذ اللہ انہوں نے ایسے ہی وقت کہا، جب کوئی نہ تھا۔ (۳) وہ جوانی
 میں عبادتِ الہی کرنے والے تھے۔ (۴) انہوں نے ایسی عورت کی بات کا انکار کیا۔ جو صاحبِ جمال و مال
 ہونے کے علاوہ صاحبِ اقتدار بھی تھی۔ (۵) انہوں نے غریب بھائیوں کو غلہ کی قیمت کا روپیہ واپس کر دیا اور
 کبھی نہ جتایا کہ یہ فعل ان کا تھا۔

تعال ہیں۔

مَعَاذَ اللَّهِ: یعنی میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ اس برے فعل سے وہی مجھے بچائے گا۔ معاذ مصدر ہے۔ اس کے ساتھ اس کے فعل کا استعمال نہیں ہوتا۔

اِنَّهٗ رَبِّیْ کی ضمیر

اِنَّهٗ رَبِّیْ۔ اِنَّهٗ کی ضمیر اللہ کی طرف ہے جو معاذ اللہ میں موجود ہے۔ بعض نے لکھ دیا کہ اِنَّهٗ رَبِّیْ سے مراد شوہر زن ہے، مگر اس کا تو کوئی ذکر پہلے سے موجود نہیں۔ مجاہد اور سدی اور ابن اسحقؒ کا قول ہے کہ یہ بات بالکل بعید از فہم ہے کہ اللہ کا نبی یوسف صدیق علیہ السلام ایک دنیاوی افسر کو (جو فی الواقع اُن کا آقا بھی نہ تھا۔ کیونکہ یوسف صدیق علیہ السلام حقیقۃً غلام بھی نہ تھے) لفظ ربی کہہ کر یاد کریں۔ (فتح البیان، ج ۵، ص ۲۰) خواہ اس زمانہ کے لوگ اپنے آقاؤں کو ربی کہہ کر بلاتے بھی ہوں۔ پس صحیح یہی ہے کہ اِنَّهٗ کی ضمیر اللہ کی طرف ہے۔ یا اسے ضمیر شان کہہ سکتے ہیں۔
مَثْوًی: مقام (صحیح بخاری: کتاب النفر)

زانی ظالم ہے

الظَّالِمُونَ: یوسف صدیق علیہ السلام نے اس جگہ زانی کو ظالم بتلایا ہے۔ وجوہات پر غور کرو۔
الف: زنا ظلم بر خود بھی ہے۔

زنا ظلم بر خود ہے

زانی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ کیونکہ زنا سے اخلاق، روپیہ اور خون تباہ و خراب اور فاسد ہو جاتے ہیں۔

پیدا ہونے والی نسل کا ذخیرہ ضائع جاتا ہے۔

زنا ظلم بر خاندان

ب: زنا اپنے خاندان پر بھی ظلم ہے کیونکہ جو شخص زنا کرتا ہے۔ وہ اپنے خاندان کے لیے

ایک نمونہ قائم کرتا ہے۔ وہ اپنے گھر تک ایک سڑک بناتا ہے جس سڑک سے زنا بآسانی اس گھر میں داخل ہو جائے گا۔ تجربہ اور مشاہدہ ایسی ہزاروں مثالیں ناظرین کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔

زنا ظلم بر زانیہ

ج: زنا زانیہ پر بھی ظلم ہے کیونکہ جب عورت ایک بار زنا میں آلودہ ہو جاتی ہے تو اس کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ پھر وہ وقاحت و بے حیائی میں روز افزوں بڑھتی جاتی ہے۔

زنا اقربائے زانیہ پر ظلم

و: زنا عورت کے اقربا پر بھی ظلم ہے کیونکہ سب کو ایسی ندامت دامن گیر ہوتی ہے جس کی کوفت اور صدمہ اُن کے دل پر ہمیشہ رہتا ہے۔

زنا شوہر عورت پر ظلم

ہ: زنا عورت کے شوہر پر بھی ظلم ہے، بننے والے شوہر پر اس لیے ظلم ہے کہ جس اعتماد پر اس نے شادی کی، اس میں دھوکا دیا گیا اور شوہر موجودہ پر اس لیے ظلم ہے کہ اس کے واحد حق میں مداخلت کی گئی، اس کی رسوائی کی گئی، اس کے مال کا وارث ایسے مولود کو بنایا گیا جسے استحقاق وراثت حاصل نہ تھا۔

زنا مولود پر ظلم

و: زنا پیدا ہونے والے بچہ پر بھی ظلم ہے کیونکہ یا تو ایسے بچہ کو ضائع کیا جاتا ہے یا اس کی تربیت صحیح نہیں ہوتی۔

اور یہ تو لازمی ہے کہ اس کی زندگی کو ہمیشہ کے لیے تنگ و عار کی زندگی بنایا جاتا ہے۔

زنا ملک و قوم پر ظلم

ز: زنا ملک اور قوم پر بھی ظلم ہے، نسلیں محفوظ نہیں رہتی ہیں۔ وہ اوصاف و خصائل جو خصوصیات خاندان ہوتے ہیں، نیز صحت عامہ تباہ ہو جاتی ہے، اوصاف قومی گم ہو جاتے

ہیں۔ زنا کے جرائم گنہگار والدین سے ان کی آئندہ اولاد میں منتقل ہوتے رہتے ہیں اور ان سب امور کا دائمی نقصان قوم کو اور پھر ملک تک کو اٹھانا پڑتا ہے۔

غور کرو کہ ایک لفظ ظالم کی تحت میں یوسف علیہ السلام نے زنا کی ان تمام برائیوں کو کیسی خوبی سے بیان فرما دیا ہے۔

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا﴾ اوحدی جیسے شخص ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے اس آیت کے تحت میں ایسی باتیں لکھ دی ہیں جو عقل و شرع اور اصول قرآن مجید سے بالکل مخالف ہیں۔ اُن کا ذکر کرنا بھی جائز نہیں۔

بے سرو پا روایتیں

پھر بعض لوگوں نے ان باتوں کے عمل و فعل میں نہ آنے کی وجہ کی بابت لکھ دیا کہ یوسف علیہ السلام کے سامنے فلاں فلاں امور منجانب قدرت ظاہر ہوئے تھے۔ یہ سب باتیں بالکل بے سرو پا اور واہی ہیں۔

راویوں میں باہمی تضاد

محدثانہ اصول کے مطابق اُن کی صحت کبھی بھی تسلیم نہیں کی گئی اور اُن میں اس قدر تضاد و تناقض باہمی موجود ہے کہ اُن کی تطبیق بھی نہیں ہو سکتی۔

اگر ان روایات کی بطلان کا ظاہر کرنا ضروری نہ ہوتا تو ہم اُن کا ذکر اتنا بھی نہ کرتے۔ تنقید سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سب روایات ابن کعب قرظی تک پہنچتی ہیں۔ اور وہ ایک غیر معتبر شخص ہے۔

خیر اب تفسیر کی طرف آئیے۔

علامہ ابن حزم کی تفسیر

علامہ ابن حزم (المتوفی ۴۵۷ھ) نے ”کتاب الفصل“ جلد چہارم ص ۱۱ پر تحریر کیا ہے کہ ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ﴾ پر جملہ ختم ہو جاتا ہے اور دوسرا جملہ ﴿وَهَمَّ بِهَا﴾ لَوْ لَا اَنْ رَّا بُرْهَانَ رَبِّهٖ ہے۔ [۱۲/یوسف: ۲۴]

امام رازیؒ کی تفسیر

فخر رازیؒ نے بھی تفسیر کبیر میں زیادہ تر اسی معنی کی تائید کی ہے، پس آیت کا ترجمہ یہ ہوا۔ ”عورت نے اس کا قصد کر ہی لیا تھا۔ وہ بھی قصد کر لیتا، اگر برہان کو نہ دیکھ پاتا۔“

ابوحاتمؒ اور ابو عبیدہؒ کی روایت

ابوحاتمؒ کہتے ہیں کہ غریب القرآن کی تعلیم کے وقت اُن کو علامہ ابو عبیدہؒ نے یہی معنی بتلائے تھے۔

قاضی بیضاویؒ کے اعتراض کا جواب ”از امام رازیؒ“

قاضی بیضاوی لکھتے ہیں کہ لَوْلَا کی شرط پہلے نہیں آتی۔ لیکن فخر رازیؒ نے اس کی صحت کا ثبوت قرآن مجید سے پیش کر دیا ہے:

﴿وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَرِغًا ۚ إِن كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا﴾ [۲۸/ القصص: ۱۰]

اس آیت میں ﴿كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ﴾ [۲۸/ القصص: ۱۰] کی شرط بعد میں واقع ہوئی ہے۔ یہ معنی عمدہ اور صحیح ہیں اور یوسف صدیق کی شان عالی کے موافق ہیں۔

ایک اور معنی

اگر اب بھی ﴿لَوْلَا أَن رَأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ﴾ کے جملہ کو علیحدہ رکھنا ہو۔

اور ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا﴾ کو علیحدہ۔ تب ایک اور معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ میرے فہم کے موافق ہے اور اگر یہ غلط ہیں تو مجھے بھی اس کے غلط ہونے کا اقرار کرنے میں ذرا تامل نہ ہوگا۔ نعوذ باللہ کہ تفسیر بالرائی کی حمایت کی جائے۔

بہ اور بہا کے مرجع ضمائر

واضح ہو کہ جس قدر معانی بیان کئے گئے ہیں اُن میں ﴿هَمَّتْ بِهِ﴾ میں بہ کا مرجع یوسف علیہ السلام کو اور ﴿هَمَّ بِهَا﴾ میں بہا کا مرجع اس عورت کو بتلایا گیا ہے لیکن ہر دو ضمائر

کے لیے قریب تر مرجع اور بھی مل سکتے ہیں اور علم فصاحت و بلاغت کی رو سے ضمار کا قریب تر مرجع کی جانب لے جانا زیادہ صحیح اور زیادہ موزوں سمجھا جاتا ہے۔ اس اصول کے مطابق ﴿هَمَّتْ بِهِ﴾ میں ضمیر بہہ کا مرجع عورت کا قول هَيْتْ لک ہے اور هَمَّ بِهَا میں ضمیر بہہ کا مرجع یوسف علیہ السلام کے اقوال سہ گانہ ہیں اور وہ اقوال یہ ہیں۔ (۱) مَعَاذَ اللَّهِ (۲) اِنَّ رَبِّيْ اَحْسَنَ مِّنْوَايَ (۳) اِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُوْنَ۔

هَمَّ اور عزم کے معنی

لفظ هَمَّ کے معنی لغوی، صاحب کشاف نے قصد اور عزم لکھے ہیں اور عزم کے معنی اشد اور طلب ہیں۔ احمد بن یحییٰ ثعلب نے جو لغت ونحو کے مشہور امام ہیں۔ هَمَّتْ کے معنی اسی لیے وَكَانَتْ مُصِرَّةً۔ ”عورت اپنی بات پر اصرار کرتی رہی“ بتلائے ہیں، اب آیت کا ترجمہ یہ ہوا۔

”وہ عورت اپنی بات پر اصرار کرتی رہی اور یوسف علیہ السلام اپنے جوابات پر اصرار کرتے رہے۔“

یہ معنی بالکل صاف ہیں اور ایک دل باختہ عورت اور ایک تقویٰ پرور نبی اللہ کی شان رفیع پر بھی بالکل چسپاں ہیں۔

ضمیر کا جملہ کی جانب ہونا

ضمیر کا مرجع کسی قول یا جملہ کو ٹھہرانا کثرت سے متداول ہے۔ دیکھو اسی سورہ میں آتا ہے: ﴿اِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهِ مِنْ قَبْلُ فَاسْرِهَا يُوسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يَبْدِهَا لَهُمْ﴾ [یوسف: ۷۷]

نظم قرآنی پر غور و تدبر

معنی ہذا کی توثیق اس وقت ہو جاتی ہے۔ جب نظم قرآنی پر تدبر و تفکر کیا جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ آیت ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا﴾ [یوسف: ۲۳] بعد میں واقع ہوئی ہے اور اس سے پیشتر آیات ﴿قَالَتْ هَيْتْ لَكَ قَالِ مَعَاذَ اللَّهِ اِنَّ رَبِّيْ اَحْسَنُ

مَثَوَاۤیْ ؕ اِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۲﴾ یوسف: ۲۳ آچکی ہیں۔ اس ترتیب کلام پر غور کرنے سے یہ واضح ہو جائے گا کہ هَمَّتْ کے معنی عورت کا صرف ارادہ اور خواہش دلی ہی نہیں کیونکہ اس عورت کے تو بہت سے افعال (جو خواہش اور ارادہ سے افزوں تر ہیں) (۱) ﴿وَزَاوَدَتْهُ﴾ (۲) ﴿وَعَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ﴾ (۳) اور قول ﴿هَيْتَ لَكَ﴾ کی تحت میں نمایاں آشکار ہو چکے۔ ایسے اور اس قدر افعال کے صدور کے بعد اب هَمَّتْ مذکورہ کو صرف بمعنی خواہش و ارادہ لانے کا کون سا محل باقی تھا۔ علیٰ ہذا صدیق علیہ السلام کے حق میں بھی ”هَمَّ“ بمعنی خواہش و ارادہ یا میلان طبعی اس لیے نہیں ہو سکتے کہ وہ تو نہایت مکمل و عظیم زنا کی برائی اور عظمت الہی پر فرما چکے ہیں اور خود کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں لے جا چکے ہیں۔

ہاں اگر آیت یوں ہوتی کہ ﴿وَعَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَهَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ﴾ تب یہ معنی جو عام طور پر بیان کئے جاتے ہیں زیادہ چسپاں ہو سکتے۔ غور کرو کہ عورت تو خواہش کا اظہار بھی کر چکی اور نبی اللہ اسے رد بھی فرما چکے اب عورت کے ارادہ کے ذکر کا کون سا محل رہ گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مقام پر نظم قرآنی پر پورا تدبر کرنا نہایت ضروری ہے۔

نظم قرآنی و لغت عربی اور شان نبوت کے لائق ترجمہ موجود ہے کہ عورت اپنے قول پر اڑی رہی اور یوسف علیہ السلام اپنے اقوال پر قائم رہے۔

﴿لَوْ لَا اَنْ رَّآیْ بُرْهَانَ رَبِّهِ﴾ ”اگر وہ اپنے رب کی برہان کو نہ دیکھ لیتا۔“

بُرْهَان دلیل و حجت۔ اس کا اطلاق مادی و غیر مادی ہر دو اقسام پر آیا ہے۔ قرآن مجید میں عصائے موسیٰ و ید موسیٰ دونوں کو برہان فرمایا گیا ہے اور حدیث میں ہے: ﴿الْصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ﴾ ﴿﴾ جب فقرہ لَوْ لَا اَنْ سے شروع ہوتا ہے تو اس کا جواب محذوف ہے اور یہ بلاغت کلام ہے کہ جواب کو محذوف رکھا کیونکہ اس کا وجود کوئی نہ تھا۔

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر بھی لَوْ لَا کا جواب محذوف ہونا مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝﴾ [النور: ۱۹-۲۰]

”کہ جو لوگ ایمان والوں میں گندی باتوں کی اشاعت پسند کرتے ہیں۔ اُن کے لیے دنیا و آخرت میں عذاب ہے۔ اللہ اُن کو جانتا ہے۔ تم نہیں جانتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی۔ تب..... اور اللہ تو رؤف و رحیم ہے۔“ دیکھو یہاں خبر محذوف سے جواب مکمل بنے گا۔

برہان کے متعلق کعب قرظی کی روایات کا واہی ہونا

واضح ہو کہ برہان رب کی تفسیر میں ابن کعب قرظی کی روایات میں جتنی باتیں بتائی گئی ہیں۔ صورت یعقوب ؑ یا صورت جبریل ؑ یا کوئی اور ندایا آیات قرآنیہ میں سے کسی آیت کا دیوار پر یا چھت پر لکھا جانا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب روایات اصول محدثانہ کے اعتبار سے واہی اور بے بنیاد ہیں۔

ابن حزم اور معنی برہان

اور صحیح قول امام ابن حزمؒ کا ہے کہ برہان رب سے مراد نبوت ہے۔

میرے فہم میں یوسف ؑ کے گزشتہ وعظ کو بھی جو زنا کی برائی پر انہوں نے فرمایا، برہان رب کہہ سکتے ہیں، کیونکہ انبیاء کی تعلیم و تلقین منجانب اللہ ہوتی ہے۔ سیدنا ابراہیم ؑ کے وعظ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَبَلَّغْ حُجَّتَنَا آتِنَاهَا إِبْرَاهِيمَ﴾ [الانعام: ۸۳]

”یہ ہمارے دلائل تھے جو ہم نے ابراہیم ؑ کو دیے تھے۔“

اب مطلب آیت ﴿لَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ﴾ کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سمجھایا ہے کہ موقعہ کی نزاکت، عورت کی درخواست جو صاحب مال و جمال تھی۔ اس درخواست پر

اصرار اور تحکم، یوسف علیہ السلام کی محکومی، بھرپور جوانی، شادی شدہ نہ ہونا، بے وطن ہونا۔ یہ ایسے حالات جمع ہو گئے تھے، جن پر غالب آنا کسی معمولی مرد کا کام نہ تھا۔ وہ فضل الہی جو شامل حال انبیاء علیہم السلام ہوتا ہے، وہ عصمت نبوت جو ارادہ کبار کو دل میں جانشین ہونے نہیں دیتی ہے اپنا کام کر گئی اور خدا کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر ایک مرحلہ سے پاک و صاف نکل گیا کیونکہ برہان رب ان کی راہنما تھی۔

سوء و فحشاء کا فرق

سُوءٌ . سَاءَ يَسُوءُ سُوءً سے اسم ہے۔ برا کام، بری عادت، آفت، عیب وغیرہ۔
عبادِنا: ہمارے بندے، یہ اللہ تعالیٰ کا بہت پیارا لفظ ہے۔ عزت بخشی کے موقع پر اللہ تعالیٰ اسی لقب سے اپنے برگزیدہ خاص بندوں کو یاد فرمایا کرتا ہے۔ سیدنا و مولانا محمد النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیعہ کا خیال کرو اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات عالیہ میں سے معراج کو یاد کرو۔ جس پر یہ مصرعہ نہایت صداقت سے صادق آتا ہے۔ ”بمقامے کہ رسیدی نرسد بچ نبی“ ﴿ ذکر معراج میں یہ الفاظ ہیں ﴿ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ ﴾ [۱۷/الاسراء: ۱] ”پاک ہے وہ مالک جس نے شبشب اپنے بندہ کو سیر کرائی“ دیکھو یہاں سب سے بہترین مقام کے بیان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ عبد سے یاد و ممتاز فرمایا ہے:

تو عبد خواندہ شدی و رموز دان دانست کہ برترست عبودیت از سلیمانی ﴿
آیت زیر تفسیر میں یوسف صدیق علیہ السلام کو بھی اسی معزز اور پیارے خطاب سے یاد فرمایا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس ہفت خوان نفسانی پر فتح پانے میں جو امور جلیل انہوں نے کئے تھے، وہ اللہ تعالیٰ کی کمال خوشنودی کا موجب ہوئے۔

مُخْلِصِينَ اخلاص سے ہے۔ خَلَصَ لغت میں کسی چیز کو دوسری چیز کی آمیزش سے پاک صاف کرنے کو کہتے ہیں۔

اصطلاح شرعیہ میں دل کو غیر اللہ سے خالی کرنے کا نام اخلاص ہے۔

﴿ جس مقام پر پہنچا ہے اس پر کوئی نمی نہیں پہنچا۔ ﴿ تجھے عبد کیا گیا ہے اور اشارات سمجھنے والا یہ سمجھ گیا کہ سلیمانی (بادشاہت) سے عبودیت (بندگی) بلند تر ہے۔

صدق و اخلاص میں فرق

یاد رہے کہ اخلاص کے قریب صدق بھی ہے، مگر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اخلاص مطلوب کا عدم انقسام ہے یعنی مطلوب واحد ہو۔ صدق، طلب کا عدم انقسام ہے، یعنی طلب واحد ہو۔

صدق و اخلاص میں ترتیب

صدق کے درجہ پر انسان بعد از اخلاص فائز ہوتا ہے لیکن اخلاص کے بغیر صدق حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔

قرآن مجید میں اخلاص کی تاکید

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اخلاص کی نہایت تاکید فرمائی ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ﴾

”ہم نے کتاب کو تجھ پر راستی کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ پس تو اللہ کی

عبادت اخلاص کے ساتھ بالکل اسی کا بن کر ادا کیا کر۔“ [الزمر: ۳۰]

فرمایا: ﴿أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ﴾ [الزمر: ۳۰] یاد رکھو یہ خدا ہی کی شان ہے کہ

دین اسی کے لیے ہو۔

خواجہ فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا: احسن عمل وہ ہے جو اخلاص و اصوب ہو۔ فرمایا: اگر

عمل خالص تو ہوا مگر اصوب نہ ہوا، تب بھی قبول نہ ہوگا۔

اگر اصوب ہوا اور خالص نہ ہوا، تب بھی قبول نہ ہوگا۔

پھر بتلایا کہ خالص کے معنی یہ ہیں کہ صرف اللہ کے لیے ہو اور اصوب کے معنی یہ ہیں

کہ سنت نبویہ علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے مطابق ہو۔

اخلاص پر حدیث قدسی

حدیث قدسی میں ہے (یہ حدیث سند کے لحاظ سے بھی صحیح ہے)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

((أَنَا أَعْنِي الشِّرْكَاءَ عَنِ الشِّرْكَ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ
مَنْ غَيْرِي فَهُوَ لِلَّذِي أَشْرَكَ بِهِ)) ❁

”میں ہر ایک سا جی بن کر کام کرنے والوں کے اندر سب سے زیادہ شرک
اور سا جی اپنے سے الگ ہوں۔ اگر کسی شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں
اس نے میرے سوا اور کوئی بھی شامل کیا تو وہ عمل اس غیر کیلئے سمجھا جائے گا۔“

الغرض جب عمل کو مخلوق کے دکھانے سنانے سے پاک رکھا جائے اور طاقت و
عبادت میں صرف ذات سبحانی ہی مقصود ہو۔ تب اس کا نام اخلاص ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر
مسلمان کو توفیق اخلاص عطا فرمائے۔

یوسف علیہ السلام کے متعلق جب یہ معلوم ہو گیا کہ وہ کامل الاخلاص تھے۔ تو یہ بھی معلوم
ہو گیا کہ امراۃ العزیز کے واقعہ میں اُن سے کوئی بھی ایسی حرکت صادر نہیں ہوئی۔ جو اُن کے
منصب عالیہ کے ذرا بھی خلاف ہو۔

قصہ کے ضمن میں مخلص کہنے کی بلاغت اور حسن و لیل

بلاغت قرآنیہ پر تدر کر کے لیے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح ایک مکان میں
دو جوان مرد و زن کے جمع ہونے کے بعد کے واقعات دوسروں کے لیے بالکل محجوب و مستور
ہوتے ہیں۔ اسی طرح اخلاص کا معاملہ ہے۔ دونوں حالتوں کی اصلیت عالم الغیب ہی پر
آشکار ہوتی ہے۔ واقعہ کا خاتمہ ”مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ“ کے الفاظ پر فرما دینے سے
اللہ تعالیٰ نے صدیق کی بے گناہی و بے لوثی کو بہترین دلائل سے واضح فرما دیا۔ اس معاملہ
میں بھی ان کی بریت فرمائی اور ان کے دلی اخلاص منزل کی بھی صفت فرمادی:

﴿وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصُهُ مِنْ دُبُرٍ ۖ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا
الْبَابِ ۖ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ
عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [یوسف: ۲۵]

”وہ دونوں دروازہ کو لپکے عورت نے یوسف علیہ السلام کے پیچھے سے اُن کا

❁ مسلم: کتاب الزہد، باب تحریم الریاء، رقم ۷۴۷۔ ابن ماجہ: ابواب الزہد، باب الریاء والسمعة، رقم ۴۲۰۲۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کرتے چاک کر دیا پھر دونوں نے عورت کے خاوند کو دروازہ کے پاس ہی دیکھ پایا۔ عورت بولی! جو شخص تیری بیوی سے بدکاری کا ارادہ کرے۔ اس کی کیا سزا؟ یا تو اسے قید کیا جانا چاہیے یا دردناک عذاب ملنا چاہیے۔“

اِسْتَبْقَا: دو شخصوں کا ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی نیت سے دوڑنا۔ یوسف علیہ السلام اس لیے دوڑے کہ اپنا ایمان بچائیں، عورت اس لیے دوڑی کہ پھر اُن کو اپنی ڈھب پر لانے کی سعی کرے۔

اَلْبَاب: پہلے ﴿عَلَقَتْ اَلْاَبْوَابَ﴾ فرمایا تھا۔ یہاں اَلْبَاب فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اس سے آخری دروازہ یعنی داخلہ مکان کا سب سے پہلا دروازہ مراد ہے۔

یوسف علیہ السلام کا تیزی سے دوڑنا

اگر ہم نظم قرآنی سے یہ سمجھیں کہ کرتے پھٹنے کا واقعہ اس آخری دروازہ کے متصل وقوع میں آیا تھا۔ تو اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کس تیزی سے بھاگے تھے۔ کیونکہ ان کو ہر دروازہ کھولنے میں بھی جو بڑی احتیاط سے عورت نے بند کئے تھے۔ خاصی دیر لگتی ہو گی باایں ہمہ وہ سب دروازوں کو طے کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ صرف آخری دروازہ کے متصل عورت اُن سے اس قدر قریب پہنچ گئی کہ ان کو تو نہ پکڑ سکی، بلکہ ان کی قیص عورت کے ہاتھ میں آئی۔

اَلْفَيَا: اَلْفَيَا الفاء (وَجَدَهُ) اس کو موجود پایا۔
قَدَّتْ: قَدَّتْ۔ کپڑے کا طول میں چاک ہونا۔

قَدُّ اور قَطُّ میں فرق لغوی

قَطُّ کپڑے کا عرض میں چاک ہونا۔

یہ لفظ بتلاتا ہے کہ عورت کا ہاتھ یوسف علیہ السلام کی گردن کے قریب پڑا تھا۔

یہ لفظ بتلاتا ہے کہ یوسف علیہ السلام پوری طاقت سے بھاگ رہے تھے کیونکہ اگر وہ

ایسے زور میں نہ ہوتے تو کپڑے کے تھام لیے جانے سے اُن کو بھی رک جانا پڑتا لیکن ادھر تو

یوسف صدیق علیہ السلام پورے زور سے آگے کو جا رہے تھے اور ادھر عقب سے عورت نے پورے زور سے اُن کے کپڑے کو پکڑ لیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قمیص گر بیان سے لے کر دامن تک چاک ہوتا چلا گیا مگر اللہ کا صدیق نہ رکا۔

سید کے معنی، کیا امراۃ العزیز پہلے لونڈی تھی؟

سَیِّدٌ: اصل میں سَیُّود تھا۔ مجھے شبہ گزرتا ہے کہ یہ امراۃ العزیز غالباً لونڈی تھی پھر اس سے شادی کر لی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اسے امراۃ العزیز پر بھی کہا گیا اور اس کے شوہر کو اُس کا سَیِّد بھی، لیکن لفظ زوج کا استعمال ان کے لیے نہیں کیا گیا اور یہی لفظ ہے جو زوجین کے تساوی و تشاکل کا ثبوت ہو سکتا تھا۔

لونڈی سے نکاح کا جواز

لونڈیوں سے نکاح کا جواز قرآن حکیم سے ثابت ہے، مگر صرف اس وقت جب کہ آزاد عورت نہ ملے اور مرد کو زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتْيَاكُمْ الْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَيْمَانِكُمْ ۖ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَانَّهُنَّ أَجُورُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسْفَحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ ۚ فَإِذَا أُحْصِنَ فَإِنَّ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۚ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾ [النساء: ۲۵]

”تم میں سے جسے مسلمان بیبیوں سے نکاح کا مقدور نہ ہو تو وہ نکاح ایسی مسلمان عورتوں میں سے کرے جو لڑائی میں ہاتھ آئی ہوں اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے (تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ ایسی عورتوں سے نکاح لونڈی والوں کی اجازت سے کر لو اور دستور کے مطابق اُن کو مہر بھی

دو۔ اُن کو نکاح کے ساتھ قبضہ میں لاؤ نہ زنا کا تعلق ہو اور نہ چوری چھپی سے ملنے کا، پھر نکاح کے بعد اگر اُن سے بے حیائی کا کام ثابت ہو تو لونڈی کی سزا آزاد عورت سے آدھی ہے۔ یہ اجازت تم میں سے اُن لوگوں کے لیے جن کو نکاح کے بغیر گناہ میں آلودہ ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ ورنہ اگر لونڈی کے نکاح سے رکے رہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ تو بخشنے والا رحم والا ہے۔“

آرَادَ: ارادہ کے معنی وہ اقتضائے طبعی ہے جو منجر بہ فعل اور مُلصِق بفعل ہو۔ اس لفظ کا استعمال مقصود فعل کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ ﴿مَاذَا آرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا﴾ [البقرة: ۲۶] ”اللہ نے اس مثال سے کیا ارادہ کیا ہے“

امراة العزیز نے اس لفظ کا استعمال کن معنی میں کیا

امراة العزیز نے اس لفظ کے تحت اُن افعال کو بھی شامل کر لیا ہے کہ اگر اُن افعال ارادی کے بالمقابل کوئی مانع نہ پایا جائے تو فعل مطلوبہ کا ارتکاب مکمل ہو جائے۔ عورت کے شوہر اور شاہد نے بھی یہی معنی سمجھے اور اسی لیے قیص کی حالت پر غور کیا گیا جیسا کہ آگے آئے گا۔

اگر ارادہ کے معنی نیت قلب لیے جائیں تو آیت کے معنی نہیں بن سکتے کیونکہ اس کی اطلاع تو خود اس عورت کو بھی نہ ہوتی۔

بَاهِلُکَ: اہل الرجل، بیوی، اہل البیت بیوی اور کنبہ کے دیگر اشخاص۔ عورت کی ہوشیاری دیکھو یہ نہیں کہتی کہ ”میرے ساتھ“ بلکہ کہتی ہے کہ ”تیرے اہل کے ساتھ“ تاکہ شوہر کا غصہ تیز ہو جائے اور وہ سمجھ جائے کہ عورت کی عزت تو دراصل شوہر کی عزت ہوتی ہے۔

عورت کا پلٹی کھانا واقعہ قابل نصیحت ہے

اس واقعہ کو پورے غور اور تدبر سے پڑھنا چاہیے۔ عورت کا یہاں تو وہ شوق وصال کہ خود دروازے بند کئے، خود اپنی زبان سے درخواست کی اور جب یوسف علیہ السلام بھاگ چلے، تو خود حویلی کے آخری دروازہ تک تعاقب کیا اور کہاں یہ پلٹی کہ شوہر کو دیکھا تو خود مستغیثہ بن گئی۔

اور خود ہی شوہر کو زندان یا تازیانہ کی سزا بھی سوجھادی۔ اس واقعہ میں ان فاسقوں کے لیے سخت عبرت ہے۔ جو پرانی (ریگانہ) عورت کی محبت یا وفاداری کے قائل ہوتے ہیں۔

فاسقوں کی لیے سبق عبرت

شاید لوگ بظاہر سمجھتے ہیں کہ امراۃ العزیز نے یہ بات اپنے حفظ آبرو کے لیے کہی تھی لیکن حقیقت اور ہے، اُس عورت کو یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی و عفت و معصومی و تقویٰ کا کامل یقین ہو چکا تھا اور یوسف علیہ السلام کی پاک طینت و طہارت فطرت نے اسے کہہ دیا تھا۔ بروایں دام بر مرغ و گرنہ کہ عنقارا بلند است آشیانہ * اس لیے ”عشق شہوانی مبدل بہ انتقام شیطانی“ ہو گیا اور شوہر کو تعذیب کی صورتیں بھی سمجھانے لگی۔ لہذا اب کسی مرد کو بھی کسی غیر عورت کی نسبت صداقت کا بھروسہ نہیں کرنا چاہیے اور کبھی خیال بھی نہیں کرنا چاہیے کہ ایسی لگاؤ کا مقصد اقتضائے خواہش کے سوا کچھ اور بھی ہوتا ہے، اگر ایسا ہو سکتا تو یوسف علیہ السلام جیسے پاک محبوب کے لیے یہ عورت کبھی منہ سے ایسے الفاظ نہیں نکال سکتی تھی۔

مرشد بن کنعان رضی اللہ عنہ اور مسماۃ عناق کا واقعہ

اس سے مشابہہ تر قصہ حضرت مرشد بن کنعان بن حصین الغنوی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت مدینہ طیبہ کی تھی۔ یہ قوی پہلوان تھے، مدینہ سے مکہ چھپ کر آیا کرتے اور اُن مسلمان قیدیوں کو جن کو کفار مکہ اسلام لانے کے جرم میں قید کر دیا کرتے تھے، زندان سے نکال کر لے جایا کرتے تھے۔ یہ ایک بار اسی ارادہ سے مکہ میں پہنچے ایک گھر کی دیوار کے سایہ میں رات کو چھپ کر کھڑے ہوئے تھے کہ اتنے میں عناق آ گئی۔ یہ ایک مشہور حیا باختہ عورت تھی اور مرشد کا اس سے قبل از اسلام میل جول بھی رہا تھا۔ عناق نے ان کو دیکھا اور پہچان لیا۔ بولی: مرشد! انہوں نے کہا: ہاں عناق! بولی: مرحبا و اہلاً سہلاً۔ چلو میرے گھر چلو، رات کو میرے پاس ہی سونا۔ مرشد نے کہا، نہیں عناق نہیں۔ اسلام میں زنا

* یہ جال کسی اور پرڈالو کیونکہ عنقاء کا آشیانہ دام سے بلند ہوتا ہے۔

حرام ہے۔ یہ سن کر عناق نے چلانا شروع کیا۔ لوگو! آؤ آؤ، دوڑو، دوڑو۔ وہ شخص کھڑا ہے، جو مسلمانوں کو تمہاری جیل سے نکال لے جایا کرتا ہے۔ یہ سنتے ہی آٹھ شخصوں نے مرشد رضی اللہ عنہ کا تعاقب کیا۔ انہوں نے مشکل سے ایک عارتک پہنچ کر اپنی جان بچائی۔ ذرا غور کرو! کہاں تو عناق کا مرحبا، اہلاً وسہلاً کہنا۔ اپنے گھر لے جانے کی درخواست کرنا اور کہاں یہ کہ جب سن لیا کہ یہ اب آلودہ نہ ہوگا۔ تو مرشد رضی اللہ عنہ کے گرفتار کرانے کے لیے خود شور ڈالنا، لوگوں کو بلانا۔

مرشد رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں نے مدینہ پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ عناق سے نکاح کر لوں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت نہ دی بلکہ میرے ہی سوال پر اس آیت کا نزول ہوا۔ ﴿

﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً﴾ ﴿۳۲﴾ [النور: ۳۲]

”زانی نکاح نہ کریں مگر زانیہ سے یا مشرک سے یا مشرک سے اور یہ مومنوں پر حرام کیا گیا ہے۔“



ترغی: ابواب تفسیر القرآن الکریم، باب ومن سورة النور رقم ۳۱۷۔

یہ روایت ترمذی اور نسائی و ابوداؤد میں بالفاظ متقارب موجود ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب باستدلال آیت ہذا یہی تھا کہ زانیہ سے نکاح جائز نہیں۔ بعض نے جواز نکاح زانیہ کی دلیل حدیث ان امراتی لا تمنع ید سے نکالی ہے۔ امام نسائی اس حدیث کو یس ثابت کہتے ہیں۔ اس آیت کے معنی میں دیگر اقوال واستدلال بھی ہیں۔ ہمارا مقصود چونکہ آیت بالا کی تفسیر نہیں۔ اس لیے بالاستیعاب بحث کی ضرورت نہیں۔ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

شوہر زن کے سامنے یوسف علیہ السلام کا بیان

عورت کے ایک قریبی رشتہ دار کی شہادت، یوسف علیہ السلام کے حق میں فیصلہ۔

﴿قَالَ هِيَ رَأَوْذَتْنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقْتُ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبْتُ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَى قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِ كُنَّ، إِنْ كَيْدٌ كُنَّ عَظِيمٌ ۝ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا سَكَنَ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ إِنَّكَ كُنتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ۝﴾ [یوسف: ۲۶-۲۹]

”یوسف علیہ السلام نے کہہ دیا کہ یہ عورت تو خود مجھے پھسلاتی رہی تھی اور عورت کے گھرانے کے ایک شاہد نے یہ بات کہی کہ اگر یوسف علیہ السلام کا کرتہ آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی اور وہ جھوٹا اور اگر یوسف علیہ السلام کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی اور یوسف علیہ السلام سچا۔ پھر جب عورت کے شوہر نے دیکھا کہ یوسف علیہ السلام کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو اس نے عورت کو کہا کہ یہ بات تو تیری تریا چلتر کی تھی اور تریا چلتر تو بڑے ہوتے ہیں۔ اے یوسف علیہ السلام اس بہتان کا خیال نہ کر۔ اے عورت! تو اپنے گناہ کی بخشش مانگ تو تو اُن میں سے ہے جو جان بوجھ کر خطا کیا کرتے ہیں۔“

شہادت کے معنی

شَهِدَ: شہادت کے معنی اظہار حقیقت ہیں۔ گواہ کی گواہی کو بھی اسی لیے شہادت کہتے ہیں۔ اور فی سبیل اللہ جان دینے والوں کی موت کو بھی اسی لیے شہادت کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ﴾ [آل عمران: ۱۸]

”یعنی اللہ کی، ملائکہ اور صاحبان علم کی شہادت یہی ہے کہ اللہ کے سوا اور کسی

کو بھی استحقاق الوہیت حاصل نہیں۔“

شہاد یوسف علیہ السلام کے شیر خوار ہونے کی روایت

شَهِدَ: مفسرین میں اس گواہ کے متعلق اختلاف ہے۔ معالم التنزیل کی ایک روایت میں ہے کہ یہ گواہ ایک طفل شیر خوار تھا، لیکن اس روایت کی سند صاحب صحیحین کی روایت کے بھی خلاف ہے، کیونکہ معالم کی اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ چار بچے ہمہ شیر خوارگی بولے۔ مگر صحیحین میں ان کی تعداد تین بتلائی گئی ہے اور ان تین میں اس شہاد یوسف کا ذکر نہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے ائمہ سلف کے اقوال بیان کئے ہیں۔

عکرمہ عن ابن عباس (کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والا شخص تھا)

ابن ابی ملیکہ عن ابن عباس وہ شہاد سب تھا۔ ہر دور روایات کو ابن جریرؒ نے بھی

بیان کیا ہے۔ (مطبوعہ مینہ مصر)

عونی وہ بچہ سوڑے کا بچہ تھا۔

سدی وابن اخطب وہ پورا آدمی تھا۔

ابن اسلم و سدی وہ عورت کا چچیرا بھائی تھا۔

جمع اقوال سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس شہاد کو بچہ بتلانے میں صرف عونی منفرد ہیں۔ اس لیے یہ روایت مرجوح ہے۔

شہاد یوسف علیہ السلام عورت کا حمایتی تھا، بار ثبوت الثنا

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ہوشیار شخص تھا اور اس نے جو طریق استدلال اختیار کیا، وہ صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ یہ شخص بالکل عورت کی حمایت میں تھا۔ اگر ہم عورت کے اس بیان کو قانون مروجہ حال کی تحت میں لائیں تو یہ ایک استغاثہ اقدام زنا بالجبر ۶/۳۷۱ کا تھا اور استغاثہ کی صداقت خود مستغیثہ کے بیان اور حالت سے ہونی چاہیے تھی۔ عورت کے لباس اور جسم کو دیکھا جاتا، نشانات تشدد کی تلاش کی جاتی، لیکن رائے دہندہ چونکہ عورت کے

گھرانے کا تھا۔ اس لیے اس نے تحقیقات کا یہ اصلی پہلو اختیار ہی نہیں کیا، بلکہ عورت کے خالی خولی بیان ہی کو مان کر حضرت یوسف علیہ السلام پر صفائی کا بار ڈال دیا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندہ کی عفت و عصمت کو واضح ہی کر دینا تھا اور طلاء ناب نے آتش امتحان میں پڑ کر بھی طلاء ناب ہی رہنا تھا۔ ورنہ طریقہ تحقیقات خالی از تعصب ہرگز نہ تھا۔

دریافت اصلیت پر قرینہ سے استدلال

اب قانون کی دوسری بات سمجھو کہ اس شاہد نے دریافت اصلیت کے لیے ایک قرینہ کو اختیار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہی امر سکھانے کے لیے اس کا ذکر فرمایا ہے کہ جب شہادت واقعہ موجود نہ ہو، تب قرائن کا استعمال کیا جاسکتا ہے اور فقدان شہادت اصلیہ کے وقت قرائن صحیحہ اور قیاسات قریبہ بھی شہادت کا کام دے جاتے ہیں۔

جن لوگوں نے عمر فاروق اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے فیصلہ جات کو پڑھا ہے۔ جن لوگوں کی نظر قاضی کعب بن سورا زدی اور قاضی شریح بن الحارث کندی اور قاضی ایاس بن معاویہ مرنی اور فقیہ محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کے فیصلہ جات تک پہنچی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ائمہ اسلام نے کس عہدگی سے اس اصول کا استعمال کیا ہے اور وہ فراست صادقہ کی شمولیت سے حقیقت اصلیہ کا انکشاف کس عہدگی سے کیا کرتے تھے۔

﴿إِنَّ كَيْدَ كُفْرٍ عَظِيمٌ﴾ لوگ سب عورتوں کی مذمت بیان کرتے ہوئے اس آیت کو اکثر پڑھا کرتے ہیں، لیکن ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ارشاد ربانی نہیں بلکہ شوہر زن کا قول ہے۔ یعنی ایک ایسے مرد کا قول ہے جو ایک طرف اپنی عزت کے خوف سے عورت کی بات کو دبانا بھی چاہتا ہے اور ایک طرف اس واقعہ سے طول بھی ہے اور ایک طرف یوسف صدیق علیہ السلام سے محجوب بھی ہے۔ وہ اپنی عورت کو الزام دیتے ہوئے یہ نہیں سمجھتا کہ صرف قصور وار ہی کو ملزم ٹھہرانا چاہیے، بلکہ وہ کل جنس اناث ہی کو مطعون ٹھہرا دیتا ہے۔

قرآن مجید میں مرد و زن کے مدارج کی یکسانیت

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی طرح منجانب خود کوئی ایسا لفظ نہیں فرمایا ہے۔ اللہ

تعالیٰ کی نگاہ میں کوئی مرد، مرد ہونے کی وجہ سے اور کوئی عورت، عورت ذات ہونے کی وجہ سے قابل عزت یا قابل نفرت نہیں۔ قرآن مجید نے تو ﴿الطَّيِّبَاتِ لِلطَّيِّبِينَ﴾ اور ﴿وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ﴾ فرما کر اس جوڑ کے ہر فرد کی بابت صراحت فرمادی ہے۔ جیسا کہ ﴿الْخَيْرَاتِ لِلْخَيْرِينَ﴾ اور ﴿وَالْخَيْرُونَ لِلْخَيْرَاتِ﴾ فرما کر شق دوم کو واضح کر دیا ہے۔

قرآن مجید میں با ایمان عورتوں کی تعریف

قرآن مجید تو با ایمان عورتوں کے فضائل کا ذکر با ایمان مردوں کے دوش بدوش فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ [۳۳/ الاحزاب: ۳۵]

”مسلمان مردوں، مسلمان عورتوں، مومن مردوں، مومن عورتوں، عابد مردوں، عابد عورتوں، صادق مردوں، صادقہ عورتوں، صابر مرد، صابر عورتوں، خاشع مردوں، خاشع عورتوں، صدقہ دینے والے مردوں، صدقہ دینے والی عورتوں، روزہ دار مردوں اور روزہ دار عورتوں، اپنے ستر کی حفاظت کرنے والے مردوں اور عورتوں، اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کرنے والے مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم مقرر کر رکھا ہے۔“

اس آیت پر غور کرو کہ کس طرح مسلم عورتیں ہر ایک صفت حسنہ و خلق کریمہ میں مسلم مردوں کی طرح موصوف بتلائی گئی ہیں اور پھر ان کو برابر کے درجہ میں رکھ کر شایان مغفرت و اجر عظیم ٹھہرایا ہے اور ﴿فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ﴾ [۳۱/ النساء: ۳۴] ”نیک عورتیں تو فرمانبرداری کرنے والی اور جان و مال کی حفاظت حفظ الہی سے کرنے والی ہیں“ کہہ کر عورتوں کی تعریف اوصاف حمیدہ کے ساتھ فرمائی ہے۔

جھوٹے قصوں پر اعتماد کر کے عورت کی منزلت کم نہ کرو

پس کسی مسلم کو یہ لازم نہیں کہ عزیز مصر کے قول پر بھروسہ کر کے اپنی شریک زندگی (بیوی) پر خواہ مخواہ بدگمانی کرنے لگے۔ یا بہار دانش والف لیلہ کے جھوٹے، گندے، فرضی قصوں کو صحیح سمجھ کر مومنہ، مسلمہ مستورات کے شرف کو فراموش کر بیٹھے یا ناریکا بھید وغیرہ ہندی کتابوں کو پڑھ کر اپنی فطرت سلیم کو خراب کرے اور عورت ذات پر بدگمانی کر کے بہن، بیٹی کی قدر و منزلت کو بھی کم کر بیٹھے۔

معتقدین عیسائیوں کے بہت سے ایسے اقوال ملتے ہیں۔ جن میں عورت کو شیطان کے برابر یا اس سے بھی بڑھ کر بتلایا گیا ہے۔ الحمد للہ اسلام کی تعلیم نے اب اُن کی آنکھ بھی کھول دی ہے اور وہ عورت کا احترام کرنے لگے ہیں۔
اب آیت بالا کے نفس مضمون پر آنا چاہیے۔

یوسف علیہ السلام کی برداشت

یوسف علیہ السلام کا حلم و برداشت دیکھو۔ جواب دہی کے لیے صرف اتنے ہی الفاظ کا استعمال کیا جو نہایت ضروری تھے۔

عورت کا رشتہ دار بھی عورت کو نہ بچا سکا

شوہر زن نے عورت کے رشتہ دار سے اس بارے میں مدد حاصل کی، مگر وہ بھی اپنی منطقی دلیل سے عورت کو نہ بچا سکا، حتیٰ کہ خود شوہر زن کی عورت کے مکر و فریب کا حال معلوم ہو گیا اور اسے یوسف علیہ السلام سے غفرو و درگزر کی درخواست کرنی پڑی۔ دراصل یہ تقویٰ اور خشیت من اللہ کی فتح تھی۔ جو مکائد شیطانی اور کاذب نسوانی پر حاصل ہوئی تھی اور اس سے یہ اطمینان ہوتا ہے کہ جو لوگ پس پردہ گناہ سے بچتے ہیں۔ رب العالمین اُن کی حفاظت و نصرت علی رؤس الاشهاد فرماتا ہے اور جو ایسا نہیں کرتے، اُن کے لیے نتیجہ بالعکس ہوتا ہے۔



زنان مصر کی ملامت۔ امراۃ العزیز کی غیرت

عورتوں کی دعوت، حسن کا کرشمہ، تقویٰ کی قوت۔

﴿وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ قَدْ

شَغَفَهَا حُبًّا إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ [۱۲/یوسف: ۳۰]

”شہر میں عورتوں نے چرچا کیا کہ عزیز کی عورت اپنے غلام کو پھسلایا کرتی

ہے۔ غلام کی محبت اس کے دل میں جانشین ہو گئی ہے۔ ہم تو اسے صریح

گمراہی میں سمجھتی ہیں۔“

نِسْوَةٌ: بکسر اول اور بضم اول ”جماعت زنان“ اس کا مفرد اسی کے لفظ سے نہیں آتا۔

مفرد امْرَأَةٌ ہے۔ امراۃ سے تشبیہ تو آتا ہے، مگر جمع نہیں آتی۔ جمع کے لیے نِسْوَةٌ يَانِسْوَانٌ يَا

نِسْنِينَ آتے ہیں۔

بعض تفاسیر میں ہے کہ وہ فلاں فلاں عورتیں تھیں لیکن نہ تو کوئی معتبر روایت موجود

ہے اور نہ اس کی کچھ ضرورت ہی ہے کہ وہ کون کون عورتیں تھیں۔

مَدِينَةٌ: (مَدَنٌ مَدُونًا) سے ہے۔ مدینہ ایسا شہر جہاں انسانوں کی بڑی آبادی ہو یا جہاں

قلعہ بھی ہو۔

مدینۃ النبی۔ مدینہ منورہ۔ اگر مدینہ منورہ کی جانب نسبت ہو تو مدنی کہتے ہیں۔ اور

اگر کسی اور شہر کی جانب ہو، تب مدینی بولتے ہیں۔

شَغَفَهَا: شغاف وسط قلب اور سویداء قلب، امراۃ القیس کا شعر ہے:

تقتلنی و قد شغفت فوادھا کما شغف المہنؤۃ الرجل الطالی

فَتٰی: جوان، بہادر، تہذیب یافتہ غلام کو اور فتاہ لونڈی کو کہتے ہیں۔ آیت میں غلام ہی مراد ہے۔

وہ مجھے قتل کر رہی ہے حالانکہ میں اس کے دل کے اندر داخل ہو ہو کر لٹک گیا ہوں۔ جس طرح پاؤں کو باندھنے

زنان مصر کے اعتراض کا منشا

آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا طعن یہ تھا کہ اتنی امیر ہو کر غلام پر کیوں مرتی ہے۔

اگر ان عورتوں میں نفس زنا کی برائی مسئلہ ہوتی تب اُن کی کلام میں اصل فعل بد یعنی محبت غیر کی برائی پر زور دیا جاتا۔

با ایمان عورتوں کی بزرگی

یہ تو اللہ تعالیٰ نے با ایمان عورتوں ہی میں شرم و حیا پیدا کی ہے کہ خواہ کوئی شخص اُن کے شوہر سے امارت میں بڑا ہو یا حسن و جمال میں بڑھا چڑھا ہو، مگر وہ اپنے شوہر کے سوا دوسرے شخص کو ایک آنکھ بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی ہیں:

﴿فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ﴾ [یوسف: ۳۱]

”جب عورت نے ان عورتوں کی چغلیاں سنیں، تب اُن کو بلایا اور سب کے لیے کھانے تیار کئے اور ہر ایک کے ہاتھ میں چھری دے دی اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ: تم ان عورتوں کے سامنے آؤ۔ جب عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو وہ دہشت کھا گئیں اور انہوں نے اپنے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور منہ سے بولیں۔ اللہ! اللہ! یہ تو بشر نہیں ہے یہ تو کوئی فرشتہ بڑے درجے کا ہے۔“

مگر: اصلیت کو الٹ پلٹ دینا۔ اخفا اور ضرر، دونوں میں مکر ہوتا ہے۔ یہاں غیبت کو مکر کہا ہے۔ غیبت کرنے والا بھی بری طرح سے بیان کرتا ہے۔

أَعْتَدْتُ: اِعْتَدَادٌ يَأْخُذُ بِهِ عَدَاوَةٌ

مُتَّكًا: عکرمہ ”کا قول ہے کہ اس لفظ میں وہ سب اشیاء خوردنی شامل ہیں، جو چھری سے کاٹ کر کھائی جاتی ہیں، ابن جریر نے ضحاک سے بھی یہی معنی روایت کئے ہیں۔
 سَبَّحِينَ: چھری۔ مونث و مذکر دونوں طرح مستعمل ہے۔ مذکر اکثر۔
 اكْبَرَنَّهُ: مجاہد ”کا قول ہے کہ یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ان پر رعب چھا گیا۔
 حَاشَ لِلّٰہ: اس کلمہ سے مطلب تنزیہ ہے۔

چھری کانٹے سے کھانے کا طریق

آج کل ہندوستانی لوگ انگریزوں کی وجہ سے چھری کانٹے سے کھانے کو خوب سمجھتے ہیں۔ چھری چلانے کے لیے دوسرے ہاتھ کے سہارے سے اس چیز کو جسے کاٹنا ہے دبانا ہوتا ہے اور کسی رعب یا عظمت کے اثر سے یہ بالکل قرین عقل و قیاس ہے کہ چھری سے دوسرے ہاتھوں کی انگلیاں زخمی ہو جائیں۔

آج کل بجائے انگلی کے کانٹے سے دباتے ہیں۔ ورنہ دوسرے ہاتھ کی انگلیوں پر چھری کا چل جانا بہت آسان ہے۔

حُسنِ یوسفی

اس فقرہ سے یوسف علیہ السلام کے حسن و جلال کی بڑی تعریف نکلتی ہے۔ بائبل ۱/۲۴۰ میں ہے۔ ”یوسف علیہ السلام نور پیکر تھے۔“ شب معراج کی حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فلک سوم سے گزرے۔ وہاں یوسف صدیق علیہ السلام تھے۔ ”فَإِذَا هُوَ قَدْ أُعْطِيَ شَطْرُ الْحُسْنِ“ دیکھا کہ ان کو حسن کا بڑا حصہ ملا ہے۔

کیا ملک (فرشتہ) بشر سے افضل ہے

عورتوں نے اس جگہ نفی بشریت کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو فرشتہ بتایا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ ان کو کمالات بشر کا علم نہ تھا۔ انبیاء کا درجہ تو فرشتوں سے برتر ہے۔ حالانکہ وہ بشر ہیں: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ [۱۸/ الکہف: ۱۰۰]
 ”کہہ دے میں تو ایک بشر ہوں، مجھ پر وحی آتی ہے۔“

﴿قَالَتْ قَدْ اِلْكَنَ الَّذِي لُمْتُنِي فِيهِ ، وَ لَقَدْ رَاَوْدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ
فَاسْتَعْصَمَ ، وَ لَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَا اَمْرُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَ لَيَكُونَا مِنَ
الصَّغِيرِيْنَ ۝﴾ [يوسف: ٢٣]

”عورت نے کہا یہ ہے وہ جس کی بابت تم مجھے ملامت دیتی تھیں۔ ہاں میں
نے تو اسے ضرور پھسلایا اور کئی بار کوشش کی، مگر یہ بچتا ہی رہا اور اب اگر یہ وہ
کام نہ کرے گا جس کا حکم میں اسے دوں گی، تب یہ جیل میں جائے گا اور خود
اپنی عزت کو کھو بیٹھے گا۔“

صَاغِرِيْنَ: (صَغَرًا صَغَارًا) سے ہے۔ صاغر وہ جو اپنی ذلت پر خود رضامند
ہو جائے۔ (راغب)

امراۃ العزیز کا اثر عورتوں پر

امراۃ العزیز کا مقصد یہ تھا کہ عشق غلام کا جو طعن اسے دیا گیا ہے، اس کا ازالہ کرے،
جب اس نے دیکھا کہ اس کا جادو چل گیا اور وہ عورتیں جس منہ سے یوسف علیہ السلام کو غلام
غلام کہا کرتی تھیں۔ اسی منہ سے وہ اُن کو ملک کریم کہنے لگ گئیں۔

تب امراۃ العزیز نے اُن کے سامنے راز دل کہہ سنایا:

رَشْكٌ اَيِّدُمْ وَ گِرْنَه نَقَابَتِ كَشْدُوِي دَسْت تَرَا گِرْفَتِ بِنَا صَح غَمُوِي ❁
فَاسْتَعْصَمَ: اس کا مادہ عصم ہے۔ اصل لغت میں اس کے معنی اساک ہیں۔
عِصْمَتٌ۔ بچاؤ۔ جو لوگ ﴿هَمَّتْ بِه وَ هَمَّ بِهَا﴾ کی بحث میں فضول باتیں لکھا کرتے
ہیں۔ وہ یہاں عورت کی شہادت کو سنیں جو اپنی رازدار سہیلیوں کے سامنے بیان کر رہی ہیں
کہ یوسف علیہ السلام پر پھسلادٹ کا ذرا بھی اثر نہ ہوا اور وہ بالکل بچے پر ہے۔

لَيُسْجَنَنَّ: کے لفظ پر غور کرو کہ یہ عورت محبت صدق کے مدارج سے کس قدر دور تھی وہ تو
ایک ایسی عورت ہے جو گندے خیال میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس کے دل میں یوسف علیہ السلام
جیسے معصوم کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ اس نے صاف کہہ دیا ہے کہ یا تو یوسف علیہ السلام اس کی

❁ مجھے رشک آ رہا ہے ورنہ میں تیرا نقاب کھینچ کر اتار دیتا اور تیرا ہاتھ پکڑ کر نصیحت کرنے والے کو جا دکھاتا۔

بات کو مانے یا وہ جیل میں جائے۔

نفسانی خواہش برف کی طرح ناپائدار ہوتی ہے

اس قول سے یہ سبق لینا چاہیے کہ جس چاہت اور پریت کی بنیاد نفسانی خواہش پر ہوتی ہے وہ برف کی طرح ناپائدار ہوتی ہے۔

یاد رکھو کہ تعلقات کی تہہ میں تین امور میں سے ایک ضرور ہوتا ہے۔

- ① جس محبت کی بنیاد مبنی بر لذت ہے وہ جلد قائم ہو جاتی اور جلد فانی ہو جاتی ہے۔
 - ② جس محبت کی بنیاد مبنی بر نفع ہے وہ دیر میں قائم ہوتی اور جلد ضائع ہو جاتی ہے۔
 - ③ جس محبت کی بنیاد ”خیر محض“ ہوتی ہے وہ جلد قائم ہوتی ہے اور نہایت مستحکم ہوتی ہے۔
- اللہ تعالیٰ نے مومنین کی محبت ایمانی کے متعلق فرمایا ہے:

﴿الْأَخِلَاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ﴾ [الزخرف: ۶۷]

”قیامت کے روز سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ سوا اُن کے جن کی محبتیں اللہ کے لیے ہیں۔“



فصل

معصیت و مصیبت کا مقابلہ

﴿ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَإِلَّا تَصْرِفْ

عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ ﴾ [یوسف: ۳۳]

”اے رب! مجھے زندان زیادہ پیارا ہے اس کام سے جدھر وہ بلاتی ہیں اور اگر تو اُن کے چلتروں کو مجھ سے دور نہ کرے گا تو میں ادھر مائل ہو جاؤں گا اور پھر جاہلوں میں ایک جاہل بن جاؤں گا۔“

السِّجْنُ: جس۔ زندان کو اس لیے جہن کہتے ہیں کہ اس کے اندر قیدیوں کو روک دیا جاتا اور اُن کی آزادی و آمد و رفت کو سلب کر لیا جاتا ہے۔

أَصْبُ: صَبَوٰهُ سے ہے، جس کے معنی میلان نفس ہیں۔ باد صبا کو اس لیے ”صبا“ کہتے ہیں کہ نفوس اس کے شائق ہوتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب مہمان عورتوں نے اس میزبان عورت کا یہ ارادہ معلوم کر لیا کہ وہ حضرت صدیق الطَّيِّبُ کو جیل تک بھیجنے میں درلغ نہ کرے گی تو اُن کو حضرت کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوئی اور وہ بھی امراۃ العزیز کی ہم آہنگ اور دلالہ شیطان بن گئیں۔

توجہ الی اللہ

اللہ کے مخلص بندہ نے اس سے نجات کی کوئی راہ نہ دیکھی تو جھٹ اللہ ہی کی جانب متوجہ ہو گئے۔ یہ سبق ہے مسلمانوں کے لیے کہ وہ بھی ہر مصیبت سے بچنے کے لیے بہترین تدبیر رجوع الی اللہ ہی کو سمجھا کریں۔

معصیت و مصیبت کا مقابلہ

دوسرا سبق آیت بالا میں یہ ہے کہ صدیق الطَّيِّبُ نے معصیت اور مصیبت کا مقابلہ کر کے دکھلایا ہے اور بتلایا ہے کہ جب معصیت سے بچنے کے لیے اور کوئی راہ باقی نہ

رہے بجز اس کے کہ سخت مصیبت برداشت کی جائے۔ تب اہل ایمان کو لازم ہے کہ مصیبت کو کشادہ پیشانی اور طیب خاطر سے اختیار کر لے، مگر مصیبت کو اختیار نہ کرے۔

لاحول ولا قوۃ کے معنی

تیسرا سبق اس آیت میں یہ ہے کہ بندہ کو یقین رکھنا چاہیے کہ نیکی کرنے کی طاقت اور بدی سے بچنے کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ملتی ہے۔ ورنہ انسان بوجہ بشریت سخت کمزور ہے۔ یہی وہ اصول ہے جو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ میں سکھلایا گیا ہے۔ یہی وہ اصول ہے جو انسان کے شجر ایمان کی شادابی و سرسبزی کے لیے پانی کا درجہ رکھتا ہے۔

یوسف علیہ السلام کے قول پر غور کرنا لازم ہے

قرآن مجید سے اقتباس نور کرنے والوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے ان فقرات پر بار بار غور کرنا چاہیے کہ ”اگر تو ان کی مکاریوں کو مجھ سے دور نہ رکھے گا۔ تو میں ادھر مائل ہو جاؤں گا۔“ یہ الفاظ اس مستقیم الاحوال برگزیدہ رب العالمین کے ہیں۔ جو سخت ترین امتحان میں پاک و صاف ثابت ہو چکا ہے۔ اب بھی وہ اسی عاجزی اور خشوع کے ساتھ اپنے مالک کے سامنے مستعدی ہیں۔ گویا اُن کو اپنی حالت پر ذرا اعتماد نہیں، ہاں گناہ سے بچنے کی یہی بہترین تدبیر ہے۔ کتابوں میں اور تجربہ میں ایسی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ ایک عالم یا عابد نے اپنے علم و عبادت یا زہد و ورع پر بھروسہ کیا اور حرام کی مبادیات سے بچنے میں احتیاط نہ کی، بالآخر وہ اس میں مبتلا ہو ہی گئے۔

مبادیات زنا بھی حرام ہیں

شریعت نے زنا کو حرام ٹھہرایا تو اس کی مبادیات کو بھی حرام ٹھہرایا۔ بیگانی عورت کو تاکنا جھانکنا، اس سے بلا ضرورت ہم کلام ہونا، یا لمبے سفر میں غیر محرم کو ساتھ رکھنا، یا ایک مکان میں شب باش ہونا وغیرہ وغیرہ جملہ امور کو، جو زنا کی طرف لے جانے والے ہیں شریعت نے حرام ٹھہرا دیا ہے اور یہ سب اس لیے کہ انسان زنا سے بچ سکے۔

پردہ ہر ایک متقی و بزرگ سے ضروری ہے

چوتھا سبق: اَصْبُ إِلَيْهِنَّ میں ہے۔ بعض لوگ کسی شخص کو بزرگ یا نیک سمجھ کر اس سے اپنی عورتوں کا پردہ ترک کر دیتے ہیں اور اکثر ایسے بزرگ بھی اپنا حق تقویٰ یہی سمجھا کرتے ہیں کہ عورتیں ان سے پردہ نہ کیا کریں۔ ان سب کو اس لفظ پر غور کامل کرنا چاہیے کیونکہ خدا کے نبی و صدیق نے اس لفظ کی تہہ میں انسانیت کی کمزوری کو بخوبی آشکار کر دیا ہے۔

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ

الْعَلِيمُ﴾ [۱۲/یوسف: ۳۴]

”پروردگار نے اس کی درخواست کو قبول فرمایا، پھر ان عورتوں کے چلتروں کو یوسف سے دور کر دیا۔ ہاں وہی پروردگار ہے جو سب کی سنتا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔“

استجابِ دُعا

اِسْتَجَابَ. جَابَ جَوْبًا سے ہے۔ استجاب، قبولیت دعا، حاجت کا پورا کر دینا واضح ہو کہ قبولیت دعا رب العالمین ہی کی شان ہے۔

الف: قبولیت دعا کے یہ معنی بھی ہیں کہ اسی شکل میں دعا قبول کر لی جائے جس شکل میں مانگی گئی ہے۔ قرآن مجید میں مندرجہ ذیل نظائر پر غور کرو:

① نوح علیہ السلام کی دعا تھی ﴿لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ ذَيَّارًا﴾ [۷۱/نوح: ۲۶] ”اے خدا کافروں میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔“ طوفان آیا سب کافر غرق ہوئے۔“

② ابراہیم علیہ السلام کی مکہ میں بسنے والوں کے لیے دعا تھی ﴿وَأَرْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ﴾ [۱۳/ابراہیم: ۳۷] ”ان کو بہت میوے کھلا۔“ جو لوگ مکہ معظمہ جاتے ہیں۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ زمین مکہ ناقابلِ زراعت ہے مگر تمام بازار ہر قسم کے میوہ جات سے بھرے ہوئے ہیں۔

③ ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی ﴿فَاَجْعَلْ اَقْسَدَهُ مِنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ﴾ [۱۴/ابراہیم: ۳۷] ”لوگوں کے دلوں کو ان کی محبت دے“ چار ہزار سال سے برابر ہر ایک اہل ایمان زیارت کعبہ و بلد الامین کے لیے بے تاب رہتا ہے اور سال بسال لاکھوں اشخاص وہاں حاضر ہوتے رہتے ہیں۔

④ ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی ﴿وَاَبْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا﴾ [۲/البقرہ: ۱۲۹] ”ان میں بڑی شان کا رسول پیدا کر۔“ یہ دعا ایک ہی رسول کے لیے تھی۔ تکثیر تعظیم کے لیے تھی۔ یعنی عظیم الشان رسول کے لیے، چنانچہ خاص مکہ میں اس ہزاروں سال کے عرصہ میں صرف ایک ہی رسول مبعوث ہوا جو اتنا بڑا عظیم الشان ہے کہ کلام الہی میں اس کا نام ﴿رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ﴾ ہوا۔ فداہ ابی و امی۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی۔

⑤ ایوب علیہ السلام کو کئی سال تک امراض جسمانی میں مبتلا رہے۔ ﴿رَبِّ اِنِّیْ مَسْنٰی الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ﴾ [۲۱/الانبیاء: ۸۳] ”اے رب! مجھے مرض لگ گیا ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم والا ہے۔“ کہہ کر انہوں نے دعا مانگی اور جھٹ صحت کامل عطا فرمائی گئی۔

⑥ یونس علیہ السلام نے قعر بحر اور بطن حوت میں ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ﴾ [۲۱/الاعیاء: ۸۷] ”تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور میں تو اپنے اوپر ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔“ کہہ کر دعا مانگی اور وہ زندہ ساحل پر پہنچائے گئے۔

⑦ موسیٰ علیہ السلام فرعون سے بھاگے اور مدین پہنچ کر انہوں نے ﴿رَبِّ اِنِّیْ لَمَّا اَنْزَلْتَ اِلَیْ مِنْ خَیْرِ فَعِیْرٍ﴾ [۲۸/القصص: ۲۴] ”اے رب جو چیز بہبودی کی تو میرے لیے نازل کرے میں اس کا محتاج ہوں۔“ کے الفاظ میں دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو شعیب علیہ السلام کی صحبت میں پہنچا دیا۔ جہاں انہوں نے اپنی تربیت پائی، بیوی ملی اور بالآخر نبوت پر فائز ہوئے۔

⑧ زکریا علیہ السلام نے دعا کی ﴿هَبْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّةً طَیْبَةً﴾ [۳۱/آل عمران: ۳۸] ”اے رب! مجھے اپنے ہاں سے پاک نسل عطا کر۔“

اللہ تعالیٰ نے اُن کو یحییٰ علیہ السلام سے شاد کام فرمایا:

⑨ والدہ مریم علیہا السلام نے دعا کی تھی ﴿اِنِّیْ نَذَرْتُ مَا فِیْ بَطْنِیْ﴾ [۳۱/آل عمران: ۳۵]

”اے رب! میں اپنے پیٹ کے بچہ کو تیری نذر کرتی ہوں۔“ اللہ تعالیٰ نے اُن کی مراد کو قبول فرمایا اور آئین اسرائیل کے خلاف دختر کو بھی بطور خادم بیت المقدس قبول کر لیا تھا۔

⑩ نبی سلی علیہ السلام کی دعائیں ﴿رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ [۲۰/طہ: ۱۱۳] ”اے رب! مجھے علم میں بڑھاتا رہ۔“ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور وہ علوم و اسرار اور حقائق و معارف حضور پر منکشف فرمائے جو پہلے کسی کو نہ ملے تھے حتیٰ کہ حضور ہی معلم عالم قرار پائے ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [۲/البقرہ: ۱۲۹] ”ہمارا نبی سب کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔“

اسی طرح مومنین کی دعاؤں کی قبولیت کی بابت اطلاع دی ﴿وَإِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَبَ لَكُمْ﴾ [۸/الانفال: ۹] ”جب تم نے اللہ سے فریاد کی تو اس نے تمہاری فریاد کو قبول کیا۔“

مقبولیت دعا بصورت دیگر

(ب) بعض اوقات جب اس دعا کا اسی طرح قبول کیا جانا رب العالمین کے علم میں خود مانگنے والے کے حق میں ضرر رساں ہوتا ہے۔ تب اس کی شکل دوسری پلٹ دی جاتی ہے۔ الغرض دعا منظور ہو جاتی ہے ﴿فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ﴾ کی تاثیر دیکھو کہ اس وقت سے بعد پھر کوئی اور واقعہ پیش نہ آیا کہ کوئی عورت حسن یوسفی پر والہ و شیدہ ہوئی ہو اور یوسف علیہ السلام کو پھر کبھی معصیت میں پڑ جانے کا اندیشہ ہوا ہو۔ امراۃ العزیز بھی بھول گئی اور زنان مصر بھی اسے فراموش کر بیٹھیں۔

www.KitaboSunnat.com

﴿سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ اللہ تعالیٰ کے خاص اسماء میں سے ہیں اور اس کی مرکب صورت میں کسی دوسرے پر ان کا اطلاق جائز ہی نہیں۔ جمہیہ و معتزلہ نے صفات باری تعالیٰ کے متعلق عجیب عجیب عقائد نکالے اور تاویلات بعیدہ سے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی اُن صفات عالیہ سے جو اسما حسنی سے ظاہر ہیں، دور کرنا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اہل ایمان اب بھی ان اسماء اور اُن کی صفات پر اسی طرح ایمان رکھتے ہیں، جس طرح اُن کو اللہ کے برگزیدہ رسول نے تعلیم دی تھی۔ سميع و بصير کے متعلق یہ کہنا کہ وہ سميع بسمع یا بصير بہ بصر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کے خلاف ہے۔

عَلِیْم کے متعلق یہ بحث کہ احداث معلومات کے بعد تعلق علم ہوتا ہے بالکل جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ماضی و حال و مستقبل پر حاوی ہے۔ معلومات میں خواہ گونا گوں تغیرات و تبدلات رونما ہوں مگر اس کے علم ازلی میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوتا۔

جہمیہ و اہل بدعت کا حال

جہمیہ وغیرہ اہل بدعت کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم مستقبل پر حاوی نہیں بلکہ جب کوئی شے وقوع میں آ جاتی ہے۔ تب اس کا علم اس سے متعلق ہو جاتا ہے۔ اگر یہ لوگ قرآن پاک سے نور و ہدایت لیتے تو ہرگز اس ضلالت میں نہ پڑتے۔

قرآن مجید کی ان پیشگوئیوں پر نظر ڈالو۔ جن میں اظہار غیب فرمایا گیا اور واقعات آئندہ کو قطعی و حتمی الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ کیا ایسا اخبار و اعلان ایسی ذات سے ہو سکتا ہے جسے مستقبل کا علم نہ ہو۔ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ۔

قرآن مجید کی پیشگوئیاں

قرآن پاک نے خبر دی کہ یہودیوں، بت پرستوں اور قریش کے متحدہ عساکر کو جو مدینہ پر حملہ آور ہو رہے ہیں، ان سب کو دم دبا کر بھاگنا پڑے گا ﴿سَيَهْزِمُ الْجَمْعُ وَ يُؤَلُّونَ الذُّبُرُ﴾ [القر: ۵۴/۲۵] ”جمعیت کے سب لوگ ہزیمت پائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔“ چنانچہ ایسا ہوا۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا﴾ [الفتح: ۲۰/۲۸]

”اللہ نے تم سے بڑے بڑے مقام کا وعدہ کیا۔ جن کو تم حاصل کرو گے۔“

چنانچہ انہی مومنین نے عراق و شام، فلسطین و مصر کو فتح کیا۔ جو نزول آیت کے وقت مخاطب کئے گئے تھے۔ کیا ایسے واقعات کی اطلاع دینا، جس کی تصدیق ایران اور روما، ایشیا، و افریقہ کی تواریخ سے بھی ہوتی ہے۔ علم مستقبل کے بغیر ممکن ہے؟

قرآن پاک میں تھا:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ

فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلِيُمَكِّنَ لَهُمْ
ذِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلِيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا
يَعْبُدُوْنَ نَبِيَّ لَا يَشْرِكُوْنَ بِنَبِيِّ شَيْئًا ۖ ﴿٢٣/النور: ٥٥﴾

”وعدہ کیا اللہ نے اُن سے جو تم میں سے ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں کہ خدا ان کو خلیفہ بنائے گا ارض مقدس کا، جیسا کہ اس نے اُن سے پہلوں کو وہاں کا خلیفہ بنایا تھا اور یہ کہ خدا اُن کے دین کو، جسے خدا نے اُن کے لیے پسند کر لیا ہے۔ عزت و مکنّت دے گا اور یہ کہ خدا اُن کے خوف کو امن کے ساتھ بدل دے گا۔ وہ خالص میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔“

یہ وعدہ اسی زمانہ کے لوگوں میں سے جن کے سامنے قرآن اتر رہا تھا، اُن بزرگوں کے ساتھ پورا کیا گیا۔ جن کا ایمان اور عمل صالح میں افضل و برتر ہونا اہل عالم کے نزدیک مسلم ہے۔ جو اُن ممالک کے مالک بنے، جن پر موسیٰ و یوشع، داؤد و سلیمان علیہم السلام نے فتوحات حاصل کیں اور حکومت فرمائی تھی، جن کی کوشش سے اللہ کا پسند کردہ دین کا بل سے لے کر قیروان تک اور ٹیونس سے لے کر خراسان تک پہنچ گیا تھا، جن کے عہد میں امن بسیط اور غلبہ ظاہر اور فتح مبین اور نصر عزیز..... مسلمانوں کی رکاب کے ساتھ ساتھ چلتی تھی، وہ جنہوں نے دنیا کو توحید کی تعلیم دی، وہ جنہوں نے مشرکوں کو موحد ہونے کے درجہ تک پہنچایا۔

اللہ تعالیٰ کا علم ماضی و حال و مستقبل پر حاوی ہے

کیا اس قسم کے اعلانات یہ نہیں بتلا رہے ہیں کہ رب العالمین کا علم کامل مستقبل پر بھی ویسا ہی حاوی ہے جیسا کہ حال پر اور جیسا کہ ماضی پر۔

﴿ثُمَّ بَدَأَ لَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لِيَسْجُنَنَّهُ حَتَّىٰ حِينٍ﴾ [یوسف: ٣٥]

”جی نشانوں کے دیکھ لینے کے بعد بھی، پھر ان کی رائے یہ ہوئی کہ یوسف (علیہ السلام) کو کچھ مدت کے لیے قید رکھیں۔“

ثُمَّ حرف عطف ہے ترتیب و ترانخی پر دال ہے۔ ﴿وَمَنْ يُخْرِجْ مِنْ بَيْتِهِ﴾

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ ﴿٣٦﴾ النساء: ۱۰۰۔ ”جو کوئی شخص اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف جانے کے لیے نکل پڑا، پھر اسے راہ ہی میں موت آگئی تو اسے ہجرت کا ثواب مل جاتا ہے۔“ ثُمَّ سے یہ ثابت ہوا کہ اس واقعہ سے کچھ عرصہ بعد ایسا کیا گیا۔

اہل دنیا کا جھوٹا غرور

بَدَا کا اشارہ اہل دنیا کے اس جھوٹے غرور کی طرف ہے جو وہ خیالی عزت اور ناک رکھنے کے زعم میں سینکڑوں گناہ اور جرم کا ارتکاب کرنے میں ذرا تامل نہیں کیا کرتے۔

لَهُمْ: میں عورت کا خاوند اور وہ رشتہ دار جسے بلفظ شاہد بیان کیا گیا ہے اور خود عورت داخل ہے۔ ضمیر مذکر بوجہ تغلیب لائی گئی ہے۔

الآیَات: سے مراد یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی طبع، معصومانہ حالت، کربت کی ہیئت، شاہد کا فیصلہ، شوہر کا عورت پر الزام، صدیق سے درگزرشت کی درخواست ہے۔

الآیات، امارات، بے گناہی یوسف علیہ السلام

آیت سے ظاہر ہے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کو سچا سمجھتے ہوئے پھر جیل بھیج دیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں امراء مصر کو کتنے ظالمانہ اختیارات حاصل تھے کہ بلا تعین جرم اور بلا تعین میعاد قید اپنے زیر حکم اشخاص کو جیل میں بھیجنے کی طاقت رکھتے تھے۔

انبیائے کرام کے مصائب

اللہ اکبر.....! انبیاء کرام کے مصائب کیسے کیسے سخت ہوتے ہیں۔ اُن کے منصب عالی کی شان تب ہی نمایاں ہوتی ہے کہ انہوں نے ان مصائب کو مرضاة الہی (رضائے الہی) کے لیے کیسی کشادہ پیشانی اور فراخ دلی سے برداشت کیا ہے۔



فصل

جیل کے قیدیوں کے خواب، تعبیر، توحید کا اظہار

توحید کی تبلیغ، شرک کے بطلان پر دلائل۔

﴿وَدَخَلَ مَعَهُ السَّجْنَ فَتَيْنِ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرِيتِي أُغْصِرُ خَمْرًا
وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرِيتِي أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْزًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ
نَبْنِئَا بِأَوَّلِهِ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ [یوسف: ۳۶]

”یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو اور غلام بھی جیل میں داخل ہوئے۔ اُن میں سے ایک نے کہا: میں نے خواب دیکھا کہ میں شرابِ نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا: میں نے دیکھا کہ میں نے اپنے سر پر روٹیاں اٹھا رکھی ہیں، پرندے اُن میں سے کھا رہے ہیں۔ دونوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ ہم کو تعبیر بتائیے۔ ہم آپ کو نیکوکاروں میں سے سمجھتے ہیں۔“

خمر کے لغوی معنی

خَمْرٌ: خَمْرُهُ خَمْرًا ”اُسے چھپا دیا“ انہی معنی میں ہے: لَا تَجِدُ الْمُؤْمِنَ إِلَّا فِي مَسْجِدٍ يَغْمُرُهُ أَوْ فِي بَيْتٍ يَخْمُرُهُ أَوْ فِي مَعِيشَةٍ يُدْبِرُهَا أَخْمَرَ الشَّهَادَةِ. شہادت کو چھپا لیا گیا۔ (خمار) وہ اوڑھنی جس سے عورت سر چھپاتی ہے۔

خمر اور خمر

خَمْرٌ: لغت میں شرابِ انگوری کو بولتے ہیں، جس کا ترجمہ فارسی میں خمر ہے۔
خَمْرٌ: اصل لغت دری میں زہر کو کہتے ہیں۔

جمشید کے عہد کا قصہ، رواجِ شراب

جمشید شاہ ایران انگور کھانے کا عادی تھا۔ انگور آئے، رکھ کر بھول گئے، ہفتوں کے بعد یاد آئے۔ دیکھا تو وہ سڑ گئے تھے۔ جمشید نے کہا: یہ تو مے (زہر) بن گئے۔ ان کو زمین میں دبا دو، برتنِ سمیت دبا دیئے گئے۔ ایک لونڈی کو دردِ شقیقہ ہوا کرتا تھا، اسے درد کی تکلیف

ہوئی اور اس نے خود کشی کا ارادہ کیا، مے کو نکال لیا اور وہ عرق پی گئی۔ اسے نشہ ہو گیا۔ گانے بجانے لگی، اس تغیر حالت پر بہت استعجاب کیا گیا، جب لونڈی کا نشہ اتر گیا تب اس سے پوچھا گیا۔ اس نے مے کا قصہ سنا دیا۔ پھر تو شاہ کج کلاں بھی اسی پر جھک پڑا۔ اور دنیا میں شراب خوری کے موجد ٹھہرے۔

جام جم کی حقیقت

ساغر پر سات خط لگائے گئے، اول درجہ کا شرابی وہ سمجھا جاتا تھا۔ جو سات خط تک خالص شراب پی جاتا۔ اس ساغر کو ”جام جم“ کہتے ہیں، اس کا نام ”جہاں نما“ اس لیے رکھا کہ مدہ ہوش کو دنیا بھر کی کچھ خبر نہیں رہتی۔

خمر کے شرعی معنی، خمر کی برائی

زبان شرع میں ہر ایک نشلی شراب کو خمر کہتے ہیں۔ صحیحین کی حدیث ((عَنِ ابْنِ عَمْرٍو۔ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَے فرمایا: ((كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ)) *
”ہر ایک نشلی چیز خمر ہے۔ ہر ایک نشلی چیز حرام ہے۔“ سنن نسائی میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے موقوف روایت ہے:

((اجْتَنِبُوا الْخَمْرَ فَإِنَّهَا أُمُّ الْخَبَايِثِ))

”شراب سے بچو، وہ تو بدلیوں اور پلیدیوں کی ماں ہے۔“

صحیح مسلم کی روایت میں ہے ((كُلُّ مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ)) ”یعنی جس چیز کی بڑی مقدار نشہ لاتی ہو، اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔“ *

اسلام میں حرمت خمر

شراب اسلام میں ۳ھ کو حرام ہوئی۔ لوگوں نے حرمت کا حکم سنا تو شراب زمین پر بہا

* مسلم: کتاب الاشریہ، باب بیان ان کل مسکر خمر، رقم ۵۲۱۹۔ ابوداؤد: کتاب الاشریہ، باب ماجاء فی السکر، رقم ۳۶۷۹۔ ترمذی: ابواب الاشریہ، باب فی، اشارب الخمر، رقم ۱۸۶۱۔ ابن ماجہ: ابواب الاشریہ، باب کل مسکر حرام، رقم ۳۳۹۰۔ * نسائی: کتاب الاشریہ، باب تحریم کل اسکر کثیرہ، رقم ۵۶۱۰۔ ترمذی: ابواب الاشریہ، باب ما اسکر کثیرہ فقلیلہ، حرام، رقم ۱۸۶۵۔ ابن ماجہ: ابواب الاشریہ، باب اسکر کثیرہ فقلیلہ، حرام، رقم ۳۳۹۲۔

دی، مٹیاں توڑ دیں، مدینہ کی گلیوں میں شراب بہہ نکلی، جو احسانات عظیم اسلام نے نوع انسان (مسلم و غیر مسلم) پر فرمائے ہیں۔ حرمت خمر کا حکم بھی یکے ازاں جملہ ہے۔ ورنہ پولوس جیسے بڑے بڑے لیڈروں کی تعلیم تو یہ رہی ہے کہ ساداپانی نہیں پینا چاہیے۔ اس میں تھوڑی سی شراب ضرور ملا لینی چاہیے۔

أَعَصِرْ خَمْرًا: سے مراد انگور ہیں اور انگور کو خمر بقاعدہ مایوڈل الیہ فرمایا ہے۔

مِنَ الْمُحْسِنِينَ: قیدیوں نے یوسف علیہ السلام کو احسان کنندہ بتلایا۔ اس کی ایک توجیہ یہ ہے کہ بائبل میں ہے کہ جیل کے داروغہ نے جیل کا سارا انتظام حضرت یوسف علیہ السلام پر چھوڑ دیا تھا، یہ ظاہر ہی ہے کہ اس انتظام میں سب قیدی پوری پوری آسودگی و آرام میں رہتے تھے۔

قیدیوں کے خواب

پہلی دفعہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے سامنے کوئی خواب تعبیر کے لیے پیش ہوتا ہے یہ پہلا موقعہ ہے کہ:

﴿يُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾ [یوسف: ۶]

”خدا تجھے خوابوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا۔“

کی بشارت کا ظہور ہوا۔



زندگانی میں تبلیغ توحید، اشاعت اسلام، دعوت الی الحق تبلیغ خاصانِ خدا کا شیوہ ہے

خاصانِ خدا کا یہ شیوہ ہے کہ وہ تبلیغ اور اشاعت اور دعوت اسلام سے نہیں چوکتے۔ جہاں کہیں اور جب کبھی اُن کو کسی ایک شخص کے سمجھانے کا بھی موقع مل جاتا ہے تو اس موقع کو ضائع نہیں جانے دیتے۔ یوسف علیہ السلام کی زندگی میں یہ وصف عالی جوہر آبدار کی طرح آشکار ہے اور یہ دوسرا موقع ہے کہ انہوں نے عین موقع پر زبان کو تبلیغ کے لیے کھولا۔

یوسف علیہ السلام کے دو وعظ

پہلا وہ موقع تھا، جب امراۃ العزیز نے ﴿هَيْتَ لَكَ﴾ ”اپنے کام کے لیے بروہو“ جیسا دلولہ خیز جملہ کہہ کر ان کے جوشِ شباب کو بھڑکانا چاہا تھا اور یوسف صدیق علیہ السلام نے فوراً زنا کے خلاف تین زبردست براہین سے اس کا رد فرما دیا تھا۔

اب دوسرا موقع یہ ہے:

اللہ کے صدیق نے دیکھ لیا کہ (۱) قیدیوں کو اُن سے حسن ظن بھی ہو گیا ہے۔ (۲) اور تاویل الاحادیث کے متعلق ان کا کام خاص نبی اللہ ہی کے ہاتھ میں آ گیا ہے تو انہوں نے اس موقع کو تاڑ کر چاہا کہ اول فرض تبلیغ کو ادا فرمائیں۔

اس مقصد کو زیرِ نظر رکھ کر ناظرین آیات ذیل کی ترتیب پر پورا تدبیر فرمائیں:

﴿قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَأُكُمَا بِتَاوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا﴾ [یوسف: ۳۷]

”حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے اس کے آنے سے

پہلے پہلے میں تم کو وہ تاویل بتا دوں گا جو تمہارے خوابوں کی آئندہ ہونے

والی ہے۔“

لَا يَأْتِيَكُمَا كَاتِلِق طَعَام سَے اور يَأْتِيَكُمَا كَاتِلِق تَاوِيل سَے ہے۔ ❁
تُرْزَقْنِه سَے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں بھی قیدیوں کو سلطنت کی طرف سے کھانا ملا کرتا تھا۔

یوسف علیہ السلام کی تمہید کے فوائد

کھانا آنے سے پہلے پہلے بتلا دوں گا اور وقوع میں آنے سے پہلے بتلا دوں گا۔ یہ دو باتیں یوسف علیہ السلام نے اس لیے فرمائیں کہ وہ شوق صادق اور طلب صحیح کے ساتھ یوسف علیہ السلام کے پاس بیٹھے رہیں اور اس وعظ سے جو آگے آئے گا، ملول ہو کر یا طول وقت سے افسردہ ہو کر اٹھ کے نہ چلے جائیں۔

یہ وہ ضروری اصول ہے جو واعظین اسلام کو دوران وعظ میں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ وعظ میں سامعین کی دلچسپی کا قائم رکھنا ضروری ہے۔

﴿ذَلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي ۖ آبَائِهِمْ وَاسْتَحَقُّ وَيُعْطَوْنَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝﴾ [یوسف: ۲۲-۲۸]

”یہ تعبیر بھی ان علوم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائے۔ میں نے تو ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور یہی وہ لوگ ہیں جو آخرت کے منکر ہوتے ہیں۔ میں تو اپنے باپ دادا ابراہیم علیہ السلام و اسحاق علیہ السلام و یعقوب علیہ السلام کے مذہب پر چلا کرتا ہوں۔ ہم کو یہ شایاں نہیں کہ ذرا سا شرک بھی اللہ کے ساتھ کریں اور یہ وہ فضیلت ہے جو خدا نے سب انسانوں کو دی ہے مگر بہت لوگ ایسے ہیں جو اس فضیلت کے بھی شکر گزار نہیں۔“

مِمَّا عَلَّمَنِي: فرما کر یوسف علیہ السلام نے رفعِ دخل فرما دیا کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھ جائے کہ زمانِ مستقبل کی خبر بتلانا کسی انسان کی اپنی صفت ہو سکتی ہے۔ صاف سمجھا دیا کہ تعبیر اللہ نے مجھے بتلا دی، میں تم کو بتا دوں گا۔

تَرْكُكُ: پہلے ترک کا ذکر کیا کیونکہ جب تک کوئی شخص کفر و شرک کو ترک نہ کرے گا، تب تک توحیدِ خالص کی دولت حاصل نہ کر سکے گا۔

کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ میں بھی یہی راز ہے کہ اول جملہ ماسوائے کو تیغِ لا کے ساتھ قطع کر دے۔ تب گنجینہ ”إِلَّا اللَّهُ“ تک رسائی ہو سکتی ہے۔

وَهُمْ بِالْآخِرَةِ اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ ایمان برقیامت بھی ایمان باللہ کی فرع ہے۔ منکر قیامت وہی ہوگا جو منکر خدا ہے۔

وَاتَّبَعْتُ: یوسف صدیق علیہ السلام نے اپنے مذہب کا بیان کرتے ہوئے انبیاء کے مذہب کا حوالہ دیا کہ اقرارِ توحید کے ساتھ شہادتِ نبوت بھی ضروری ہے، ورنہ ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

لفظ ملت کا عام و خاص استعمال

مِلْتُ: طریقہ، شریعت، راہ روشن۔ قرآن میں اس لفظ کا اطلاق صرف سنتِ انبیاء علیہم السلام کے لیے ہوا ہے۔ بعد میں اس لفظ کا استعمال عام ہو گیا۔ (الْكَفَرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ).

إِبْرَاهِيمَ: ماں باپ نے حضور کا نام ابرام رکھا تھا۔ ابراہیم الہامی نام ہے اور اس کا ترجمہ أَبِ رَحِيم (پدر مہربان) ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا ذکر

۲۰۰۰ قبل مسیح میں پیدا ہوئے۔ ۷۵ سال کی عمر پائی۔

مجاہد، مہاجر، بانی کعبہ، معاہد باللہ

(۱) آپ مہاجر بھی ہیں، بابل سے فلسطین کی طرف ہجرت کی۔

(۲) آپ مجاہد و غازی بھی ہیں، آپ نے کدلا عمر اور اس کے تین اتحادیوں سے جنگ کی اور ان کو شکست دی۔ مالِ غنیمت حاصل کیا۔

(۳) آپ بانی کعبہ ہیں۔ (۴) آپ سب سے پہلے مختون ہیں، جن کے ساتھ اللہ نے ختنہ کو علامت عہد قرار دے کر معاہدہ کیا۔ (۵) آپ مناظر بھی ہیں۔ جنہوں نے بادشاہ دقت سے اثبات توحید کے مسئلہ پر بحث کی۔ (۶) آپ ہی نے مناسک حج قائم کئے۔ (۷) آپ ہی نے فرزند کوراء حق میں ذبح کے لیے چھری کے نیچے لٹایا۔ (۸) آپ کے القاب میں سے ”عمود عالم“ اور ”آدم سوم“ ہیں۔

اسحق علیہ السلام کا حال، اسم اسحق کے معنی

وَاسْحَقُ: اس کا لفظی ترجمہ ”ضاحک“ ہے۔ ابراہیم علیہ السلام ایک سو سال کے تھے، جب حضرت اسحق پیدا ہوئے۔ ۴۰ سال کی عمر میں شادی کی۔ شادی سے ۲۰ سال بعد یعقوب اور یعصو دو توام بچے پیدا ہوئے۔ ۱۸۰ سال کی عمر پائی۔ خاموش، امن پسند، متورع، مستغرق الاوقات تھے۔ فلسطین میں آباد رہے اور باپ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

اسم یعقوب کے معنی

وَيَعْقُوبُ: لفظی ترجمہ ”بعد میں آنے والا“ ہے۔ یہ اپنے بڑے بھائی کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے ان کا نام یعقوب (یا) عاقب رکھا۔

یعقوب علیہ السلام کا مختصر حال

حضرت اسحق علیہ السلام کی عمر ۶۰ سال کی تھی جب یہ پیدا ہوئے۔ ماموں کے گھر بیاہے گئے۔ وہاں بیس سال رہے، پھر وطن کو لوٹ آئے، پھر عہد یوسفی میں مصر گئے، وہاں ۷۱ سال رہے۔ ۱۳۷ سال کی عمر میں مصر میں وفات پائی۔ وہاں سے میت کنعان لائی گئی۔ یوسف علیہ السلام تدفین لاش کے بعد پھر مصر واپس ہوئے۔ ۲۳ سال تک فراق یوسف کا رنج برداشت کیا۔ بعد از فراق ۷۱ سال مصر میں اکٹھے رہے۔ بارہ مشہور بیٹوں کے باپ ہیں۔ ان کا لقب اسرائیل ہے۔ انہی کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ وہ اسباط بھی کہلاتے ہیں۔

شرک کی اجازت کسی کو بھی نہیں

﴿مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ﴾ [یوسف: ۳۸] رد شرک میں نہایت

زبردست فقرہ ہے۔ یوسف علیہ السلام بتلاتے ہیں کہ خواہ کوئی شخص کتنا ہی بزرگ اور عالی منصب ہو جائے۔ شرک کی اجازت اسے بھی کبھی نہیں ملتی۔ اب اگر کوئی شخص اپنی بزرگی و عرفان کے زعم میں آ کر اپنے آپ کو عین ذات سمجھنے لگے یا خود کو رب القدوس کا فرزند، یا جزویا صفات تو حید و تفرید کا مماثل ٹھہرائے تو وہ اس آیت کی رو سے شرک کرتا ہے۔

۱۸ انبیاء کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام رکوع نمبر ۱۰ میں ۱۸ انبیوں کے نام بنام مدح و توصیف فرما کر یہ بھی فرمادیا:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ﴿۱۸۸﴾
 ”اگر یہ بھی شرک کرتے تو ان کے اچھے اعمال بھی برباد ہو جاتے۔“

شرک منافی انسانیت ہے

یہاں شرک کے رد میں یہ فرمایا ہے کہ شرک کرنا فضیلت انسانیت کے منافی ہے۔ رد شرک میں یہ عجیب دلیل ہے۔

مشرکین کن کن چیزوں کے ساتھ شرک کرتے ہیں

مشرک لوگ عموماً درختوں، پتھروں، درند، چرند، کتا، بلی، تیترو وغیرہ کی عظمت کیا کرتے، حیوانات کی حرکتوں یا آوازوں سے نیک و بد کی فال لیا کرتے ہیں، مادی چیزوں کو سجدے کیا کرتے، ان کی منتیں مانا کرتے ہیں۔ یہی حال لوگوں کا قبور اور تمثال کے ساتھ ہے۔ اگر انسان ذرا غور کرے اور سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کا درجہ بحیثیت انسانیت جملہ مادیات ارضی و سماوی سے برتر و اعلیٰ بنایا ہے تو وہ کبھی اپنے شرف انسانیت کو اس ذلت کے ساتھ تبدیل نہ کرے اور بجز اپنے خالق و رازق مالک و مولیٰ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ کے اور کسی کے لیے ایسی تعظیمات بجا نہ لائے۔

عبادت اصنام، عبادت خاک و آتش، عبادت کواکب، عبادت قبور، عبادت نفس، عبادت ہوا و ہوس سب کے سب شرک ہیں۔

شرک کسے کہتے ہیں؟

اب اس قدر بتلانا رہ گیا ہے کہ شرک کسے کہتے ہیں؟ قرآن حمید اور احادیث پاک و ائمہ امت کی مستند کتابوں میں جملہ اقسام شرک پر نہایت مفید مباحث موجود ہیں۔ ہم اس جگہ صرف مناسبت مقام سے اس سوال کا مختصر جواب لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

شرک کی دو بڑی قسمیں

- (۱) اگر کوئی شخص کسی بندہ یا کسی چیز میں اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا پایا جانا ثابت کرتا یا ایسی صفت کی موجودگی اس شخص یا چیز کے اندر ہونا اعتقاد رکھتا ہے، تو وہ شرک ہے۔
- (۲) اگر کوئی شخص مخلوق کی صفات میں سے کسی صفت کا اللہ تعالیٰ کے اندر ہونا بتلاتا یا اعتقاد رکھتا ہے، تب وہ شرک کرتا ہے۔

قسم دوم کی مثال مسیح اور کرشن کی نسبت اعتقاد رکھنے والوں میں پائی جاتی ہے۔ عیسائی اور ہندوؤں کو خدا اور ایثور مانتے ہیں۔

قسم اول کی مثال میں بہت زیادہ لوگ آلودہ ہیں۔ ہزاروں اشخاص ایسے ہیں جو اپنے اپنے مسلمہ بزرگوں کو سمیع و بصر، علم و قدرت میں اللہ تعالیٰ کا مساوی خیال کیا کرتے، تصرف و اقتدار میں رب العالمین کا سہم جانتے ہیں اور اس کے ثبوت میں ہزاروں بے اصل کہانیاں بنا رکھی ہیں۔ یہ شرک ادیان باطلہ میں زوروں پر ہے اور ہم کو نہایت شرم و افسوس سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی یہ کثرت سے پایا جاتا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک اولیائے خدا کا معتقد کوئی شخص تب ہی ہو سکتا ہے۔ جب ان بندگان خدا کو خدائی طاقتوں کا مالک یا حصہ دار بھی تسلیم کر لے۔

قرآن مجید پر عام تدبیر

یہ خرابی صرف اس لیے ہے کہ لوگ قرآن حمید کو نہیں دیکھتے، نہیں سمجھتے، اگر ساری عمر میں کوئی شخص قرآن پاک کا اردو ترجمہ بھی غور و تدبر سے پڑھ لے تو کبھی نجاست شرک میں آلودہ نہ رہے۔

یاد رکھو کہ کلام اللہ ہی انسان کو اللہ تعالیٰ کا عرفان عطا کر سکتا ہے۔
اب ہم پھر تفسیر کی طرف آتے ہیں۔

اسلوب کلام

ان آیات میں اسلوب کلام کو دیکھو کہ کس قدر عالی ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام قیدیوں کے سامنے (جو بانتظار تعبیر ان کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں) اپنا احوال سنارہے ہیں۔ مگر اسی اسلوب میں وہ توحید، نبوت، رد شرک اور وحی کے مسائل کو بیان فرما گئے۔ اس اسلوب کلام پر ہمارے زمانہ کے داعیین الی اللہ کو جو تبلیغ اسلام اور وعظ کا مبارک کام کر رہے ہیں۔ پورا پورا غور کرنا چاہیے۔

﴿يَصَاحِبِي السِّجْنِ ۚ أَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ [یوسف: ۳۹]

”اے زندان کے ساتھیو! کیا متفرق کئی ایک پروردگار بہتر ہیں؟ یا اللہ جو بیگانہ اور سب پر حکمران ہے۔“

يَصَاحِبِي السِّجْنِ: صدیق السِّجْنِ نے ان قیدیوں کو اپنی ذات کی جانب مضاف نہیں کیا، بلکہ جن کی طرف کیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان قیدیوں کا تعلق نبی اللہ کے ساتھ ایمانی نہ تھا، صرف بندش زندانی کا تعلق تھا۔ اگر یہ لوگ ایمان لائے ہوئے ہوتے، تو صرف صاحبی فرماتے اور ایسا فرمانا ان کے لیے موجب صدا افتخار و عزت ہوتا۔ یہ شرف کلام الہی میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کے لیے خاص ہے اور کوئی دوسرا اس شرف میں شامل نہیں۔ انہی کی شان میں ہے: ﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ﴾ ”جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحب سے کہہ رہے تھے“
أَرْبَاب: رب کی جمع ہے۔ سورہ یوسف پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس زمانہ میں ہر ایک نوکر یا غلام اپنے آقا کو رب کہہ کر بلایا کرتا تھا۔ ❀

❀ ڈیرہ اسماعیل خان میں افغانوں کا ایک قبیلہ ہے، اس کا ہر فرد ارباب کہلاتا ہے۔ دوست آشا اے اسی طرح بلاتے ہیں۔ یعنی نام سے پہلے بجائے خان صاحب، شیخ صاحب، مسٹر وغیرہ کے ارباب فلاں کہتے ہیں۔ اسے ترک کرنا چاہیے۔

اہل شرک نے کس کس کو رب بنا رکھا ہے

جیسا کہ اب بھی ہندو ایران میں ہزاروں شرک آلودہ لوگ اپنے اپنے افسر کو خداوند یا خدائے گان کہا کرتے ہیں۔ یا پنجابی والے ہر ایک افسر کو ان داتا (رزق دہندہ) بولا کرتے ہیں۔ اس عادت کو لوگوں نے مذہب میں داخل کر لیا ہے۔

کسی نے وشنو، کسی نے برہما، کسی نے مہادیو، کسی نے ابوالہول، کسی نے تیان چینی، کسی نے غول بیابانی، کسی نے عارف عراقی، کسی نے سلطان الہند، کسی نے ابدال شامی، کسی نے اوتاد مصری، کو غرض مختلف ملکوں میں ہر شخص نے اپنے اپنے تعلق و محبت اور اپنے اپنے میلان طبعی کی مناسبت سے جملہ اختیارات خدائی کسی نہ کسی مخلوق کو ضرور دے رکھے ہیں۔ انہی کو آیت میں ﴿أَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ﴾ فرمایا گیا ہے۔

واحد وہی ہے جو مالک وحدت ہے۔ جس کی توحید عین ایمان ہے۔ جب کوئی شخص بے نگاہ عبرت و تحیرت جملہ کارگاہ عالم کی حقیقت معلوم کرے گا، تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ جملہ اشیا کا وجود و چیزوں کے التصاق کا نتیجہ ہے، (آدم علیہ السلام) بھی اسی کلیہ میں شامل ہیں۔ جن کی خلقت ماء و طین سے ہوئی (پس واحد حقیقی رب العالمین ہی ہے اور اسی لیے ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾ [۱۱۲/الاعلاص: ۳] ہونا اس کا لازم ہے۔ اس مقام کے دقیق مباحث کو یہاں ترک کر دیا جاتا ہے اس قدر یاد رکھنا چاہیے کہ فلاسفوں کا مشہور مقولہ بالکل غلط ہے کہ الواحد لا یصدر عنه الا الواحد۔

قہار: قہر کے معنی غلبہ ہیں اور قہار اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی میں سے ہے: ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ [۵/الانعام: ۱۸] ”وہ اپنے سب بندوں پر غالب ہے“ قہار اسی کا مبالغہ ہے۔ یعنی وہ پاک، ہستی، جس کا قبضہ تام اور غلبہ کامل جملہ مخلوقات پر ہے۔

منقسم خدائی کے حصہ دار، بہتر یا خدائے یگانہ و توانا و قہار

اس آیت میں یوسف علیہ السلام نے مخاطبین کے فہم و دانش کے سامنے ایک صاف بات کو رکھ دیا ہے۔ وہ خود ہی سوچ کر بتلا دیں کہ منقسم خدائی کے حصہ دار بہتر یا یگانہ و توانا معبود جو

سب پر غالب، سب سے برتر ہے۔ بہتر ہے؟ لوگو! تم نے اپنی اپنی پسند کے موافق اپنے بزرگوں کو خدائی اختیار تو دیئے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ غنیمت ہے کہ خدا میں ان طاقتوں کے ہونے کا انکار تم کو بھی نہیں اور اندریں صورت بتلاؤ کہ پھر ان کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔

بطلان شرک کی ایک اور آیت

قرآن میں ایک دوسرے مقام پر ہے ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلَ اللَّهِ لَفَسَدَتَا﴾ [الانبیاء: ۲۲] ”اگر آسمان و زمین میں خدا کے سوا کوئی اور بھی معبود ہوتے۔ تب زمین و آسمان برباد ہو گئے ہوتے۔“ یہ دلیل بھی بڑی زبردست ہے، لیکن آیت زیر بحث میں دلیل کو ایک نئے ہی اسلوب بدیع سے بیان فرمایا گیا ہے اور یہ شان کلام رحمن ہی کی ہے کہ اسالیب مختلفہ اور الفاظ متنوعہ میں معارف عالیہ کو ایسے انداز، ایسے پیرایہ سے بیان کیا جائے کہ ہر ایک کی شان میں نئے نئے محاسن نظر آتے ہوں۔

﴿مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمِيَتْهُمَا آنتُمْ وَ آبَاؤُكُمْ مَا

أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ﴾ [یوسف: ۴۰]

”اللہ کے سوا تم جن جن چیزوں کی پوجا کرتے ہو، وہ تو خالی نام ہی نام

ہیں۔ جو تم نے یا تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے تو ان کی

بابت کوئی سند نہیں اتاری۔“

سُلْطَانٍ: اصل مادہ سلط ہے۔ جس کے معنی طاقت و قدرت ہیں۔ سلیط مرد زبان آور

(یہ صفت ہے) یا زبَن زبان دراز، (یہ ذم ہے) سلطان: کسی کا دائرہ اثر۔ حدیث میں ہے

((لَا يُؤْمِنُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ)) (کسی امام کے دائرہ اثر میں جا کر دوسرے کو

امامت نہیں کرانی چاہیے)

لفظ سلطان کے معنی

سلطان بمعنی دلیل، وجہ، یہی مراد ہے۔

سلطان: صاحب حکومت، حدیث میں ہے۔ ((تُصِيبُ أُمَّتِي مِنْ سُلْطَانِهِمْ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ)

شَدَائِدٌ لَا يَنْجُو مِنْهُ)) پہلا شخص جو تاریخ میں سلطان کے نام سے موسوم ہوا، وہ محمود بن بگتین ہے۔

فرضی ناموں کے دیوتا

اس فقرہ میں یوسف علیہ السلام نے ان باطل معبودوں کو جو اس وقت مصر میں پوجے جاتے تھے، بخ کبی فرمائی اور بتلادیا کہ یہ دیوتا اور دیویاں فرضی نام ہیں۔ دنیا میں کوئی مسمیٰ ان کا نہ تھا۔

یہی حال کل دنیا کا ہے۔ کسی درخت یا پتھر یا پہاڑ کی چوٹی یا غار کی گہرائی یا چشمہ یا دریا پر کسی دیوتا، کسی ٹھاکر، کسی جن، کسی عامل، کسی بزرگ کا نام رکھ دیتے ہیں اور پوجا شروع کر دیتے ہیں۔ فرضی قبریں بنائی جاتی ہیں اور کسی بزرگ سے منسوب کر دیتے ہیں۔ ﴿مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهِمْ مِنْ سُلْطَانٍ﴾ نے بتلادیا کہ اثبات شرک کے متعلق کوئی دلیل عقلی یا نقلی مل ہی نہیں سکتی۔ اب جو کوئی جواز شرک کے مسئلہ پر خدا پرستوں کے ساتھ بحث کرے گا۔ وہ اپنے ہی ناقص فہم یا شیطانی الہام سے بات کرے گا۔ خدا نے تو جواز شرک کی کوئی دلیل پیدا ہی نہیں کی۔

حکم دینے کی شان صرف اللہ ہی کی ہے

﴿إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ﴾ [۱۲/ یوسف: ۶۷] ”حکم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے“

یہ فقرہ پہلے فقرہ کو مضبوط بناتا ہے اور دلیل کو قوی کرتا ہے۔ شرک کرنے والے اکثر اسی امید، اسی گمان فاسد پر غیر اللہ کی پوجا نذر و نیاز کیا کرتے، اُن کو پکارا کرتے، ان کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھا کرتے ہیں کہ ان کے مقاصد کو پورا کر دیں گے، اُن کی مشکلات کو کھول دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ گمان اس وقت صحیح ہو سکتا تھا، جب کسی کے ہاتھ میں کچھ اختیار بھی ہوتا۔ کوئی شخص کوئی حکم دینے کا مجاز بھی ہوتا، لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ حکم دینے کی طاقت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔

نماز میں اقرار، بعد میں انکار.....!

﴿أَمَرَ إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ [۱۲/ یوسف: ۳۰]

”اللہ نے حکم دیا ہے کہ اور کسی کی عبادت نہ کرو صرف اللہ ہی کی عبادت کرو۔“
 پہلی آیت میں بتلایا تھا کہ حکم دینے کی شان صرف مالک انس و جان کی ہے۔ اب
 اپنا حکم بھی بتلادیا اور وہ یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ کی کرو، دوسرے کی عبادت نہ کرو۔
 سورہ فاتحہ میں بھی جسے ہر ایک نمازی دن میں چالیس بار ضرور پڑھ لیتا ہے، یہی سکھلایا گیا
 ہے اور ہر ایک بندہ خدا کے حضور میں اسی اقرار کے ساتھ حاضر ہوتا ہے:

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ [۱/ الفاتحہ: ۳]

”ہم تو خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں، ہم تو خاص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں“
 اس مسلمان کی حالت پر بہت ہی افسوس ہوتا ہے کہ خدا کے سامنے جائے تو ایسا اقرار و
 اظہار کرے اور دربار سے باہر آئے تو پھر غیر کی عبادت و استعانت میں مبتلا ہو جائے۔

﴿ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [۱۲/ یوسف: ۴۰]

”سیدھا مضبوط راستہ دین کا یہی ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

دین کے معنی

دین: طریقہ۔ زبان شرع میں وہ طریقہ جس سے عبادت الہی کی جاتی ہے۔
 قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ [۳/ آل عمران: ۱۹] اللہ کے
 نزدیک اسلام ہی وہ صحیح طریقہ ہے، جس کے مطابق بندوں کو چلنا چاہیے۔

دین القیم

دِينُ الْقَيِّمِ: وہ محکم دین جو رب واحد کا ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لیے واحد دین رہا
 ہو۔ جس کا انکار کوئی صاحب فطرت سلیم نہ کر سکے۔ وجود باری، تعظیم خالق، جزا و سزائے
 اعمال، سلسلہ وحی و نبوت، یہ ایسے اصول محکم ہیں کہ دنیا میں خواہ ہزاروں، لاکھوں مذاہب
 موجود ہیں، تاہم اگر ہر ایک متمدن یا وحشی اقوام کے عقائد کا تجزیہ کیا جائے گا تو اس میں
 مندرجہ بالا اصول ضرور مل جائیں گے۔ اگرچہ اس مذہب باطلہ میں اس سچے اصول کی مثال
 ایسی رہ گئی ہو جیسے کچھڑ میں پانی۔ اب ان اصولوں کو جب اصل واحد کی طرف لایا جائے گا تو
 یہی رہ جائے گا ﴿إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ [۱۲/ یوسف: ۴۰] یاد رکھو کہ تو حید دین قیم سے اور در
 محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

شرک دین محکم ہے۔ یوسف علیہ السلام کا یہ وعظ جو کلام اللہ کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے ایسا زبردست ہے جس نے شرک کو بالکل مٹا دیا اور فنا کر دیا ہے۔ اب کوئی شخص بھی جس میں فہم کا ذرا سا مادہ بھی ہوگا، کبھی شرک کا روادار نہ ہوگا۔

مومن پر حکم الہی کے تحت اپنے عقائد کی پڑتال لازم

ہر ایک مومن کو لازم ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے عقائد و اعمال کو ان آیات کے سامنے پیش کیا کرے اور دیکھ لیا کرے کہ کیا وہ اس دین قیم کا پابند ہے، اس میں کوئی نقص یا کمی تو واقع نہیں ہوئی۔ اگر اپنے آپ کو ایسا ہی پائے، تو ہادیِ برحق کا شکر بجالائے۔ لیکن اگر ذرا بھی تفاوت معلوم ہو تو جلدی سے ادھر رجعت کرے، توبہ و استغفار سے تلافی مافات کرے۔

مسلم اور جھوٹی تاویلین

مسلم کی یہ شان نہیں کہ اپنے غلط افعال و کردار کے صحیح ثابت کرنے میں دور و راز کی تاویلین کیا کرے اور جھوٹ موٹ کے حیلے بہانے ڈھونڈے۔ مسلم کی شان تو یہ ہے کہ رب العالمین کے بتلائے ہوئے دین محکم پر قائم ہو جائے۔

﴿يُصَاحِبِي السَّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا ۚ وَأَمَّا

الْآخَرُ فَيُضْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ﴾ [یوسف: ۳۱]

”اے میرے زندان کے ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب

پلائے گا اور جو دوسرا ہے وہ صلیب پر لٹکایا جائے گا اور پرندے اس کے سر کو

نوچیں گے اور کھائیں گے“

رَبَّة: اس زمانہ میں غلام اپنے آقا کو رب کہا کرتے تھے۔ یوسف علیہ السلام نے انہی کی

زبان کا استعمال فرمایا اور رَبَّة بطور علم کہا، علم میں معنی کا لحاظ نہیں ہوتا۔

صلیب کیا ہے؟

صَلِيب: ایک لکڑی کو زمین پر گاڑتے، پھر اس کی ۹۔۱۰ فٹ کی بلندی پر اس میں

دوسری لکڑی لگاتے۔ (مقاطع/ترجمی) اس کا نام صلیب ہوتا۔ آڑی لکڑی کے ساتھ مجرم

کے دونوں بازوؤں کو باندھ دیتے اور لمبی لکڑی کے ساتھ مجرم کے جسم کو اور بعض اوقات ہاتھوں اور ناگوں میں میخیں بھی ٹھونک دیتے اور پھر مجرم کو مر جانے کے لیے چھوڑ دیتے۔ بھوک، پیاس اور زخموں کی شدت سے مجرم بے چارہ مرجایا کرتا تھا۔ یہ قتل کی وحشیانہ صورت اور نہایت درجہ سنگدلی کا نمونہ تھا۔

تصلیب مسیح علیہ السلام کے واقعہ سے یہودیوں، عیسائیوں کے دو متضاد نتیجے

عیسائیوں کا دعویٰ اور ایمان ہے کہ مسیح کو یونانی حاکم نے یہودیوں کی درخواست پر ایسی ہی لکڑی پر لٹکایا تھا۔ اب عیسائی صلیب کی شکل کو اپنے ساتھ رکھنا یمن و برکت کا موجب سمجھتے ہیں۔

مسیح علیہ السلام کو صلیب پر لٹکائے جانے کا واقعہ یہودیوں میں بھی مسلمہ ہے۔ وہ نہایت شوخی سے کہا کرتے ہیں کہ مسیح لعنتی ہے، کیونکہ وہ صلیب پر لٹکایا گیا اور توراۃ میں ہے کہ جو صلیب پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔

قرآن مجید اور نفی تصلیب

عیسائی نہایت فخر و اطمینان سے کہا کرتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر لٹکایا گیا، اس لیے کہ اس نے گنہگار عیسائیوں کے گناہ اپنے اوپر لے لیے تھے۔ قرآن مجید نے اسی لیے واقعہ تصلیب کی نفی فرمادی تا کہ یہودیوں کا ادعائے باطل اور عیسائیوں کا زعم باطل آشکار ہو جائے۔ قرآن مجید میں ہے۔ ﴿وَمَا صَلَّبُوهُ﴾ [النساء: ۱۵۷] ”مسیح علیہ السلام کو صلیب پر نہیں لٹکایا گیا۔“

عیسائی اگرچہ آج صلیب کے نشان کو حضرت مسیح علیہ السلام کے واقعہ سے منسوب کر کے اس کا استعمال کرتے ہیں، لیکن ان کا یہ خیال بھی غلط ہے۔

مورخین بخوبی واقف ہیں کہ نشان صلیب کا استعمال بطور نشان مقدس حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے بھی سینکڑوں سال پیشتر ”مقہر الازم“ میں موجود تھا۔ اس مذہب میں سورج کی پوجا کی جاتی تھی اور صلیب کا نشان دائرہ فلکی کے خطوط طولانی و عرضی کے محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جائے اتصال کو (جب کہ آفتاب نقطۂ اعتدال پر ہوتا ہے) نمایاں کرتا تھا۔

قسططین اول جب داخل عیسائیت ہوا تو وہ اپنے ساتھ اپنے مذہب قدیم کی بھی بہت سی رسوم لایا تھا۔ نشان صلیب اور اتوار کی حرمت بھی انہی گمراہ کن رسوم میں سے ہیں۔ انگریزی میں یکشنبہ کو سن ڈے اور ہندی میں اتوار کہتے ہیں۔ سن اور آیت کے معنی سورج ہیں۔

یورپ قبل از عیسائیت سورج پرست تھا

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ”متھر ازم“ عیسائیت سے بہت پہلے روما و انگلستان و فرانس کا مذہب تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسی اشیاء کا استعمال ناپسند فرمایا کرتے۔ جس پر صلیب بنی ہوئی ہو۔ اس لیے یورپ کا مال خریدتے وقت احتیاط سے دیکھ لو کہ اس پر صلیب تو بنی ہوئی نہیں ہے۔

تصلیب کا رواج قدیم

معلوم ہوتا ہے کہ صلیب پر لٹکانے کی رسم مصر میں بہت دیر سے جاری تھی۔ فرعون نے بھی ساحروں سے کہا تھا: ﴿لَا صَلْبَنَكُمْ فِي جَذُوعِ النَّخْلِ﴾ [طہ: ۷۱] ”یعنی تم کو درختوں (کجھور کے تنوں) پر لٹکا دوں گا“

اس آیت میں یوسف علیہ السلام کے آداب مصاحبت پر غور کرو۔ یہ نہیں فرمایا کہ تو ساقی بنے گا اور تو پھانسی پائے گا، کیونکہ اس میں صلیب پانے والے کی سخت دل شکنی تھی۔

بیشک انبیاء علیہم السلام کے اخلاق ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ ہم کو بھی لازم ہے کہ کسی شخص کو اس کے عیوب اس طریق سے نہ بتایا کریں جس سے اسے شرمساری لاحق ہو۔

﴿قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِينَ﴾ [یوسف: ۳۱]

”جو تم نے پوچھا، اس میں یہی حکم ہے۔“

امام سفیان ثوری کی روایت

امام سفیان اور محمد بن فضال نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے یہ تعبیر سنائی تو قیدی بولے کہ ہم نے تو کچھ نہیں دیکھا تھا۔ تب یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اللہ پاک کے ہاں سے یہی فیصلہ ہو چکا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بائبل میں ہے کہ تیسرے دن بادشاہ کی سالگرہ تھی۔ ساتی عہدہ پر بحال ہوا۔ دوسرا جوانان پر تھا وہ صلیب پر لٹکا یا گیا۔

خواب ربیعہ اور تعبیر فاروق رضی اللہ عنہ

کتاب الاستیعاب میں ہے کہ ربیعہ بن امیہ بن خلف نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنا خواب سنایا کہ وہ پہلے تو ایک سرسبز و شاداب وادی میں چلتا رہا اور پھر ایک صاف چشیل میدان میں جا نکلا۔ اسی میدان میں چل رہا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو اسلام میں داخل ہوگا اور پھر مرتد بنے گا اور پھر کفر ہی میں مر جائے گا۔ وہ بولا کہ میں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا۔ فاروق رضی اللہ عنہ نے یہی آیت پڑھی۔ ﴿قَضَى الْأَمْرَ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِينَ ۝﴾ [یوسف: ۴۱] یہی ہوا کہ وہ مسلمان بنا۔ پھر جب دیکھا کہ مسلمان رہ کر شراب نہیں پی سکتا تب نصرانی بن گیا اور اسی مذہب میں تھا کہ مر گیا۔

تعبیر کے متعلق ایک روایت

مسند امام احمد میں معاویہ رضی اللہ عنہ بن حبیبہ سے مرفوعاً روایت ہے: ((الرُّؤْيَا عَلَى رَجُلٍ طَائِرٌ مَا لَمْ تُعْبَرْ)) ﴿﴾ ”خواب جس کی تاویل نہ کی گئی ہو۔ وہ ایسی چیز ہے جو پرندہ کے پنجہ میں ہو، تعبیر کر دی تو گر پڑی۔“



رہائی کے لیے یوسف علیہ السلام کی ایک تدبیر

”اس تدبیر کا احسان فراموش کی غفلت سے سرسبز نہ ہونا۔“

﴿وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنَسَهُ

الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ﴾ [یوسف: ۱۲۲]

”ان دونوں میں سے ایک کو جس کی رہائی کا گمان تھا یوسف علیہ السلام نے

کہا کہ اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا۔ مگر شیطان نے بادشاہ کے پاس ذکر

کرنا بھلا دیا اور یوسف چند سال تک زندان میں رہے۔“

ظَنَّ: شخص اور شے کے متعلق استعمال میں اس کے معنی مختلف ہوتے ہیں۔ جب لفظ ظن

کسی شخص کے متعلق مستعمل ہو تو اس کے معنی بدگمانی ہوتے ہیں: ﴿اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ

الظَّنِّ﴾ [الحجرات: ۱۲۹/۱۲۹] ”لوگوں پر بدگمانی سے بچو“ ﴿يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ

الْجَاهِلِيَّةِ﴾ [ال عمران: ۱۵۴/۱۵۴] ”اللہ تعالیٰ کی نسبت بیہودہ، جاہلانہ بدگمانیاں کرتے تھے۔“

جب ظن کا استعمال کسی شے کے متعلق ہو۔ تو وہاں گمان نیک اور ایقان مراد ہوتا

ہے۔ ﴿وَأَظُنُّوْا أَنِّي لَا مُلْجَاؤُ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ﴾ [التوبہ: ۱۱۸/۱۱۸]

انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا اور کہیں ٹھکانہ نہیں۔

بعض اوقات لفظ ظن عام معنی میں ہوتا ہے۔ اس وقت وہ طرف رائج کا اظہار کرتا

ہے۔ آیت زیر تفسیر میں گمان نیک کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔

یوسف علیہ السلام نے رہائی پانے والے اور ساقی شاد بننے والے کو اپنا ذکر بادشاہ سے کر

دینے کے لیے فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں قیدیوں کے واسطے اپیل کرنے کا

کوئی ضابطہ نہ تھا۔ جس ظالم افسر نے چاہا کسی ناکردہ گناہ کو پکڑا، قید میں بھیج دیا۔ نہ میعاد

مقرر ہے، نہ عذر و فریاد کرنے کا کوئی چارہ کار ہے۔

یہ ایک حسن اتفاق تھا کہ صدیق علیہ السلام کو ایک ایسا قیدی مل گیا تھا، جو رہائی پا کر قرب

شاہ میں بھی جانے والا تھا اور وہ حضور کا مرہون احسان بھی تھا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اس حسن اتفاق سے فائدہ اٹھایا اور اپنے متعلق ذکر کر دینے کی اسے ہدایت فرمائی۔

یوسف علیہ السلام کا سبق آموز فعل

یوسف علیہ السلام اپنے اس فعل سے ہمارے لیے یہ سبق چھوڑ گئے کہ جب کسی شخص کو اپنی بہبود و سود کا کوئی موقعہ ہاتھ لگے تو اسے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ لوگ اس نکتہ کو نہیں سمجھتے بلکہ وہ کہا کرتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کا ایسا کرنا تو کل کے خلاف اور رضا برضا کے مخالف تھا۔ لیکن ایسا سمجھنا بالکل غلط ہے ممکن ہے کہ یہ غلطی اس روایت کی وجہ سے ہوئی ہو۔ لَوْ لَمْ يَقُلِ الْكَلِمَةَ الْبُئْيَ قَالَ لَعَنِي اِذَا كُرْنِي عَنْدَ رَبِّكَ کا پیغام نہ کہتے۔ تب وہ اتنے برس تک زندان میں نہ رہتے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ روایت حد درجہ ضعیف ہے۔ اس روایت کے جملہ طرق میں سفیان بن وکیع آتا ہے، جو ضعیف ہے۔ نیز ابراہیم بن یزید الجوزی بھی آتا ہے، جو ضعیف تر ہے۔

اگر کوئی شخص قرآن مجید کو بغور پڑھے اور کتاب مجید پر تامل کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسقاط اسباب اور ترک تدبیر کا حکم کسی جگہ بھی نہیں دیا۔

مسبب الاسباب نے تو طرق متنوعہ اور اسالیب بدیعہ کے ساتھ یہ ظاہر فرمایا ہے کہ قوانین کو نبیہ اور احکام شرعیہ اور اصول ثواب و عقاب مرتب براسباب ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں بیان اسباب کے طریقے بیان اسباب کے متعلق قرآن مجید میں مفصلہ ذیل طریقے کھلے طور پر واضح فرمائے گئے ہیں:

کبھی ”ل“ یا ”ب“ سبب سے ذکر فرمایا: ﴿فَاحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ [البقرة: ۱۶۴] ”پانی کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کیا۔“

﴿كَتَبَ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ﴾ [ابراہیم: ۱۱]

”ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی تاکہ تو لوگوں کو اندھیروں سے نکالے۔“

کبھی امر و نہی کے مقتضی کا بیان فرمایا: ﴿وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ﴾^{۵۱/المائدہ: ۲۹} ”ظالموں کی جزا یہی ہے۔“ ﴿وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكُفُورَ﴾ ”نا فرمانوں کے سوا اور کسی کو بدلہ نہیں دیا جاتا۔“

کبھی جزاء اعمال کو سمجھایا: ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ﴾^{۳۱/النساء: ۱۶۰} ”یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے اُن پر چیزیں حرام کی گئیں۔“

ان آیات اور ان کے اَشْبَاه و نظائر پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ قرآن مجید نے جا بجا بیان اسباب، ذکر اقتضا میں، صراحت علت اور وضاحت سبب فرمائی ہے۔ پس ترک اسباب ایک ایسا مذہب ہے جس کا بطلان، حسن و نظر، عقل و فطرت اور تعلیم الہی سے بخوبی ہوتا ہے۔

اس مدعا پر احادیث صحیحہ بھی بکثرت پائی جاتی ہیں۔ حدیث میں ہے ((قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا نَدْعُ الْعَمَلَ وَنَتَّكِلُ عَلَى كِتَابِنَا؟ قَالَ لَا اِعْمَلُوا)) ﴿لوگوں نے کہا: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم عمل کرنا چھوڑ دیں اور اپنے اپنے نوشتہ پر بھروسہ نہ کریں؟ فرمایا: ایسا نہ کرو، بلکہ عمل کیا کرو۔“

سنن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ سوال بھی ملتا ہے کہ کیا ادویہ و رقیہ کا استعمال تقدیر الہی کو بدل دیتا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((هِيَ مِنْ قَدْرِ اللَّهِ)) ﴿ان اشیاء کا استعمال بھی تو تقدیر الہی ہی میں سے ہے۔

بابام طاعون امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امین الامۃ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا کہ فوج کا کیمپ بدل دیا جائے اور انہوں نے یہ شک ظاہر کیا تھا ((أَفَرَأَى مِنْ قَدْرِ اللَّهِ)) کیا تقدیر الہی سے فرار کیا جائے؟ تب امیر المؤمنین نے فرمایا تھا ((نَفَرُ مِنْ قَدْرِ اللَّهِ إِلَى قَدْرِ

﴿بخاری: کتاب التفسیر، باب فسیسہ للعسری، رقم: ۴۹۳۹۔ مسلم: کتاب القدر، باب کیفیہ خلق الآدمی، رقم: ۶۷۳۱۔ ترمذی: ابواب القدر باب ماجاء فی الشفاء والسعادة، رقم: ۲۱۳۶۔ ابن ماجہ: ابواب السنۃ، باب فی القدر، رقم: ۷۸۔

﴿ترمذی: ابواب القدر، باب لا ترد الدقی من قدر اللہ هیما۔ رقم: ۲۱۳۸۔ ابن ماجہ: ابواب الطب، باب ما انزل اللہ دواء الا انزل لہ شفاء، رقم: ۳۳۳۔

اللہ)) ہاں میں تقدیر الہی سے تقدیر الہی ہی کی جانب جاتا ہوں۔ المختصر اسباب و تدبیر کا عمل میں لانا منافی تقدیر نہیں اور توکل کے متضاد نہیں اہل توکل وہ ہیں۔ جو اسباب و تدبیر کرتے ہیں۔ مگر ان پر اعتماد نہیں کرتے۔ ان کا اعتماد اور وثوق و اطمینان قلب و سیکہ تو مسبب الاسباب ہی پر ہوا کرتا ہے۔

یوسف علیہ السلام کا فعل سنن ہدیٰ میں سے ہے

یوسف علیہ السلام کا اس رہائی پانے والے اور شاہ تک پہنچنے والے قیدی سے اپنی بات کو کہنا ایک تدبیر اور سبب تھا اور ان کا یہ فعل ان سنن ہدیٰ میں سے ہے، جس پر جملہ انبیاء کرام گامزن رہے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قبل از جنگ بدر مکہ کے راہوں پر فوجی دستے بھیجنا اور قریش کے ارادوں سے علم حاصل کرتے رہنا بھی ایک تدبیر ہی تھا۔

جنگ احزاب میں خندق کا کھودنا بھی ایک تدبیر ہی تھا۔ جنگ حنین میں فراہمی اسلحہ کے لیے اہل ذمہ سے بھی اسلحہ جات کا جمع کرنا ایک تدبیر ہی تھا۔

صلح حدیبیہ میں ((مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ)) کی جگہ ((مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ)) لکھنے کی اجازت فرمادینا بھی انعقاد صلح کے لیے ایک تدبیر تھی۔

الغرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک سے ایسے بیسیوں واقعات کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔ جو کوئی شخص توکل کے معنی ترک تدبیر سمجھتا ہے وہ توکل کے معنی ہی سے بے خبر ہے۔

ساقی کی فراموش کاری

اب اس شخص کی سنو! وہ زندان سے نکل کر بادشاہ کا ساقی بن گیا۔ دنیا کی ہوا لگتے ہی یوسف جیسے پاک منش کی یاد نہ رہی۔ وہ صدیق کی تعلیم، حضور کے اخلاق، حضور کے

بخاری: کتاب الطب، باب ما یذکر فی الطاعون، رقم ۵۷۲۹۔ مسلم: کتاب السلام، باب الطاعون، رقم ۵۷۸۳۔ بخاری: کتاب الصلح باب کیف یکتب هذا ما صالح فلان، رقم ۶۲۹۹۔ مسلم: کتاب الجہاد، باب صلح الحدیبیہ، رقم ۴۶۲۹۔

احسانات کو یکبارگی بھول گیا اور اس نے پھوٹے منہ سے بادشاہ کے پاس ذکر بھی نہ کیا۔

شراب کا اثر فوری دماغ پر

یہ ظاہر ہے کہ جو شراب پلانے کی خدمت شاہی پر مامور ہوتا ہے۔ وہ خود مذمن شراب (شراب کا عادی) ہوتا ہے۔ شراب پینا عمل الشیطان ہے اور جملہ قوائے دماغی و اخلاقی کا ستیاناس کرنے والا ہے۔ اس لیے رب العالمین کا ارشاد صحیح ہے کہ شیطان نے اسے بھلا دیا۔ مجاہد و ابن اسحاق وغیرہ ائمہ کا مذہب یہی ہے کہ ﴿فَأَنسَلْهُ الشَّيْطَانُ﴾ [یوسف: ۴۲] کی ضمیر ساقی کی طرف ہے (تفسیر ابن کثیر ص ۲۰۵) بائبل ۱۳/۴۰ میں ہے پھر سردار ساقی نے یوسف علیہ السلام کو یاد نہ کیا بلکہ اسے بھول گیا۔

بعض مفسرین نے لکھ دیا ہے کہ ضمیر کا مرجع یوسف علیہ السلام کی طرف ہے مگر یہ معنی غلط ہیں۔ اس معنی کی تائید میں ایک روایت ابن جریر میں بیان کی گئی ہے مگر اس روایت میں ایک توسفیان بن وکیع ہے، وہ ضعیف ہے۔ دوم ابراہیم بن یزید جوزق ہے، وہ اضعف ہے۔ ایسی روایت کا یہ درجہ نہیں ہو سکتا کہ ایک اصولی مسئلہ کو طے کر سکے۔

اس معنی کے غلط ہونے پر قرآن مجید سے دو دلائل بیان کئے جاسکتے ہیں۔

اول: قرآن مجید میں آگے چل کر آتا ہے: ﴿وَأَذْكُرْ بَعْدَ أُمَّةٍ﴾ [یوسف: ۴۵] ”قیدی کو دیر کے بعد وہ بات یاد آئی۔“ ظاہر ہے کہ یاد آنا بھولنے والے کے لیے ہوتا ہے۔ دوم: اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرما دیا تھا: ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ [الحجر: ۴۲] ”میرے بندوں میں تیرا کچھ قابو نہ چلے گا۔“

غرض مطلب آیت یہ ہوا کہ بادشاہ کو خبر تک نہ ہوئی کہ ایک مظلوم، بے گناہ، پاک منش جیل میں پڑا ہے۔

ساقی خود شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہو گیا۔

عزیز مصر کو کیا ضرورت تھی کہ یاد کرتا۔ اس کے ظالمانہ حکم سے تو حضرت صدیق علیہ السلام

جیل میں پہنچے تھے۔

امراۃ العزیز کو کیا غرض تھی کہ ایسے عصمت پرور، اللہ سے ڈرنے والے بندہ کی خبر

لیتی! جو اس کی جہنمی خواہش میں اس کا شریک نہ بنتا تھا۔

بِضْعَ سِنِينَ: بضع ۳ سے ۹ تک کے لیے آتا ہے۔ اکثر مفسرین کا اتفاق اس پر ہے کہ یوسف صدیق علیہ السلام زندان میں سات سال تک رہے تھے اور چونکہ عمر چاہ میں گرانے کے وقت ۷۱ سال تھی اور وزارت کے وقت ۳۰ سال اور مدت قید ۷ سال۔ تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عزیز کے گھر میں یوسف علیہ السلام کا قیام ۶ سال تک رہا تھا۔ واضح ہو کہ ”بِضْعَ سِنِينَ“ کا لفظ سورہ روم میں بھی آیا ہے۔

مناجبت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وابن خلف ملعون

جہاں بطور پیشگوئی بتلایا گیا ہے کہ رومیوں کو شکست ہو گئی ہے مگر وہ بِضْعَ سِنِينَ میں پھر غالب ہو جائیں گے۔ اس پر ابی بن خلف نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مناجبت (شرط) کی کہ اگر رومیوں کو ایرانیوں پر ۹ سال میں فتح ہو گئی تو ابو بکر ۱۰۰ اشتر لے لیں گے اور اگر فتح نہ ہوئی تو ابی لے لیگا۔ ساتویں سال اللہ تعالیٰ نے رومیوں کو فتح دی اور صدیق رضی اللہ عنہ نے ابی ملعون کے ضامن سے شرط کے اونٹ وصول کر لیے اور صدقہ میں دے دیئے۔ اس وقت خود ابی بدر میں ہلاک ہو چکا تھا۔

اس واقعہ میں چونکہ قرآن مجید کی صداقت اور پیشگوئی کے پورا ہونے کا ذکر ہے۔ اس لیے اسے یاد رکھنا چاہیے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ شرط جیتنے کا زمانہ ۲۰ھ کا ہے جب کہ شرط لگانا منع نہ ہوا تھا۔

جوازِ سود پر غلط استدلال

ہمارے زمانہ کے لوگ صدیق رضی اللہ عنہ کے فعل کو جوازِ سود کی دلیل میں پیش کیا کرتے ہیں، لیکن اس واقعہ سے ایسا استدلال نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ:

- ① حرمتِ ربا کے احکام ۱۰ھ کو جاری ہوئے اور یہ واقعہ ۲۰ھ کا ہے۔
- ② صدیق امت نے اپنا روپیہ قرض دے کر یا امانت رکھ کر اس پر سود نہیں لیا۔ اس لیے

اس واقعہ کو بینک کے زراعت کا شبہ و نظیر بتانا غلط ہے۔
محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

③ صدیق امت نے اُن اونٹوں کو صدقہ کر دیا تھا۔ اس لیے یہ واقعہ بینک کا سود لینے والوں کے لیے کچھ مفید نظر نہیں۔

④ اس واقعہ سے یہ بھی نہیں نکل سکتا کہ سود خوار اقوام سے سود لے کر پھر اسلامی ضروریات میں اسے صرف کر دیا جائے۔ اگر یہ اصول صحیح ہوتا تو صحابہ کرام یہود جیسی سود خوار قوم سے ایسا معاملہ ضرور کرتے، حالانکہ صحابہ اختیار کو فتح شام کے مکمل ہو جانے تک روپیہ کی از حد ضرورت رہتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی سقیم الحالی اور بے زری بہت زیادہ قابل توجہ ہے۔ مگر اس کی اصلاح دو طریق سے ہو سکتی ہے۔

مسلمان سود دینے کی وجہ سے تباہ ہوتے ہیں

اول: مسلمانوں کو سود دینے سے روکا جائے۔ افسوس یہ ہے کہ مسلمان سود دینے کی حرمت کو پورا پورا نہیں سمجھتے۔ اگر سود دینے کی حرمت بھی اُن کے دلوں میں محکم و جانشین ہو جائے جیسا کہ سود لینے کی حرمت کا حال ہے۔ تب وہ کروڑوں روپیہ جو مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر غیر مسلموں کی جیبوں میں پہنچ جاتا ہے اور جس سے مسلم جماعت کا قومی افلاس اور غیر مسلم جماعت کا قومی تمول سال بسال روز افزوں ہے، بالکل رک جائے۔

شرعی بیت المال کا نہ ہونا مسلمانوں کی تباہی کا سبب ہے

دوسری تدبیر: بیت المال کا قائم کرنا ہے جس کی ابواب آمد صرف وہی ہوں جو کلام اللہ العظیم میں بتلائے گئے ہیں۔ بیت المال ان تمام قومی ضروریات کا کفیل ہو سکتا ہے جن کے لیے ہمارے بھائی آج جواز سود کے دلائل پیش کیا کرتے ہیں۔

علماء کرام کی توجہ درکار ہے

اس زمانہ میں علماء کرام نے قومی ضروریات کی جانب توجہ فرمانا شروع کر دیا ہے۔ امید ہے کہ وہ ان ہر دو امور پر کامل اور جلد توجہ ضرور فرمائیں گے۔



مسبب الاسباب کا رہائی صدیق علیہ السلام کے لیے خود ایک سبب بنانا
بادشاہ کا خواب دیکھنا، تعبیر خواب سے اہل دربار کا عاجز ہو جانا،
ساقی کا زندان میں جا کر یوسف علیہ السلام سے تعبیر معلوم کرنا۔

بادشاہ کا خواب دیکھنا

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَ سَبْعٌ سُتْلَتٌ خُضِرٌ وَأُخْرَى يَبْسُتٌ يَأْتِيهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُءْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا يَعْبُرُونَ﴾ [يوسف: ١٢/٣٣]
”بادشاہ نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ سات فرہ گائیں ہیں اُن کو سات دبلی گائیوں نے کھا لیا۔ اسی طرح سبز بالیں ہیں اور خشک بالیں۔ اے سردارو! میرے خواب کی بابت بیان کرو۔ اگر تم خواب کی تعبیر جانتے ہو۔“

الْمَلِكُ: نام شاہ مصر

مصر کا بادشاہ اس زمانہ میں ربان بن ولید تھا۔ جسے یورپین مورخ ای پونس لکھتے ہیں۔ یہ مصری خاندان ہمد ہم (۷۱) کا جوراعی خاندان کے نام سے مشہور ہے، بادشاہ تھا۔ یہ خاندان سامی النسل تھا، لیکن عہد موسیٰ علیہ السلام کا فرعون قبطی نسل سے تھا۔ اس اختلاف قومیت کو بھی ان دونوں فرائعین کے اختلاف مزاج کا سبب قرار دیا جاسکتا ہے۔

سِمَان: سمین اور سمہ کی جمع ہے۔ فرہ، تیار۔

عِجَافٌ: عجفاء کی جمع ہے۔ یہ جمع سامی اور خلاف قیاس ہے۔

مَلَأٌ: ملی کی جمع ہے۔ ملاء بھی جمع آتی ہے۔

محاورہ ہے هُوَ اَمْلَأُ الْقَوْمِ۔ وہ ساری قوم میں زیادہ مقدرت اور دولت والا ہے۔

تَعْبُرُونَ: عبور سے بنایا گیا ہے۔ عبور کے معنی ہیں۔ پانی چیر کر دوسرے کنارہ پر پہنچ جانا۔ یہ تو لغوی معنی تھے۔ اب اصطلاح میں صور خیال سے معانی نفسانہ تک پہنچنے کا نام محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تعبیر ہو گیا ہے۔

قدیم مصریوں میں گائے کی حرمت

قدیم مصریوں میں گائے کی بڑی حرمت تھی جیسا کہ اب ہندوؤں میں ہے۔ بادشاہ کے لیے یہ خواب اس لیے وحشت خیز تھا کہ گائیوں نے گائیوں کو کھالیا۔

﴿قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ، وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعِلْمِينَ﴾

”در بار کے سرداروں نے کہا: یہ تو پریشان خواب کی باتیں ہیں۔ ایسے خوابوں کی حقیقت ہم نہیں جانتے۔“ [یوسف: ۳۳]

أَضْغَاثُ: ضغث کی جمع ہے۔ برسات کے موسم میں جس زمین پر میسوں قسم کی بوٹیاں نکلی ہوئی ہوں، ان کو مٹی بھر کر توڑ لو، جو کچھ تمہارے ہاتھ میں آ جائے، وہ ضغث ہے۔

چونکہ مٹی میں مختلف بوٹیوں کے پتے، ڈنڈے وغیرہ آ جاتے ہیں۔ اس لیے ایسے خواب پریشان کو جس میں غیر متعلق، بے جوڑ، باتیں ہوں، اضغاث کہتے ہیں۔
أَحْلَام: حلم کی جمع ہے۔ رویائے کا ذبیہ، بے اصل خواب۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس بادشاہ کے یہ سردار لیاقت تو کچھ نہ رکھتے تھے، مگر باتوں پورے تھے۔ علم تعبیر سے اُن کو ذرا مس نہ تھا۔ اپنی عدم قابلیت کا اقرار تو نہ کیا، بلکہ بادشاہ کے خواب ہی کو جھوٹا بتا دیا اور خواب کے لیے اضغاث احلام دو لفظ جمع کر دینے سے اس کے بے اصل محض ہونے کا پورا مبالغہ کر دیا۔

﴿وَقَالَ الْيُذْيُ نِعَامٍنْهُمَا وَاذْكُرْ بَعْدَ أَمَةٍ أَنَا أُتْبِكُمْ بِتَأْوِيلِهِ

فَأَرْسَلُونِ﴾ [یوسف: ۳۵]

”وہ جو دو قیدیوں میں سے ایک رہائی یافتہ تھا۔ بولا: (اے عرصہ کے بعد بات بھی یاد آگئی) کہ میں تم کو اس خواب کی حقیقت بتاؤں گا۔ تم مجھے (جیل تک) جانے دو۔“

أَمَّة: عرصہ طویل، یہ قول عکرمہ کا ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ بعض نے اسے ”أَمَّةُ الرَّجُلِ بَائِمِهِ“ سے لیا ہے اور اس کے معنی نسیان بتلائے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص انفروں کی

ذیل میں شامل نہ تھا کیونکہ یہ بادشاہ کو مخاطب نہیں کرتا، بلکہ سردارن دربار کو مخاطب کرتا ہے۔

ساقی کی فرومایہ طبیعت

علاوہ ازیں اس کی طبیعت کی فرومانگی بھی ظاہر ہے۔ (۱) یوسف علیہ السلام کے احسان کو بھلایا۔ (۲) اب وہ یاد بھی آئے، تو ان کا ذکر سرداروں سے نہیں کرتا۔ بلکہ صرف اس قدر چاہتا ہے کہ اسے دربار سے جانے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ اتنے عرصہ میں یوسف علیہ السلام سے دریافت کر آئے اور ان کے علم سے خود فائدہ اٹھائے۔

شاہی درباروں کے لوگ اکثر کیسے ہوتے ہیں

اس قسم کے لوگ شاہی درباروں میں اکثر ہوا کرتے ہیں، جو دوسروں کی قابلیت اور محنت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور دوسروں کی کمائی سے اپنے لیے عزت اور منفعت چاہتے ہیں۔

﴿يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعُ عِجَافٍ وَ سَبْعِ سُنبُلٍ خُضَرٍ وَأَوْخَرَ يُسَبِّبُ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ [۱۳/یوسف: ۳۶]

”اے یوسف علیہ السلام! اے سراپا صدق! ہمیں تین سو بقرات سیمان کو کھائیں، اُن کو سات دہلی گائیں کھارہی ہیں اور سات سرسبز خوشے سات خشک خوشوں کو۔ اس کی حقیقت تین سو گائوں کے پاس جاؤں اور وہ بھی سمجھ جائیں۔“

صِدِّيق: کثیر الصدق، دائم الصدق، وہ شخص جس کے قول کی تائید اس کے فعل سے ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں یہ لقب شیخ الانبیاء ابراہیم علیہ السلام کے لیے بھی آتا ہے: ﴿وَإِذْ كُوفِيَ الْكِتَابُ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا﴾ [۱۹/مریم: ۵۱] حدیث پاک میں یہ لفظ شیخ الخلفاء الراشدین ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معہ ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم جبل احد پر تھے، پہاڑ ہلاتو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَتُبْتُ أَحَدًا فَمَا عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ وَ صِدِّيقٌ وَ شَهِيدَانِ)) ❁

❁ بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب عمرؓ رقم ۳۶۸۶۔ ابوداؤد: کتاب السنہ، باب فی الخلفاء، رقم ۴۶۵۱۔

”احد ٹھہر جا، تجھ پر نبی اور صدیق اور دو شہید بھی ہیں“

اس حدیث کی تائید قرآن مجید کی آیت ﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصَّدَقِ وَصَدَّقَ﴾ [۳۹/ الزمر: ۳۳] کی تفسیر سے ہوتی ہے۔ معالم التنزیل میں ابو العالیہؒ سے روایت ہے کہ ﴿جَاءَ بِالصَّدَقِ﴾ رسول اللہ ﷺ اور ﴿صَدَّقَ بِهِ﴾ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

صدق کا بیان

صدق کی تعریف

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ صدق ہی روح اعمال ہے اور صدق ہی محکم احوال۔ اگر اعمال میں صدق شامل نہیں تو وہ مردہ ہیں اور اگر صدق کی کسوٹی پر احوال پورے نہیں اترتے تو وہ محض تخیلات ہیں۔ صدق کی مختصر تعریف یہ ہے کہ ”ظاہر و باطن یکساں ہو۔“

صدق میں تفاوت درجات مردم

صدق سے تین الفاظ بمعنی فاعل آتے ہیں۔ صادق اور صدوق اور صدیق صادق سے صدوق کا درجہ بڑا ہے اور صدوق سے صدیق کا درجہ بڑا ہے۔

صادق کا بیان

صادق کے قلب میں ایک ایسا داعیہ موجود ہوتا ہے۔ جو کسی دباؤ یا روک سے دبتا ہے، نہ رکتا ہے۔ اس میں ایسی طلب پائی جاتی ہے، جسے انقطاع نہیں ہوتا۔ وہ ایسے عزم درست کا شخص ہوتا ہے۔ جو ہر ایک مانع پر غالب آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [۹/ التوبہ: ۱۱۹]

”اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صادقین کے ساتھ رہو۔“

صدوق کا بیان

وہ عزائم اعمال پر عمل کرنے کا مشتاق ہوتا ہے۔ وہ جلال الہیہ کے سامنے ہمیشہ اپنے نقص و کمی کو محسوس کیا کرتا ہے۔ وہ زندگی کو صرف حق کے لیے پسند کیا کرتا ہے۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ: ”اگر دنیا میں جہاد اور نماز اور علم نافع کا وجود نہ ہوتا، تو میں

اس جہان میں رہنا کبھی پسند نہ کرتا۔“

صدیق کا بیان

صدیق کی تعریف

وہ معرفت صدق کا عارف ہوتا ہے۔ اس کے احوال و اقوال، عزم و ارادہ، مستقیم و احسن و قوی و راسخ ہوتے ہیں۔ اس کا واحد مقصود ”رضائے حق“ ہوتا ہے۔ یہ وہ کمال ہے جو کمال نبوت سے ملا ہوا ہے۔ یہ وہ سراج ہے جو چراغ نبوت سے روشن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ

وَالصّٰدِقِيْنَ﴾ [النساء: ۶۹]

”اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والوں کو اللہ کے انعام یافتہ بندوں یعنی انبیا

اور صدیقیوں کی معیت دی جائے گی۔“ [ماخوذ از منازل السالکین للامام ابن قیم]

شاہ ولی اللہ اور صفت صدیق

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں صدیقیت و محدثیت پر بحث لطیف لکھی ہے۔ انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ ”صدیق اصل فطرت میں ذات پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہوتا ہے وہ جو تعلیم نبی اللہ سے حاصل کرتا ہے۔ اس کے دل میں ایسی راسخ ہو جاتی ہے، گویا وہ علوم اسی کے دل سے نکلے تھے۔“

”صدیق پر انوار وحی نبوت کا انعکاس ہوتا ہے اور تعاقب درود انوار سے۔“

”تاثیر و تاثر، فعل و انفعال کا ایسا تسلسل قائم ہو جاتا ہے کہ صدیق فدا و فدا کے منصب پر ممتاز ہو جاتا ہے اور اس وقت یہ کیفیت ہوتی ہے کہ نبی کی روحانیت صدیق کی زبان پر تکلم کیا کرتی ہے۔“

فضائل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

صدیقیت کے انہی احوال پر ان احادیث میں اشارہ ہے جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کی شان میں ہیں۔ حدیث میں ان کو ((أَمَّنَ النَّاسَ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ))^{*} فرمایا گیا ہے ”یعنی مصاحبت اور زرو مال کے فدیہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کا احسان و منت مجھ پر سب سے بڑھ کر ہے“ دوسری حدیث میں ہے۔ ((لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا لَا تَخَذُتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا وَلَكِنَّ اللَّهَ اتَّخَذَنِي خَلِيلًا))^{*} یعنی ”اگر میں مخلوق میں سے کسی کو خلیل بناتا، تو ابو بکر کو بناتا، مگر مجھے تو اللہ نے اپنا خلیل بنالیا ہے۔“

صدیق امت بالاتفاق ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ آپ کے سوا اور کوئی..... اس لقب سے ملقب نہیں ہوا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

و سُمِّيتَ صِدِّيقًا وَ كُلُّ مُهَاجِرٍ سِوَاكَ يُسَمِّي بِاسْمِهِ غَيْرَ مُنْكَرٍ^{*}
قرآن مجید میں انہی کو ”ثَنَانِی الثَّنِیْنِ“ فرمایا گیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے کلام میں کسی دوسرے کو ثانی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بتایا گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی کو سب سے پہلے حج اسلام کا سردار ”امیر الحاج“ بنایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی کو سب سے بڑی فوج اور سب سے آخری غزوہ تبوک میں فوج کا سپہ سالار بنایا اور علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سپرد کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی کو مسجد نبوی میں اپنی آنکھوں کے سامنے نماز کے لیے امام المومنین بنایا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی صرف وہ ہیں جو خلیفہ رسول اللہ کے خطاب سے ملقب ہوئے۔ دیگر خلفائے راشدین مہدیین ”امیر المومنین“ کے لقب سے مخاطب کئے جاتے تھے۔ ان سب واقعات کی وجہ یہی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ”صدیق“ تھے اور صدیق ہی نبی اللہ سے قریب تر ہوتا ہے۔

أَفْتِنَا: أَفْتَى أَفْتَاءً سے ہے۔ اس کے معنی ہیں، سوال کا جواب واضح طریق سے دینا۔

^{*} ترمذی: ابواب المناقب، باب لو كنت متخذاً خليلاً، رقم: ۳۶۶۰۔

^{*} مسلم: کتاب فضائل الصحابة رضی اللہ عنہم، باب من فضائل أبي بكر، رقم: ۶۱۷۳..... بخاری: کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۳۶۵۶۔ ترمذی، ابواب المناقب، باب لو كنت متخذاً خليلاً، رقم: ۳۶۵۹، ابن ماجہ: ابواب السنۃ، باب فضل ابي بكر رضی اللہ عنہ، رقم: ۹۳۔ ترجمہ: آپ کا نام صدیق رکھا گیا اور آپ کے علاوہ ہر ایک کو اس کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ درال حالیہ وہ اس نام میں غیر معترف نہیں ہے۔

خود غرض لوگوں کے حالات

آیت کے مضمون پر غور کرو کہ یہ خود غرض شخص اب یوسف کو ﴿أَيُّهَا الصَّدِيقُ﴾ کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ وہ توفی الواقع اسی خطاب کے شایان تھے۔ لیکن اس سے پیشتر اس نے نبی اللہ کو کبھی یاد بھی نہ کیا تھا۔

یہ شخص اب بھی یہ بات صدیق علیہ السلام سے چھپاتا ہے کہ خواب کس کا ہے۔ وہ صرف اس قدر کہتا ہے کہ لوگوں کو اس خواب کی تعبیر کی ضرورت ہے۔

اس دورخی چال کو دیکھو کہ دربار میں یوسف علیہ السلام کا نام نہیں لیتا اور یوسف صدیق علیہ السلام کے سامنے بادشاہ کا ذکر نہیں کرتا۔ سچ ہے! خود غرض لوگ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

تعبیر یوسف علیہ السلام

﴿قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَابًّا ۖ فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبِلَةٍ
إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَأْكُلُونَ ۝ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ
يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَحْصِنُونَ ۝ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ
ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يَغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ۝﴾ [یوسف: ۴۷، ۴۸، ۴۹]

”یوسف علیہ السلام نے کہا۔ تم سات سال متواتر زراعت کرتے رہو گے۔ جو اناج کاٹا جائے اسے خوشہ کے اندر ہی رہنے دو۔ صرف کھانے بھر کا نکالو۔ پھر اس کے بعد سات سال بہت سخت آئیں گے۔ جس میں سارے ذخیرے جو بچائے ہوئے ہوں گے، کھا لو گے۔ صرف تھوڑا ہی غلہ رہ جائے گا جو بڑی حفاظت سے رکھا ہوگا۔ پھر ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں کی فریاد سنی جائے گی اور لوگ رس حاصل کر سکیں گے۔“

تَزْرَعُونَ: مضارع ہے بمعنی امر۔ زرع کے معنی زمین میں بیج گرانا ہے۔
دَابًّا: متواتر، متوالی پے در پے۔ دوب لگا تار کام کرنا۔

تُحْصِنُون: حَصْنٌ حِصَانَةٌ سے ہے جس کے لغوی معنی روک ہیں۔ قلعہ کو اسی لیے حصن کہتے ہیں کہ وہ حملہ آور کو روکتا ہے۔ شوہر دار عورت کو اسی لیے محصنہ کہتے ہیں کہ اس سے دوسرے کی شادی نہیں ہو سکتی۔

يُغَاث: غِيْث سے بنایا ہے۔ غیث وہ بارش جو احتیاج شدید کے بعد برے۔ وہ زراعت جو بارانی ہو۔ اعانت، مدد و اعانت۔

مصر میں قحط امساک بارش سے نہیں بلکہ دریائے نیل کے نہ اچھلنے سے پڑا کرتا ہے اس لیے یغاث سے مطلب فریاد رسی اور فراوانی نیل ہے۔

یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بھی بتلائی اور حفاظت غلہ و حبوب کی تدبیر بھی بیان فرمائی۔ بادشاہ کی خواب میں تو پندرہویں سال کی بابت کوئی اشارہ نہ تھا۔ مگر نرأسوں کی آس بندھوانے کے لیے صدیق علیہ السلام نے پندرہویں سال کی خبر بھی بتلا دی۔ اس سال کے متعلق لفظ بَغْصَرُون کا استعمال فرمایا ہے۔ اس سے یہ نکلتا ہے کہ دودھ، شہد، انگور، انار، لیموں، رنگترے وغیرہ، تل، سرسوں، زیتون، بادام وغیرہ بکثرت ہوں گے اور یہ ظاہر ہے کہ جو سال ایسا شاداب ہو۔ جس میں میوہ جات و فواکہ اور روغن دار حبوب کی کثرت ہو۔ اس میں اناج بھی بکثرت ہوا کرتا ہے۔ مع ہذا اناج۔ نیرہ کی بہتات لفظ یغاث میں شامل ہے۔

یوسف علیہ السلام کے محاسن

اس واقعہ میں بھی یوسف علیہ السلام کے اعلیٰ محاسن بخوبی آشکار ہوتے ہیں۔ اس احسان فراموش سے دریافت بھی نہیں کرتے کہ اس نے اپنے وعدہ کے موافق کیا کام کیا؟ اور اب اسے دوبارہ کہنے کے لیے فرماتے بھی نہیں۔ کیوں کہ آزمودہ کا آزمانا کیسا؟

اللہ اکبر! رضا بر قضا کی صفت کتنی نمایاں ہے۔ ذاتی آرام و تنعم سے کتنی بے اعتنائی ہے اور جمہور کے ساتھ کس قدر دل سوزی و محبت و ہمدردی ہے کہ آئندہ آنے والے قحط سخت کے متعلق تدبیر بھی بتلاتے ہیں اور ایک ارزانی والے زمانہ کی بشارت سے انہیں شاد کام بھی فرمادیتے ہیں اور ذات خاص کے متعلق کچھ بھی نہیں کہتے۔ فضولیات سے اس قدر پرہیز ہے کہ یہ بھی سوال نہیں کرتے کہ خواب کس کا ہے اور اسے کس نے بھیجا ہے۔

فصل

بادشاہ کا یوسفؑ کو بلانا، نبی اللہ کا زندان سے نکلنے سے انکار فرمانا

اپنے الزام کی بابت عدالتانہ تحقیقات کا مطالبہ

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ اَتُونِي بِهِ﴾ [یوسف: ۵۰]

”بادشاہ نے کہا: اسے میرے پاس لاؤ“

معلوم ہوتا ہے کہ آخر بادشاہ کو سرداروں سے اور ساتی سے معلوم ہو گیا تھا کہ تعبیر بتلانے والا کون ہے، کیونکہ دربار والے تو سب کے سب خواب کو خیالات پریشان ہی بتلا چکے تھے۔

﴿فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَسْئَلُهُ مَا بِآلِ النَّسُوءِ

الَّتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ﴾ [یوسف: ۵۰]

”جب یوسفؑ کے پاس قاصد آیا تو انہوں نے کہا کہ اپنے آقا کے

پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ اُن عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے

ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ میرا مالک تو ان کے فریبوں سے آگاہ ہے۔“

یوسفؑ میں صبر و سکون کی اعلیٰ شان نظر آتی ہے۔ اس لیے وہ زندان سے نکلنے میں جلدی نہیں کرتے۔

یوسفؑ کے اوصاف حُرم و دور بینی

یوسفؑ میں سرم و دور بینی کے اوصاف صاف درخشاں ہیں۔ اسی لیے وہ تہمت و افترا کے معاملہ کو گوگو کی حالت میں نہیں رکھنا چاہتے۔ وہ تو اپنی برأت و عصمت کو آفتاب نیروز کی طرح روشن کر دینا چاہتے ہیں۔ یوسفؑ میں غفور و درگزر اور چشم پوشی و صیانتی ہے کہ امراۃ العزیز کے جو رستم کا وہ اب بھی ذکر نہیں کرتے۔

بیشک انبیاء اللہ کے نفوس قدسی ایسے ہی ارفع و اعلیٰ ہوتے ہیں۔



در بار شاہی میں یوسف علیہ السلام کے الزام کی تحقیقات

﴿قَالَ مَا خَطْبُكُمْ إِذْ رَأَوْكُمْ يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ﴾ [یوسف: ۵۱]

”بادشاہ نے عورتوں سے پوچھا کہ جب تم نے یوسف علیہ السلام کو پھسلانا چاہا

تھا تو اس وقت کا معاملہ کیا ہے۔“

خطب: کوئی معاملہ، کوئی بات، چھوٹی موٹی ہو، اسے لغت میں خطب کہتے ہیں مگر محاورہ میں امر مکروہ یا امر عظیم کے لیے اس کا استعمال ہوتا ہے۔

بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے پیغام پر تحقیقات کرنی پڑی۔ اسے دست بردہ عورتوں کے پتہ سے وہ عورتیں بلانی پڑی ہوں گی۔ پھر خفیہ طور پر تمام داستان معلوم کرنی پڑی ہوگی اور اسی سلسلہ میں امراۃ العزیز کی دعوت کا قصہ معلوم ہوا ہوگا اور ان تمام مراتب کے بعد ان سب کو دربار میں بلایا گیا ہوگا۔

سوال کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ بادشاہ تمام قصہ سے واقف ہو چکا ہے۔

عورتوں کے جوابات عصمت یوسفی

﴿قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ﴾ [یوسف: ۵۱]

”سب عورتوں نے کہا، پناہ بخدا! ہمارے علم میں بھی یوسف علیہ السلام کی کوئی

برائی نہیں۔“

حاش: حَوْش سے ہے۔ اس کے لغوی معنی کسی جانور کو گھیر کر لانا ہے۔ ”حاش للہ“ کا مطلب یہ ہے کہ اب اس قول کا قائل شخص سب اطراف سے منہ موڑ کر متوجہ بخدا ہوتا ہے۔ اور یوں بتلاتا ہے کہ یہ شخص اس معاملہ میں بالکل پاک صاف ہے اور اسی لیے وہ رب العالمین کے منزہ و مقدس ہونے کو یاد دلاتا ہے۔



امراۃ العزیز کا بیان۔ جواب مفصل

”اقبال جرم“ امراۃ العزیز کا پورا بیان دربار شاہی میں

﴿قَالَتْ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ النَّفْسُ حَصَصَ الْحَقُّ ۖ اَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ
وَ اِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخْنَهُ بِالْغِیْبِ ۚ وَ اَنَّ اللّٰهَ
لَا يَهْدِیْ كَيْدَ الْخٰنِیْنِ ۝ وَ مَا اُبْرِئُ نَفْسِیْ اِنَّ النّفْسَ لَامّٰرَةٌ
بِالسُّوءِ ۚ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ۚ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ [یوسف: ۵۱، ۵۲]
”امراۃ العزیز بولی: اب تو سچ کھل گیا۔ ہاں! میں نے اسے خود پھسلایا تھا
اور وہ سچا ہے۔ یہ اس لیے کہتی ہوں کہ یوسف علیہ السلام کو معلوم ہو جائے کہ
میں نے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی اور اللہ تو خیانت والوں کی چالوں
کو چلنے نہیں دیتا اور میں تو اپنے نفس کو بری نہیں ٹھہراتی کیونکہ نفس تو برائی پر
اکسایا ہی کرتا ہے۔ بجز اس کے جس پر پروردگار رحم کرے۔ میرا رب تو غفور
ورحیم ہے۔“

حَصَصَ: اصل لغت حص ہے۔ تکرار سے معنی میں مبالغہ مقصود ہوتا ہے۔ جیسے کبکو
کبو سے اور ککلف کف سے اور رو، رو، رو سے مستعمل ہے۔
حَصَّ الْأَمْرُ: معاملہ کا ظاہر واضح ہو جانا۔
حَصَصَ الْبُعِیْرُ: اونٹ کا زمین پر گھٹنے ٹیک دینا۔
حَصَصَ الْحَقُّ: اب سچائی کا پورا انکشاف ہو گیا۔
اب سچائی نے پورا پورا استحکام پالیا۔

اس آیت کا جو ترجمہ ہم نے لکھ دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ قَالَتْ امْرَأَةُ
الْعَزِيزِ سے غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تک سارا مسلسل بیان اس عورت کا ہے۔ اکثر مفسرین نے اسے
دو حصوں میں تقسیم کیا۔ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ تک کو عورت کا بیان بتلایا اور ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ سے
آخر تک یوسف علیہ السلام کا قول بتلایا، لیکن ان بزرگوں کو اس قدر خلش ضرور ہوئی کہ دونوں
محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مقولے کیوں کر گڈنڈ ہو گئے۔ اس خلش کو دور کرنے کے لیے انہوں نے فراء نحوی کا قول نقل کیا کہ ایک شخص کے کلام میں دوسرے شخص کے کلام کو ملا دینے میں کوئی حرج نہیں جب کہ کوئی قرینہ صارفہ ہر دو کلام کے علیحدہ علیحدہ بتانے کو موجود ہو۔ ہم علامہ فراء نحوی کا قول درست سمجھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس کلام میں وہ قرینہ صارفہ کون سا ہے؟ امام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ جلد دوم میں ایسے مفسرین کی رائے کی تغلیط کی ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ اس تمام بیان کے بعد بادشاہ کا یہ قول آتا ہے: ﴿اِنَّتَوْنِيْ بِهٖ اَسْتَخْلِصُہٗ لِنَفْسِيْ﴾ [یوسف: ۵۴] ”یوسف کو میرے پاس لاؤ۔“ میں اسے اپنا بناؤں گا۔“ اور اس فقرہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ مندرجہ بالا بیان جب دربار میں ہوا اس وقت تک یوسف صدیق زندان ہی میں تھے۔ اندریں صورت یوسف صدیق کا مقولہ عورت کے ساتھ کیوں کر شامل ہو سکتا ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ (المتوفی ۷۲۱ھ) نے اپنی تفسیر میں تحریر کیا ہے کہ امام ابن تیمیہؒ نے اپنے اس بیان کردہ معنی کی تائید میں ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے۔ کتاب مذکور تو ہماری نظر سے نہیں گزری۔ ہاں فتاویٰ جلد دوم کی عبارت ہم نے خود پڑھی ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے مجاہد و ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت کی ہے کہ یہ تمام قول امرأۃ العزیز ہی کا ہے۔

ابن کثیرؒ خود بھی کہتے ہیں کہ اس تمام عبارت کو امرأۃ العزیز ہی کا قول بتلانا سیاق قصہ کے ساتھ اَنْسَبَ وَ اَسْبَقُ ہے اور یہی قول اشہر بھی ہے۔ اس کا ذکر ماوردی نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔

بیضاوی نے اس قول کو ”اَو“ لکھ کر بیان کیا ہے۔

لِيَعْلَمَ: کا فاعل قرار دینے میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ اُن بزرگوں میں بھی اختلاف ہوا جنہوں نے ان تمام آیات کو امرأۃ العزیز ہی کا قول قرار دیا ہے۔

ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے لِيَعْلَمَ کی ضمیر کا مرجع شوہر زن کو بتلایا ہے اور

معنی یہ بتلائے ہیں کہ گواہ میں اقبال گناہ کر رہی ہوں مگر اس اقبال سے بھی میرے شوہر کو اس قدر معلوم ہو جائے کہ اقبال کنندہ عورت نے اپنے شوہر کی خیانت تو نہیں کی تھی۔

ہم کو اس سے اتفاق نہیں اور اس کا فیصلہ آسان ہے کیونکہ اس لَيْسَ لَمْ سے پیشتر (۱) ﴿اَنَا رَاَوْذُنْهُ﴾ (۲) ﴿اِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ کے جملے موجود ہیں اور ہر دو جگہ ان ضامراً کا مرجع سب ہی علمائے کرام نے یوسف علیہ السلام کو بتلایا ہے۔ پس لَيْسَ لَمْ کا مرجع بھی وہی ہیں۔

اقبال جرم

غالباً بعض صاحبان کے لیے یہ امر تعجب خیز معلوم ہوا کہ امراۃ العزیز کو اقبال جرم کی ضرورت ہی کیا تھی؟

لیکن یہ امر کچھ بھی حیرت خیز نہیں۔ خود ہمارا تجربہ ہے کہ بیسیوں ملزم ہمارے سامنے ایسے آئے جنہوں نے قتل اور ڈکیتی جیسے سنگین مقدمات میں صاف صاف اقبال جرم کیا تھا۔ حالانکہ اُن سے ایسے اقبال کے قلم بند کرنے سے پیشتر یہ دریافت کر لیا جاتا تھا کہ وہ کسی جبر واکراہ یا امید غلط پر تو مبنی نہیں اور اسے یہ بھی بتا دیا جاتا تھا کہ اس کا اقبال اس کے خلاف استعمال ہو سکے گا۔ ایسے اقبال کی اصلی وجہ تب سمجھ میں آتی ہے جب کوئی شخص فطرت انسان کی بناوٹ پر غور کرتا ہے۔

فطرت انسانی پاک و صاف واقع ہوئی ہے اور جب کسی بشر سے کوئی جرم کسی وجہ سے صادر ہو جاتا ہے۔ تب فطرت سلیمہ اسے ملامت کیا کرتی ہے۔ بعض اوقات یہ ملامت و نفیریں اس قدر پر زور ہو جاتی ہیں کہ مجرم انسان اپنے ضمیر کی نفیریں سے رہائی حاصل کرنے کو زیادہ ضروری اور مقدم سمجھتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اس قید یا تکلیف کی پرواہ نہیں کرتا۔ جس کا گمان بطور نتیجہ اقبال جرم ہو سکتا ہے۔

دوسری وجہ: جو اس سے درجہ دوم پر ہے۔ یہ ہے کہ جب مجرم کے لیے انکار کی تمام راہیں بند ہو جاتی ہیں تو وہ اقبال جرم ہی میں آسودگی خیال کرتا ہے۔

امراۃ العزیز کے اقبال کو دیکھو کہ اس کا بیان اس کی تمام سہیلیوں کے بعد ہوا ہے۔ اس

نے دیکھ لیا کہ سہیلیوں کی تمام شہادت متفقہ ہے اور ان سب نے یوسف صدیق علیہ السلام کو ایسا پاک، ایسا عقیف بتلایا ہے کہ روست و مشاہدہ کا تو ذکر کیا۔

اُن کے خلاف اپنے علم میں بھی کسی بری بات کے ہونے کی نفی کر دی ہے۔ ایسی صورت میں امراۃ العزیز نے دیکھ لیا کہ اب اقبال جرم سے کوئی مفروضہ چارہ نہیں۔

اقبال پر پورا غور کرو! وہ ﴿اَلَشَّنْ حَصْحَصَ الْحَقُّ﴾ [۱۲/یوسف: ۵۲] کہتی ہے اور اس سے یہی وجہ دوم آشکار ہو جاتی ہے۔ من بعد اس کے بیان کے آخری حصہ کو دیکھو جس میں وجہ اول کا بھی سایہ نظر آتا ہے۔

﴿اَنَا رَاوْدُتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَاِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ [۱۲/یوسف: ۵۱] پر وہ لوگ زیادہ غور کریں جو آیت وَ هُمْ بِهَا کی تفسیر کرتے ہوئے ایسے افعال و حرکات کو یوسف علیہ السلام کے نفس قدسی سے منسوب کیا کرتے ہیں، جن افعال و حرکات کا یہ خود اپنے سے منسوب ہونا بھی اپنی کسر شان سمجھیں گے۔ یہ دوسرا موقع ہے کہ عورت حضرت صدیق علیہ السلام کی پاکیزگی اور اپنے قصور کا اعتراف کرتی ہے۔ یہ اعتراف سرور بار ہے۔ پہلے موقعہ کا اعتراف وہ ہے، جب اس عورت نے اپنی سہیلیوں میں یہ بات کہی تھی ﴿وَلَقَدْ رَاوْدُتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ﴾ [۱۲/یوسف: ۳۲] کیا اب بھی یہ لوگ اپنے فہم کی غلطی کو تسلیم نہ کریں گے۔

نفس کی تعریف

﴿اِنَّ النَّفْسَ لَا مَارَقَہَ بِالسَّوْءِ﴾ [۱۲/یوسف: ۵۳]

واضح ہو کہ نفس نام ہے شہوت اور غضب کے مجموعہ کا اور جہاں یہ دو بلائیں جمع ہوں وہاں کیا ہوگا؟ ہر قسم کی بدی کی تحریک، ہر طرح کی برائی کا شوق و اقدام۔

جہل و علم اور ظلم و عدل

وجہ یہ ہے کہ نفس کی ترکیب جہل و ظلم سے ہوئی ہے۔ معالجہ نفس میں ضروری ہے کہ جہل کا مقابلہ علم سے اور ظلم کا عدل سے کیا جائے۔

نفس امارہ

نفس کی تین حالتیں ہیں:

(الف) جب کہ وہ اصلی حالت میں ہو۔ اس وقت انواع شہوت اور اقسام غضب کی ہر ایک نوع، ہر ایک قسم زور پر ہوتی ہے۔ اسی کو ”نفس امارہ“ کہتے ہیں۔

(ب) جب علم کا جہل پر اور عدل کا ظلم پر غلبہ ہو۔ اس وقت یہ نفس خود اپنے آپ کو برا کہنے والا۔ اپنے ضمیر سے ندامت اٹھانے والا، خود اپنی نظر میں ذلیل نظر آنے والا ہوتا ہے یہی وہ حالت محمودہ ہے۔

نفس لوامہ

جو جملہ محاسن کی بنیاد و اساس ہے۔ اسی کو نفس لوامہ کہتے ہیں۔

(ج) جب نفس اپنے نقصان و خسران سے آگاہ ہو جاتا ہے۔

نفس مطمئنہ

جب اس میں مالک نفس کی عظمت و جلال کا نور سایہ فگن ہو جاتا ہے اس وقت وہ ہر ایک قلق و اضطراب سے دور ہو جاتا ہے اور لذائذ نفسانی سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ اپنی تمام تر مسرت و شادمانی اسی میں سمجھتا ہے کہ اپنی خواہشات کو رضاء مولیٰ پر قربان کر دے اور تسلیم و توکل کے میدان میں گامزن ہو کر منصب ارتضیٰ تک پہنچ جائے۔ اسی کا نام ”نفس مطمئنہ“ ہے۔

اعترافِ گناہ معہ عذرِ گناہ

امراۃ العزیز نے اعترافِ گناہ کے ساتھ عذرِ گناہ بھی بیان کر دیا اور وہ یہ کہ اس میں بھی نفس ہے! اور نفس ہی کے خواص میں سے ہے کہ وہ بدی ہی پر برا بیخندہ کیا کرتا ہے۔

﴿إِلَّا مَارَحِمَ رَبِّي﴾ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف مخفی اشارہ ہے۔ یہ

اشارہ درست ہے اور یہی بات اس عورت کے عذر کو قوی بنانے والی ہے کہ نفس کے آہنی پنجے سے صرف وہی لوگ بچ سکتے ہیں جن کو رحمت ربانی نے بچالیا ہو۔ آیت میں تعیم ہے اور اس لیے ہر شخص کو لازم ہے کہ شرورِ نفس سے بچاؤ کے لیے رحمت ربانیہ کا سوال کیا کرے۔

اس واقعہ کا خاتمہ اللہ تعالیٰ کے دوا سماءِ حسنیٰ غفور ورحیم پر کیا گیا ہے۔ اور اس سے سب گناہگاروں کے لیے بڑی بشارت ہے۔

امراۃ العزیز کی جوانی اور نکاح یوسف علیہ السلام میں آنے کی داستان صحیح نہیں

قرآن پاک میں اب اس عورت کا کوئی ذکر نہ آئے گا، لوگوں نے بنا لیا ہے کہ پھر یہ عورت از سر نو جوان بنائی گئی تھی، پھر یوسف صدیق علیہ السلام کے نکاح میں آ گئی تھی۔ مگر اس امر کے ثبوت میں کوئی صحیح روایت اسلامی یا اسرائیلی موجود نہیں۔

امام رازیؒ نے تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ یہی امراۃ العزیز حضرت یوسف علیہ السلام کے دونوں فرزندوں منسی و فرائیم ؑ کی والدہ ہے لیکن توراۃ سے اس قیاس کی تردید ہوتی ہے۔

زوجہ یوسف علیہ السلام کا نام اور خاندان

کتاب پیدائش ۳۱ باب ۵۰ تا ۵۲ درس میں تو یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے شہر اُون کے کاہن منسی فوطی فرع کی دختر مسماۃ آس ناتھ سے نکاح کیا تھا اور مذکورہ بالا ہردو پسر اسی کے بطن سے ہیں۔ ہمارے علماء بزرگ کو غالباً اس لیے مغالطہ ہوا کہ العزیز کا نام فوطی فار تھا اور اس کاہن کا نام فوطی فرع تھا۔ یہ دونوں نام بہت زیادہ مشتبہ الصوت ہیں لیکن جب مورخ غور کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں کی شخصیت میں بہت بڑا فرق ہے۔

فوطی فرع کاہن تھا یعنی امام مذہب، اس کی دختر کنواری تھی، اس کا نام آس ناتھ تھا۔ فوطی فار فرعون کے جلوداروں کا سردار تھا، اس کی عورت بیوہ یا مطلقہ ہو سکتی ہے، اس کا نام لوگوں نے زلیخا یا راعیل بتایا ہے، پھر یہ دونوں عورتیں ایک کیونکر سمجھی جاسکتی ہیں۔

استدلال بالا کے بعد (جو تاریخی ہے اور بائبل کی تصدیق سے مضبوط ہے) ہم یہ بھی لکھ دینا چاہتے ہیں کہ ﴿وَالطَّيِّبُ لِلطَّيِّبِينَ﴾ اور ﴿الْخَبِيثُ لِلْخَبِيثِينَ﴾ توراۃ میں ہے کہ منسی نام اس لیے رکھا کہ خدا نے مجھے میری مصیبت فراموش کرا دی اور فرائیم نام اس لیے رکھا کہ خدا نے مجھے شرم دار بنایا۔ یہ دونوں لڑکے آغازِ قحط سے پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ (محمد سلیمان)

[۲۳/النور: ۲۶] کا اصول ایسا زبردست ہے جو ناممکن ٹھہراتا ہے کہ کسی نبی یا رسول کے پہلو میں ایسی عورت پائی جائے جو حیا باختہ ہو۔

امراة لوط، امراة نوح

امراة لوط اور امراة نوح بھی ہم کو یاد ہیں۔ ان دونوں کی خیانت کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے میکے والوں کو اور اپنی قوم کو اپنے اپنے شوہر کے خلاف مدد کی تھی، لیکن ان دونوں عورتوں کی عصمت کے خلاف تو کسی روایت میں ایک حرف بھی موجود نہیں۔

ہاں امراة لوط اور امراة نوح کے حالات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُن سے جب ایک جرم صادر ہوا۔ تب عتاب الہی نے اسی وقت ان کو پکڑا اور دنیا ہی میں اور ان کے شوہروں کی آنکھوں کے سامنے ان پر عذاب بھیجا اور ذرا بھی مہلت نہ دی کیونکہ نبی کی خیانت ایسے ہی تعجیل عذاب کی مستوجب ہے۔ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں تمام صورت معاملہ ہی بگڑ جاتی ہے۔

امراة العزیز کی اخلاقی صورت

یہ ایک عورت جو منکوحہ ہے۔ پھر بھی کسی دوسرے جوان کو چاہتی ہے اور جب اپنی تمام تدبیروں میں ناکام رہ جاتی ہے، تب پاک معصوم نبی کو زندان خانہ میں بھیج دیتی ہے اور پھر سا لہا سال تک کبھی بھی ان کی مصیبت کو یاد نہیں کرتی۔ کیا ایسی عورت نبی کے پہلو میں بیٹھنے کی اہل ہو سکتی ہے؟
ہرگز نہیں۔

بعض نیک دل انسان یہ سمجھ کر کہ اس عورت نے ایک نبی اللہ کے ساتھ اپنا دل لگایا تھا۔ نہ صرف اس کے افعال سے درگزر ہی پر اکتفا کرتے ہیں بلکہ اسے خوبی میں بھی شمار کرتے ہیں۔ بہتر ہے کہ یہ لوگ عشق نفسانی اور محبت ایمانی میں فرق کرنا سیکھ جائیں۔

عشق نفسانی اور محبت ایمانی

اول مہاجرۃ و انصاریات کے حالات پر دھوکہ ان کو سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ذاتِ قدسی کے ساتھ کیسی محبت صادقہ و ایمانیہ تھی۔ بیسیوں نے عزیز و اقارب کو چھوڑا، وطن ترک کیا، دشمنانِ دین کے ہاتھوں سخت سے سخت عذاب سہہ مگر حضور کی محبت میں ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹیں۔ بیسیوں وہ ہیں جنہوں نے خوشی خوشی جوان بیٹوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار ہونے کے لیے میدانِ جنگ میں بھیج دیا اور جب اُن کے شہید ہو جانے کی خبر ملی تو سجدہ شکر ادا کیا۔

کوئی ایسی کاملہ ملے گی کہ پدر و شوہر اور فرزند و برادر ایک ہی دن میں جنت کو سدھار گئے ہیں مگر وہ رخ زیبائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مشاق جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال سے آنکھیں روشن کر لیتی ہے تو نہایت ملکوت و ثبات کے لہجہ میں بول اٹھتی ہے۔ ﴿كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ﴾ ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحیح و سلامت ہیں تو اب ہر ایک مصیبت کی برداشت آسان ہے۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ مردانہ

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ مردانہ کا بھی تصور کرو۔ جو اب درجہ کمال پر تھا جس سے برتر کوئی درجہ نہیں ہو سکتا۔

ترمذی و دارمی کی حدیث عن جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو پڑھو۔ وہ فرماتے ہیں کہ چودھویں رات کا چاند پوری روشنی میں تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاندنی میں لیٹے ہوئے تھے۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور پر نظر ڈالتا تھا۔ مجھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا چہرہ زیادہ روشن نظر آیا۔

www.KitaboSunnat.com

ربیع بنت معوذہ صحابیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پڑھو۔ اُن سے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پوتے نے دریافت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن کیا تھا؟ تو جواب میں اس پیکرِ عصمت نے فرمایا: ﴿لَوْ رَأَيْتَ رَأَيْتَ الشَّمْسَ طَالِعَةً﴾ ”اگر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ پاتا تو سمجھتا کہ سورج نکل رہا ہے۔“

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بھی (جو صحیحین و ترمذی) پڑھ جاؤ۔

((وَلَا مَسِئَتْ خَزَا وَلَا حَرِيرًا وَلَا شَيْئًا كَانَ الْإِنِّ مِنْ كَفِّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَا شِمْمٌ مُسْكًا قَطُّ وَلَا غُبْرَةٌ كَانَ

أَطْيَبَ مِنْ رَائِحَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ❁

”میں نے ریشم کا کوئی دبیز یا باریک کپڑا ایسا کوئی نہیں چھوا، جو نبی ﷺ کی کف دست (ہتھیلی) سے زیادہ نرم ہو۔ میں نے کوئی کستوری یا عنبر ایسا نہیں سونگھا، جو نبی ﷺ کے جسد مبارک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہو۔“

امراة العزيز، مومنات اور امت محمدیہ کا تقابل

مومنات کے اس محبت صادقہ اور حضور ﷺ کے اس حسن کاملہ کے علم کے بعد اب آپ دیکھئے کہ کیا کسی مسلم منکوحہ عورت نے حضور ﷺ کے سامنے ان الفاظ کا استعمال کیا جو امراة العزيز کے منہ سے یوسف صدیق علیہ السلام کے سامنے نکلے تھے؟ ہرگز نہیں۔

اس تقابل سے پتا لگ جائے گا کہ حب ایمانیہ اور ہی شے ہے اور خواہش نفسانیہ اور ہی شے۔ اور یہی وجہ امتیاز ہے جو صحابیت کے درجہ کو بلند کر دیتی ہے اور امراة العزيز کو پست ٹھہراتی ہے۔

المختصر یہ یاد رکھئے کہ ایسی کوئی روایت صحیحہ موجود نہیں کہ امراة العزيز کا نکاح یوسف صدیق علیہ السلام سے ہوا تھا۔



فصل

یوسف علیہ السلام کا دربار شاہی میں پہنچنا اور

نائب السلطنت مقرر ہونا

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ اَتُونِي بِهٖ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۚ فَلَمَّا كَلَمَہٗ قَالَ

اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدٰیْنَا مَكِیْنٌ اٰمِیْنٌ ۝﴾ [یوسف: ۵۴]

”اب (تحقیقات کے بعد) بادشاہ نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ میں اسے خاص اپنا بناؤں گا۔ (حضرت آگئے) جب بادشاہ کی اُن سے بات چیت ہوئی تب بادشاہ نے کہا کہ تم آج سے ہمارے پاس عزت و حفاظت سے رہا کرو گے۔“

﴿اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي﴾ کے الفاظ پر غور کرو۔ پہلی دفعہ بادشاہ نے صرف ﴿اَتُونِي بِهٖ﴾ کے الفاظ کہے تھے۔ اس دفعہ اسے یہ الفاظ اور بھی ایزاد کرنے پڑے۔ یہ یوسف علیہ السلام کے صبر کا نتیجہ اور معصومیت کا ثمرہ ہے کہ منکرین کی نگاہوں میں بھی ان کا ادب و وقار اس درجہ بڑھ گیا۔

اہل ایمان خلوص کے معنی پر غور کریں

اہل توحید کو ﴿اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي﴾ کے الفاظ پر مکرر غور کرنا چاہیے کہ جب ایک دنیاوی بادشاہ کی آرزو یہ ہے کہ اس کا وزیر یا صاحب خالص اسی کا بن کر رہے تو اس شہنشاہ حقیقی کو کس قدر زیادہ حق ہے کہ وہ اپنے بندہ کو خالص اپنا ہی بندہ دیکھنا چاہتا ہے۔ یہی راز ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ شرک کو گوارا نہیں کر سکتا۔

﴿قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَاۤئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلَیْہِمْ ۝﴾ [یوسف: ۵۵]

جو لوگ مصر جاتے ہیں ان کو ایک چاہ دکھایا جاتا ہے جس کا نام بزرگ یوسف ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہی زندان یوسف علیہ السلام تھا۔ یہ بات غلط ہے یہ چاہ تو صلاح الدین یوسف کا بنوایا ہوا ہے اور اب اس کے نقلی کمرے مرمت طلب ہیں۔

”یوسف علیہ السلام نے کہا مجھے ملک کے خزانوں کا سردار بنادے میں حفیظ و علیم ہوں۔“

طلب منصب، بلند ہمت مفت خور نہیں ہوتے

اس آیت سے معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام نے درخواست کر کے ایک غیر مسلم بادشاہ کی ملازمت کو حاصل کیا۔ اس درخواست سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی بلند ہمت نے کام کے بغیر بادشاہ کی نعمت و دولت سے استفادہ حاصل کرنے کو پسند نہیں فرمایا۔ نیز اس سے ایسی ملازمت کا جواز بھی نکل آیا۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعریف و شناخت کے مواقع میں اپنے ضروری اور صحیح اوصاف کا اظہار جائز ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ بلا ضرورت جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خود ستائی میں داخل ہیں اور اس سے وہ لوگ بے وقوف سمجھے جاتے ہیں۔ خزانوں کا سب سے بڑا افسر عموماً وزیر اعظم ہی ہوا کرتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کی مراد بھی اسی منصب سے تھی۔

وزیر خزانہ کے اوصاف

حفیظ ہونا اس لیے فرمایا کہ سردار خانہ کو سب سے پہلے ابواب آمدنی کی پوری پوری واقفیت ہونی چاہیے۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ کیوں کر مالی حالت کو پائیدار و مستحکم کیا جاسکتا ہے۔

علیم اس لیے فرمایا کہ سردار خزانہ کو ابواب مصارف کا بھی پورا پورا علم ہونا چاہیے۔ وہ ضروریات سلطنت کو سمجھتا ہو وہ نہایت ضروری اور ضروری اور غیر ضروری میں فرق و امتیاز کر سکتا ہو۔ جب کوئی وزیر ان ہر دو صفات کا جامع ہوگا تو وہ صحیح طور پر ملک کو آباد و شاداب اور بارونق اور خزانے کو معمور کر سکے گا۔

بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کو شاہانہ اختیارات عیدے

توراة میں ہے کہ یہ درخواست فوراً منظور کر لی گئی۔ بادشاہ نے اپنی انگشتی اُن کو

پہنائی، اپنا لباس دیا، سواری دی، ان کا شاہانہ جلوس نکالا گیا، ان کا لقب ”جہاں پناہ“ رکھا گیا اور اس حکم کا اعلان کیا گیا کہ جملہ اختیارات شاہی ان کو حاصل ہوں گے۔ اس وقت یوسف صدیق کی عمر تیس سال کی تھی۔ (کتاب پیدائش باب ۴۱)

انعامات و احساناتِ الہی

قرآن پاک کی آئندہ آیت سے اس تفصیل کی تائید ہوتی ہے:

﴿وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۖ يَتَّبِعُوهُمُ حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نَصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝﴾ [یوسف: ۵۶-۵۷]

”اور ہم نے اس طرح سے یوسف علیہ السلام کو ملک بھر میں اقتدار دیا۔ وہ جس طرح چاہتا تھا اس میں رہتا تھا۔ یہ ہماری رحمت کا حصہ ہے۔ جسے ہم چاہتے ہیں اور ہم احسان کرنے والوں کے اجر ضائع نہیں کرتے اور آخرت کا اجر تو ایمان اور تقویٰ والوں کے لیے بہت بہتر ہے۔“

نا اہل لوگ حکومت کو برا بنا دیتے ہیں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حکومت و اقتدار کو اپنی رحمت بتلایا ہے اور پھر وعدہ آخرت بھی اس کے ساتھ شامل ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حکومت بجائے خود کوئی بری شے نہیں، لیکن نا اہل لوگوں کے پاس آ کر وہ ضرور بری بن جاتی ہے۔ آیت اختلاف میں بھی حکومت و اقتدار کا ذکر ایمان اور عمل صالح کے نتیجے کے طور پر فرمایا گیا اور اس آیت میں مَكَّنَّا فِي الْأَرْضِ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ وہ آیت یہ ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ ۖ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَ لِيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ﴾ [النور: ۵۵]

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ امت محمدیہ میں خلافت راشدہ کے متعلق یہی ایک آیت ہے اور یہ آیت خلافت راشدہ کے جملہ صفات کی جامع ہے۔

”اللہ نے تم میں سے ایمان اور عمل صالح والوں کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ اُن کو آلِ اَرْض کا خلیفہ بناؤں گا۔ جیسا کہ ان سے پہلوں کو خلیفہ بنایا تھا اور میں اس دین کو بھی ان کے لیے مکنت و ثبات دوں گا۔ جس دین کو میں ان کے لیے پسند کر چکا ہوں۔“



برادران یوسف کا مصر آنا۔ غلہ لے جانا

بن یامین کو ساتھ لانے کا وعدہ کرنا

﴿وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۝ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِخَبَرِكُمْ مِّنْ أَيْمَنِكُمْ آلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ۝ فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُون ۝ قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ۝﴾ [یوسف: ۷۱ تا ۷۸]

”یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے اور اس کے سامنے پیش ہوئے۔ یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا۔ مگر انہوں نے اسے نہ پہچانا۔ جب یوسف علیہ السلام نے ان کا سامان درست کر دیا۔ تب یوسف نے ان سے کہا کہ تم اپنے بھائی کو جو تمہارے باپ کا بیٹا ہے۔ میرے پاس لانا، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں پورے ناپ کا غلہ دیتا ہوں اور میں اچھی مہمانی بھی کرتا ہوں۔ لیکن اگر تم اسے نہ لاؤ گے۔ تب تمہارے لیے میرے پاس غلہ نہیں اور تم میرے پاس بھی نہ آنا۔ وہ بولے کہ ہم اسے اس کے باپ سے پھلائیں گے اور ہم یہ کام ضرور کر لیں گے۔“

﴿جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ﴾ لغت میں جہاز کا استعمال میت، عروس اور مسافر کے لیے ہوتا ہے۔ جہاز میں وہ جملہ سامان جس کی اشخاص بالاکو ضرورت ہوتی ہے داخل ہے۔ پس فقرہ ہذا کے معنی یہ ہوئے کہ جب ان کے سفر کا سب سامان مکمل کر دیا۔ ﴿فَدَخَلُوا عَلَيْهِ﴾ محاورہ ہے۔ دَخَلَ عَلَى السُّلْطَانِ حاجت لیکر سلطان کے سامنے گیا۔

یوسف علیہ السلام نے بن یامین کی ہستی کا اقرار کیونکر بھائیوں سے لیا
بعض مفسرین رحمہم اللہ نے اس بات کے لیے کہ یوسف علیہ السلام نے کیونکر اپنے
بھائیوں کے منہ سے یہ اقرار لے لیا تھا کہ اُن کا ایک بھائی اور بھی ہے، بہت سی کہانیاں بیان
کی ہیں مگر توراۃ کا بیان بالکل سادہ ہے۔

کتاب پیدائش ۳۳ باب ۷ میں ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے اُن کو کہا کہ تم نے حاکم
کو کیوں بتلایا کہ ہمارا اور بھائی بھی ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ اس نے ہمارے کنبہ کا حال
پوچھا اور باتوں کے سرشتہ میں ہم نے یہ بھی کہہ دیا۔

﴿وَقَالَ لِفَتِيِّهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا
إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ٧﴾ [یوسف: ۷۲]

”یوسف علیہ السلام نے اپنے غلاموں سے کہہ دیا کہ ان کا مال اُن کی خُرچیوں
میں رکھ دینا تاکہ جب یہ اپنے گھروں میں پہنچیں، تو پہچان لیں تاکہ یہ
دوبارہ بھی یہاں آئیں۔“

لِفَتِيِّهِ: فتنی کی جمع ہے۔ فتنہ اور افتوہ بھی اس کی جمع ہے۔ اصل لغت میں فتنی نو جوان، بخی
معزز شخص کو کہتے ہیں اور مجازاً اُغلام کو۔ اس جگہ یہی مراد ہے۔

بِضَاعَتُ: مال کا وہ حصہ، جو تجارت کے لیے خاص کر دیا گیا ہو۔ سرمایہ۔
رِحَالُ: رحل کی جمع ہے۔ اس کی جمع اَرْحُل بھی آتی ہے۔ رَحْلٌ، خُرچی۔ جس میں
مسافر اپنا سامان رکھے۔

یہ مثل مشہور ہے کہ اپنا گھر سوکوس سے نظر آتا ہے۔ بھائیوں کی مالی حالت یوسف علیہ السلام
کو بخوبی معلوم تھی۔ انہوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ بھائی جو کچھ لائے ہیں۔ اس سے زیادہ ان
کے پاس اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے انہوں نے احسان اور صلہ رحمی فرما کر ان کا مال واپس
کر دیا اور حقیقی بھائی کے بلانے کی زبردست تحریک و تدبیر بھی فرمائی۔
اس غیر ضروری بحث میں نہیں پڑنا چاہیے کہ شاہی غلہ کی قیمت کیونکر ادا ہوئی؟ خدا کا
نبی سب سے بڑھ کر امین ہوتا ہے۔

﴿ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا
اَخَانًا نَّكْتُلُ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ ﴾ [۱۲/یوسف: ۶۳]

”جب وہ باپ کے پاس لوٹ کر گئے، تب بولے، اے ہمارے باپ! ہمارا
تو غلہ روک دیا گیا، ہمارے بھائی کو بھیجے تاکہ ہم غلہ لے سکیں اور ہم اس کی
حفاظت پوری پوری کریں گے۔“

ان لوگوں کے مزاج عجب واقع ہوئے تھے۔ غلہ لانے میں جو کامیابی ہوئی سفر جس خیر و
عافیت سے پورا ہوا۔ حاکم نے جس عزت و احترام سے اُن کی مہمانی کی۔ اس کا کوئی ذکر نہیں
کرتے۔ پہلی بات جو گھر پہنچتے ہی باپ سے کہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہم کو تو غلہ ملنا بند ہو گیا۔
یہاں سے یہ نتیجہ ملتا ہے کہ حرص مفراط انسان کی تمام خوبیوں کو مغلوب کر لیتی ہے۔
﴿ قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا آمَنُتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ فَاللَّهُ
خَيْرٌ حَفِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّحِمِينَ ۝ ﴾ [۱۲/یوسف: ۶۳]

”یعقوب علیہ السلام نے کہا: کیا میں تم پر بنیامین کی بابت ویسا ہی بھروسہ کر لوں
جیسا کہ قبل ازیں اس کے بھائی کی بابت بھروسہ کر چکا ہوں۔ پس خدا ہی
بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہی سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم
کرنے والا ہے۔“

﴿ اَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴾: رحم کے معنی: دل سوزی، شفقت، عطوفت ہیں۔ حدیث
شریف میں ہے ((اِنَّ اللّٰهَ اَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هٰذِهِ بَوْلِدَهَا)) ﴿﴾ ”ماں کو بچہ کے
ساتھ اتنا پیار نہیں، جتنا اللہ کو اپنے بندوں سے ہے۔“

ارحم الراحمین اس جگہ اور سورہ اعراف و انبیاء میں بھی آیا ہے۔ سورہ مومنوں میں خیر
الراحمین ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور دعا میں بھی جو ۱۰۷ھ کے سفر طائف سے واپس ہوتے
ہوئے فرمائی تھی۔ یہ اسم مستعمل ہوا ہے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِلَیْکَ ضَعْفَ قُوَّتِیْ وَ قَلَّتْ حِیْلَتِیْ وَ

بخاری، کتاب الادب باب رحمۃ الولد و تہلیلہ رقم: ۵۹۹۹۔ مسلم، کتاب التوبہ، باب فی رحمۃ اللہ تعالیٰ،

هَوَانِي عَلَى النَّاسِ يَا رَبَّ الْمُسْتَضْعِفِينَ وَيَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ))

انسان کو لازم ہے کہ ہر معاملہ میں اپنے آپ کو حفاظت الہی کے سپرد کر دے اور خود کو اللہ کے رحم پر چھوڑ دے۔

جھوٹ کی برائی

یعقوب علیہ السلام کے جواب پر غور کریں۔ اس سے جھوٹ کی برائی ثابت ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آئندہ کے لیے جھوٹ بولنے والے کا اعتبار نہیں رہتا ﴿وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ کا جملہ اگرچہ علم ادب و لسان کے لحاظ سے نہایت موکد فقرہ ہے۔ لیکن یعقوب علیہ السلام اس کے کہنے والوں کا اعتبار نہیں کرتے، کیونکہ یہ وہی الفاظ ہیں جو فرزند ان یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف کو ساتھ لے جاتے وقت بھی استعمال کئے تھے۔ اگر لوگ جھوٹ کی اس برائی پر پورا پورا غور کر لیں کہ ایک جھوٹ سے مدتوں تک کا اعتماد جاتا رہتا ہے تو ضرور جھوٹ سے نفرت کرنے لگیں گے۔

واپس شدہ مال دیکھ کر خوشی، امنگیں

﴿وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ قَالُوا يَا بَنَانَا مَا نَبْغِي هَذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَنَا وَنَزِدُّكَ ذِكْلًا بَعِيرٌ ذَلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ﴾ [یوسف: ۶۵]

”اور جب انہوں نے اپنے سامان کو کھولا تو پایا کہ اُن کا مال واپس کر دیا گیا ہے۔ تب سب نے کہا: اے ابا! اور ہم کو کیا چاہیے یہ ہمارا مال ہمیں واپس کر دیا گیا۔ اب ہم اپنے کنبہ کے لیے اور غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ زیادہ حاصل کریں گے کیونکہ جتنا اناج آیا ہے وہ تھوڑا ہے۔“

مَتَاع: ہر ایک وہ چیز جس سے انسان فائدہ حاصل کرے۔ یہاں مراد غلہ ہے۔

نَبْغِي: بَعَا، يَبْغِيهِ. بَعَا کے معنی ہیں طلبہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

هَذِهِ: حرف ہا اور ذہ سے مرکب ہے۔ ذہ اسم مؤنث قریب کے لیے ہے۔ ہا تنبیہ اس پر ایزاد ہو گئی ہے۔

نَمِيرٌ: يَمِيرُ، مَارَ، مِيرًا کنبہ کے پاس طعام یا دوا لے کر آیا۔

میر۔ طعام۔ ضرب المثل ہے۔ مَا عِنْدَهُ خَيْرٌ أَوْ لَا مِير

بَعِيرٌ: اونٹ کے لیے اسم جنس ہے۔ زرمادہ دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ مثلاً بولتے ہیں:

حَلَبْتُ بَعِيرِي: میں نے اپنی بعیر کا دودھ نکال لیا۔

جمل ز کے لیے، ناقہ مادہ کے لیے خاص ہے۔ بَعِير مضبوط اونٹ کے واسطے

بولتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے فروخت غلہ کے متعلق یہ انتظام کر رکھا تھا کہ

فی کس ایک بار شتر سے زیادہ نہ دیا جائے۔

یہ سبق ہے اس افسر کے لیے جو باایام قحط تقسیم غلہ کا ذمہ دار ہو کہ شروع ہی سے ایسی

مناسب مقدار مقرر کر دے جو برابر نہ سکے۔

ابوعبیدہ بن الجراح کا جنگ میں فوج کیلئے تقسیم خوراک کا انتظام

اب لڑائیوں میں محصور فوجیں اسی اصول پر عمل کرتی ہیں۔ امیں الامۃ ابو عبیدہ بن

الجراح رضی اللہ عنہ نے سر یہ سیف البحر میں اسی اصول پر ایک ماہ تک لشکر میں چھوہارے تقسیم کئے

تھے۔ ایک غلط روایت عام طور پر مشہور ہے کہ یوسف علیہ السلام نے سال اول میں نقدی، سال

دوم میں اسباب، سال سوم میں مکانات، سال چہارم میں اولاد، سال پنجم میں خود لوگوں کو

غلای میں لے کر غلہ دیا تھا۔ اس کی کوئی صحیح روایت نہیں۔ یہودی افسانے ہیں جو گھڑ لیے

گئے ہیں۔

﴿قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُوا مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا

أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ﴾ [یوسف: ۶۶]

”حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا میں اسے تمہارے ساتھ ہرگز نہ بھیجوں گا

جب تک تم مجھے اللہ کی طرف سے یہ عہد نہ دو گے کہ اسے ضرور میرے پاس

لے آؤ گے۔ بجز اس کے تم سب گھیرے میں آ جاؤ۔“

جو استثناء یعقوب علیہ السلام نے قائم فرمائی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک بھائی ذاتی طور پر بنیامین کی حفاظت کا ذمہ دار ہو۔ نیز یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی آفت ہو تو ایسی عام ہونی چاہیے جو سب کے لیے ہو۔ یہ نہیں کہ یوسف کی بابت آ کر کہہ دیا کہ ہم تو دوڑ لگانے کے لیے گئے تھے اور یوسف کو بھیڑ یا کھا گیا۔

﴿فَلَمَّا اتَوْهُ مَوْتَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ﴾ [یوسف: ۶۲]

”جب انہوں نے اپنا عہد دے دیا۔ تب یعقوب علیہ السلام نے کہا۔ اللہ ہمارے قول و قرار کا وکیل ہے۔“

یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے عہد لے کر تدبیر انسانی کو مکمل کیا: پھر سارے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینے میں شرط ایمانی کو پورا فرمایا۔

﴿وَقَالَ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ لَا تَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ وَّمَا اُعْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِنَّ الْحُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ [یوسف: ۶۴]

”حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا: اے میرے بیٹو! تم ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا، الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا۔ میں تم کو اللہ کے حکم سے تو ذرا بھی نہیں بچا سکتا۔ حکم تو صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔ میں نے تو اسی پر بھروسہ کیا ہے اور توکل کرنے والوں کو لازم بھی یہی ہے کہ اسی پر بھروسہ کیا کریں۔“

﴿وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ﴾ میں حرف داؤ اور حرف فا کو جمع کر دیا گیا ہے۔ واو افادہ عطف کے لیے ہے اور فا افادہ سبب کے لیے ہے۔

نظر بد

یعقوب علیہ السلام کی اس نصیحت پر کہ ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا۔ علماء نے بہت کچھ تحریر فرمایا ہے اور اکثر نے اس کی وجہ نظر بد قرار دی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ نظر کا لگنا حق ہے

اور اس لیے اُس کی تدبیر کرنا بھی صحیح ہے مگر اللہ تعالیٰ نے آگے چل کر فرمایا ہے۔ ﴿الَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسٍ یَّعْقُوبَ﴾ [۱۲/ یوسف: ۶۸] اس لیے ممکن ہے کہ اس نصیحت کی علت و حکمت کچھ اور ہی ہو۔

(۱) ممکن ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے ﴿الَّا اَنْ یُّحَاطَ بِکُمْ﴾ [۱۲/ یوسف: ۶۶] کی وسعت پر غور فرمایا ہو اور پھر سمجھا ہو کہ اگر احاطہ ہوا تو سب ہی گھیرے میں آجائیں گے اور مصیبت کا پیمانہ بہت وسیع ہو جائے گا۔

اب ہر ایک بھائی بنیامین کی حفاظت کا ذمہ دار تو ہو ہی چکا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ کوئی ایسی صورت بھی نکال دی جائے کہ کسی مصیبت کے پڑنے پر سب کے سب ہی گرفتار نہ ہو جائیں۔

کسی سپہ سالار کا فوج کے مختلف حصوں کو مقام واحد کی طرف مختلف راستوں سے روانہ کرنا بھی بسا اوقات ایسے ہی خیالات پر مبنی ہوتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فتح مکہ کے دن عسکر ظفر پیکر کو معلے و مسفلہ کی راہوں سے داخل مکہ ہونے کا حکم دیا تھا۔

عمل بر اسباب و انقطاع از اسباب

الغرض اس ارشاد میں عمل بر اسباب کا سبق بھی ملتا ہے اور انقطاع از اسباب کی ہدایت بھی۔ خدا کے برگزیدہ اسرائیل نے اپنی حکمت و دانش سے عمل بر اسباب کا سبق دیا۔ اور مشکوٰۃ نبوت سے انقطاع از اسباب کی روشنی کو ظاہر فرمایا۔ ان ہر دو امور کا اجتماع بتلاتا ہے کہ حکمت الہیہ نے منسبات کو اسباب کے ساتھ مرتبط فرمایا ہے اور ایمان کا خاصہ یہ ہے کہ وہ بندہ کے دل کا مسبب الاسباب کے ساتھ ارتباط قائم کر دیتا ہے۔

آیت کے آخر میں توکل کا ذکر ہے۔ یعنی توکل و دعا کو تحصیل مقصود کے لیے اقرب الاسباب ٹھہرایا ہے۔

انجام تو حید توکل ہے، حقیقت تو حید توکل ہے

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انجام تو حید توکل ہی ہے۔ بلکہ توکل ہی حقیقت تو حید ہے۔

فصل

ابناء یعقوب کا مصر میں داخلہ، بنیامین و یوسف کا تعارف مصر میں داخلہ، بارِ دوم

﴿وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةٌ فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۖ وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [یوسف: ۶۸]

”وہ مصر میں اسی طرح داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے ان کو علم دیا تھا۔ داخلہ کا یہ حکم ان کو خدا کے کسی حکم سے کچھ نہ بچا سکتا تھا لیکن یہ ایک تدبیر تھی جو یعقوب علیہ السلام کے دل میں آئی اور اس نے اسے جاری کیا۔ یعقوب علیہ السلام تو علم کا مالک تھا ہم نے اسے علم سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

یعقوب علیہ السلام ذوق علم تھے

آیات سابقہ میں یعقوب علیہ السلام نے اپنے قول کے متعلق خود ہی فرما دیا تھا کہ یہ ایک تدبیر ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی توثیق فرمادی ہے۔ آیات زیر تفسیر میں ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ قابل غور ہیں، یعنی وہ کیا چیز ہے جسے اکثر لوگ نہیں جانتے؟ امام فخر رازیؒ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ لوگ یعقوب علیہ السلام کو ذوق علم نہیں جانتے۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ انبیاء علیہم السلام کو براہ راست جناب احدیت سے تعلیم ملا کرتی ہے اور ان کے علوم اکتسابی نہیں ہوتے۔ ایک اور معنی لطیف بھی بیان کئے جاسکتے ہیں۔

افعال و اقوال نبی، نبوت اور بشریت کا تفاوت

انبیاء علیہم السلام کی اپنے اقوال و افعال میں دو حالتیں ہیں: (الف) وہ اقوال و افعال

جو بحیثیت نبوت ان سے صادر ہوتے ہیں۔ (ب) وہ اقوال و افعال جو بحیثیت نبوت ان سے صادر ہوتے ہیں ان ہر دو کے درمیان جو باریک فرق ہے اکثر لوگ اسے نہیں سمجھتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرق کے بتانے میں بہت سی روشن نظائر قائم فرمائی تھیں۔ حدیث تأیید میں یہی راز سمجھایا گیا ہے اور واقعہ بریرہ و مغیث میں یہی راز بتلایا گیا ہے۔ جنگ بدر و جنگ احزاب میں میدان حرب کے انتخاب کے متعلق بھی اسی اصول پر عمل کیا گیا ہے۔

آیت زیر تفسیر میں ہم کو اس امر سے تقویت ملتی ہے ﴿حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ﴾ فرمایا ہے اور ﴿حَيْثُ أَمَرَهُمْ نَبِيُّهُمْ﴾ نہیں فرمایا۔

اگر اصولی بات کو سمجھ لیا جائے تو بہت سی احادیث مشککہ کا مطلب آسانی حل ہو سکتا ہے۔

بنیامین کی یوسف علیہ السلام سے ملاقات

﴿وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ

فَلَا تَبْتَسِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [یوسف: ۱۲/۲۹]

”جب وہ یوسف علیہ السلام کے سامنے حاضر ہوئے تب اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھہرایا اور کہہ دیا کہ میں ہی تیرا بھائی ہوں۔ اب ان باتوں کا رنج نہ کر جو سوتیلے بھائی تیرے ساتھ کیا کرتے تھے۔“

أَوَىٰ إِلَيْهِ: أَوَىٰ أَوَىٰ وَ أَوَاءَ نَزَلَ لَيْلًا وَ نَهَارًا. أَوَيْتُهُ. إِيَؤَاءَ. أَنْزَلْتُهُ. انہی معنی میں ایک دعا ہے: ﴿اللَّهُمَّ اِنْبِئْ إِلَى ظِلِّ كَرَمِكَ وَ عَفْوِكَ﴾

کہتے ہیں یوسف علیہ السلام نے حکم دیا کہ دو دو کو ایک مکان میں ٹھہرایا جائے۔ جب بنیامین اکیلے رہ گئے، تو ان کو اپنے پاس ٹھہرایا۔

تَبْتَسِسُ. اِبْتَسَاسُ (افتعال) سے ہے۔ بَوَسَّ، حَزَنَ وَالْم۔ اِبْتَسَاسُ، اِظْهَارُ رَنَجٍ وَ شَكَايَةٍ۔ یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو بتلادیا کہ وہی اس کے ماں جائے بھائی اور برادر شفیق ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ اب پچھلے غم و غصہ کو فراموش کر دو، ہم کو خدا نے ملا دیا ہے۔

جس وقت سیدنا یوسف علیہ السلام سے مصر میں ملے۔ اس وقت بنیامین ۳۸ سال کے

تھے اور بیٹے پوتے والے تھے۔

ساغر شاہی کا واقعہ

﴿فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَتَيْهَا الْعِزُّ أَنْتُمْ لَسَارِقُونَ ۝﴾ [یوسف: ۷۰]

”پھر جب اُن کے سفر کا سامان یوسف علیہ السلام نے مکمل کر دیا۔ تب پانی پینے کا گلاس اپنے بھائی کے گون میں رکھ دیا۔ اس کے بعد ایک پکارنے والے نے آواز بلند سے اُن کو پکارا کہ اے قافلہ والو! تم چور ہو۔“

سَقَايَةَ: آب خورہ، پانی کی کھیل۔

أَذَّنَ: اذان، بانگ بلند۔

عِيرُ: قافلہ جو غلہ لائے۔ گدھوں پر، خواہ اونٹوں پر، اب اس کا استعمال اونٹوں کے قافلہ پر ہوتا ہے۔

تعاقب کنندہ لوگ سرکاری ملازم تھے

معلوم ہوتا ہے کہ پیالہ کو بوری میں رکھنے کا کام یوسف علیہ السلام نے کیا تھا، جس کا علم بنیامین کے سوا کسی کو نہ تھا۔ اب اس سے آگے سب کام اُن نوکروں کے ہیں۔ جن کی حفاظت میں ابناء یعقوب کے مکانوں کا سامان تھا۔ ان نوکروں نے ان لوگوں کی روانگی کے بعد سامان کو دیکھا ہو گا اور جب ”سَقَايَةَ“ نہ ملا۔ تو اس کی تلاش میں لگ گئے۔ پہلا قیاس انہی پر ہونا چاہیے تھا۔ جو ان کمروں میں اترے ہوئے تھے۔ اس لیے انہی کا تعاقب کیا۔ ﴿إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ﴾ کا قائل وہی مؤذن ہے۔

﴿قَالُوا وَاقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ ۝﴾ [یوسف: ۷۱]

”وہ بولے، اس وقت انہوں نے ان نوکروں کی طرف اپنا رخ پھیر لیا تھا۔

کہ تم کیا کھو بیٹھے ہو؟“

فقدان: فَقَدَ . فَقَدَانَا وَفُقَدَانَا . غَابَ عَنْهُ وَغَدِمَهُ .

فقدان: ”کسی شے کا غائب ہو جانا یا ضائع ہو جانا۔“

﴿قَالُوا نَفَقْدُ صَوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ

زَعِيمٌ﴾ [۱۲/یوسف: ۷۲]

”انہوں نے کہا بادشاہی پیالہ ہم کو نہیں ملتا اور جو کوئی شخص اسے پیش کرے

گا۔ اس کو ایک مضبوط اونٹ کی مشکل سے اٹھانے کا غلہ دیا جائے اور میں

اس کا زمدار ہوں۔“

صَوَاع: پانی پینے کا وہ برتن جو چاندی یا سونے کا ہو، لیکن اگر کانچ کا ہو تو اسے (قَدَح)

لکڑی کا ہو تو (عَس) چمڑے کا ہو تو (علبہ) مٹی کا ہو تو (مَرکن) کہتے ہیں۔

صواع وہی ہے۔ جسے آیت بالا میں سقایہ کہا گیا تھا۔ وہ بلحاظ استعمال تھا۔ یہاں

صواع بلحاظ جنس ہے۔

حِمْل: وہ بوجھ جس کا اٹھانا، اٹھانے والے کو دشوار ہو۔

حَمْل: بالفتح، وہ بوجھ جس کا اٹھانا، اٹھانے والے کو ناگوار نہ ہو۔ درخت کا پھل یا عورت

کے پیٹ کا بچہ۔

فتح چونکہ اخف حرکات ہے۔ اس لیے خوشگوار بوجھ کو بالفتح بیان کیا اور کسرہ چونکہ فتح

سے زیادہ قوی ہے۔ اس لیے بھاری بوجھ کے لیے حِمْل کا استعمال کیا۔ یہ لطافت اور خوبی

کسی دوسری زبان کی لغات میں نہیں۔

زَعِيم: بمعنی کفیل، حدیث میں ہے: ((الزَّعِيمُ غَارِمٌ)) زعيم القوم، رئیس قوم۔

مَوْزَن نے انعام کا بھی وعدہ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسروقہ سامان کی

برآمدگی پر انعام دیئے جانے کا قاعدہ اس وقت بھی مروج تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ انعام

دہندہ افسر کا تعین بھی ضروری ہے۔ ﴿أَنَا بِهِ زَعِيمٌ﴾ نے یہی بتلایا ہے۔

فرزندانِ اسرائیل کا بیان اپنی بابت

﴿قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا

سَارِقِينَ﴾ [۱۲/یوسف: ۷۳]

”ابناء یعقوب علیہ السلام نے کہا: واللہ! تم جانتے ہو کہ ہم ملک میں ابتری

ڈالنے نہیں آئے اور ہم چور بھی نہیں۔“

تَاللّٰہِ میں تاقسمیہ ہے اور یہ حرف بمعنی قسم صرف اسم پاک اللہ ہی پر آتا ہے۔

لَقَدْ عَلِمْتُمْ: سے مراد یہ ہے کہ ہم کئی دفعہ آچکے ہیں اور تم ہمارے اخلاق و آداب سے بخوبی واقف ہو چکے ہو۔

لِنُفْسِدَ فِی الْأَرْضِ: میں سرقت کو باعث فساد اور سبب امن شکنی بیان کیا گیا ہے اور فی الواقع کثرت سرقت کی انتہا انہی مدارج تک پہنچ جاتی ہے۔

وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ: انباء یعقوب کا یہ جواب اس لیے صحیح تھا کہ اس وقت انہوں نے کچھ نہ چرایا تھا اور ملازمین مصر کا ان کو ﴿اَنْتُمْ لَسَارِقُونَ﴾ کہنے کا اس لیے حق تھا کہ سرقت کے بعد مالک مال کا جس پر شبہ ہوا کرتا ہے، وہ اسے چور کہہ دیا کرتا ہے۔

﴿قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَۙ ۝۱۲۱ قَالُوْۤا جَزَاؤُهُ مَنْ وُجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۲۲﴾
بَاَوْعِيْتِهِمْ قَبْلَ وِعَاۤءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجْنٰهَا مِنْ وِعَاۤءِ اَخِيْهِ
كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَۤا مَا كَانَ لِیَاۡخُذَۤا اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلٰٓئِكِ الْاٰ
اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ﴿۱۲۱﴾ یوسف: ۷۴-۷۶

”مؤذن اور اس کے ساتھی بولے کہ اگر تم جھوٹے نکلے۔ تب چور کی (یا چوری کی) سزا کیا؟ انباء یعقوب نے کہا: چوری کی سزا یہ ہے کہ جس کی بوری میں سے کٹورا نکلے، وہ خود چوری کے بدلہ میں جائے گا۔ ہم (آل یعقوب) ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔ مؤذن نے دوسروں کی بوریوں سے تلاشی لینا شروع کی اور پھر کٹورے کو برادر یوسف کے شلیتہ سے نکال لیا۔ ہم نے یوسف علیہ السلام کو یہی تدبیر بتائی تھی۔ یوسف علیہ السلام کو حق نہ تھا کہ شاہی ضابطہ کے مطابق اپنے بھائی کو پکڑ سکتا، مگر یہاں تو اللہ نے ایسا چاہا۔“

کِدْنَا: کید سے ہے۔ اس کے مختلف معانی ہیں۔ جنگ، مکر، قے، حیلہ وغیرہ اور کَاوَلَهُ کے معنی اِحْتَالَ لَہُ آتے ہیں۔ پس کِدْنَا کے معنی حیلہ بنانا اور تدبیر کرنا ہوا۔ ﴿لَمْ

یَکْذِبُ رَہَا ﴿۲۵﴾ [النور: ۲۵] ”اپنا ہاتھ دیکھنے کی کوئی صورت نہیں۔“

یعنی یہ طریقہ کہ برادران یوسف علیہ السلام سے اسرائیلی ضابطہ کے موافق فیصلہ کئے جانے کا اقرار کر لیا گیا۔ ہم نے خود یوسف علیہ السلام کو بتلایا تھا۔

لفظ کِذْبًا فرمانے سے اللہ تعالیٰ نے اول تو یوسف علیہ السلام کی حفاظت فرمائی کہ کوئی شخص نبی معصوم کی ذات پر..... اعتراض نہ کر سکے۔

دوم: کِذْبًا فرمانے سے آئندہ کے لیے ہر ایک شخص کے سامنے ایک روک بھی قائم کر دی تاکہ کوئی شخص اپنے کسی احتیال باطل یا مکرو فریب کے واسطے اس واقعہ کی آڑ نہ لے سکے۔

اللہ تعالیٰ کے یہ فرما دینے کے بعد کہ ہم نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ ظاہر ہو گیا کہ کوئی اور شخص ایسا نہیں کر سکتا۔ ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا اور انہوں نے فرزند کی گردن پر چھری رکھ دی، لیکن اب کوئی شخص ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اوامر الہی مختص صورت میں تھے۔

اب رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کیوں ایسا کیا سو یہ بطور بدلہ کے تھا ﴿جَزَاؤُا سَبِيَّةٍ﴾ [الشوری: ۲۴] کا اصول نہایت محکم ہے۔ یہ وہی ابناء یعقوب ہیں۔ جنہوں نے اپنے باپ نبی اللہ سے یوسف کو کید کے ساتھ حاصل کیا تھا۔ زبان سے تو یہ کہہ رہے تھے ﴿إِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ ”ہم اس کی پوری پوری حفاظت کریں گے“ مگر مشورہ میں جو اس سے پہلے ہو چکا تھا۔ یوسف علیہ السلام کا قتل کیا جانا اور پھینک دیا جانا طے ہو چکا تھا۔ ہاں انہوں نے باپ کو جُل دیا اور باپ کو نیز بھائی کو تکلیف شدید میں ڈالا۔ جس کے لیے شریعت اسرائیلی میں کوئی صورت جواز نہ تھی اور جس کے لیے یوسف علیہ السلام کی کوئی رضا مندی شامل نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان مکاروں کے قبضہ سے بنیامین کو نکالا۔ جب کہ خود بنیامین اس تجویز پر متفق تھا اور جس کی صورت ظاہری بھی اسرائیلی ضابطہ کے مطابق تھی ﴿يَكِيدُونَ كَيْدًا ۚ وَ أَكِيدُ كَيْدًا ۚ﴾ [الطارق: ۱۵-۱۶] کے معنی بھی یہاں حل ہو جاتے ہیں۔

زبان دانی کی ضرورت

جو شخص زبان عرب کے رموز سے واقف ہے۔ اسے اس بات کا سمجھنا آسان ہے کہ

ایسے الفاظ کا استعمال تقابیل کے طریقہ پر ہوتا ہے مثلاً ﴿جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ﴾ پر غور کرو۔ جس کا ترجمہ ہے کہ ”بدی کا بدلہ بد ہے“ لیکن حقیقت پر غور کرو کہ اگر ہم کسی چور یا ڈکیت کو سزا دیتے ہیں تو کیا سزا دہندہ حج کو بھی برے فعل کا فاعل کہا جاسکتا ہے؟ نہیں۔ پس بدی کا بدلہ اس لیے ہے کہ قید وغیرہ بذات خود بد ہیں۔ گو مجرم کے حق میں ان کا نفاذ عدل و انصاف ہیں اور سزا دہندہ حاکم فی الواقع عادل و منصف ہوتا ہے۔

دِينِ الْمَلِكِ: دین کے لغوی معانی بہت ہیں۔ یہاں اس کے معنی ضابطہ و آئین ہیں۔

اس وقت مصر میں تعزیرات کا کوئی قانون تھا؟

اس سے یہ معلوم ہوا کہ مصر میں تعزیرات جرائم کا قانون اور تھا اور یوسف (علیہ السلام) اسی ضابطہ مصر کے مطابق فیصلہ کرنے پر مجبور تھے۔ اس سے ان مسلمان افسروں کو جو کسی غیر اسلامی سلطنت کے ماتحت ہونے کی حالت میں اس سلطنت کے مجریہ قوانین پر فیصلہ دیتے ہیں۔ کچھ تھوڑی بہت امید نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائے۔

قانون بین الاقوام

اس آیت سے انٹرنیشنل لا (قانون بین الاقوام) کا وجود بھی نکلتا ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رعایائے ملک غیر کا فیصلہ ان کے ملکی قانون کے مطابق کرنا بہترین طریقہ انصاف رسانی ہے۔

یہودان بنو قریظہ کا فیصلہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ((اهْتَرَلَهُ عَرُشُ الرَّحْمَنِ)) نے توراۃ ہی کے بموجب فرمایا تھا:

﴿تَرْفَعُ دَرَجَتٌ مِّنْ نِّسَاءٍ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝﴾ [یوسف: ۷۶]
 ”ہم بلند کرتے ہیں درجے ان کے جن کے چاہتے ہیں اور ہر ایک مالک علم کے اوپر علیم ہے۔“

یہ آیت اللہ تعالیٰ نے ایک اچھے فیصلہ کے ذکر کے بعد فرمائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمدہ فیصلہ جات تب ہی صادر ہو سکتے ہیں جب علم صحیح سے حاکم متصف ہوگا۔ یہ بھی معلوم

ہوا کہ بلندی مدارج کا صرف ایک ہی سبب ہے اور وہ علم ہے۔

رفعت درجات علم

پھر یہ بھی بتا دیا کہ خواہ کوئی شخص علم کے کیسے ہی درجہ بلند پر پہنچ جائے تب بھی اسے مغرور نہ ہونا چاہیے، کیونکہ دنیا میں عالم کے اوپر عالم موجود ہیں۔ حتیٰ کہ اس سلسلہ کی انتہا ذات واجب الوجود جلّ تعالیٰ شانہ پر ہو جاتی ہے جو جملہ علوم کا انسان کو القا کرنے والا ہے اور اپنے علم ازلی الابدی کی وجہ سے ”علیم“ کے اسم پاک سے موسوم ہے۔

﴿قَالُوا إِنِّي يَسْرِقُ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ﴾ [یوسف: ۷۷]

”فرزندان یعقوب علیہ السلام بولے: اگر اس نے چوری کی ہے تو اس کے بھائی نے بھی اس سے پہلے چوری کی تھی۔“

وہ بھائی جواب تک ﴿وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ﴾ [یوسف: ۷۳] کہہ رہے تھے۔ یعنی ہم چور نہیں۔ وہی اب جھٹ زبان بدل گئے۔ اب انہوں نے اپنی تقسیم بطون مادری پر کر لی ہے۔ چونکہ بنیامین کا بطنی بھائی صرف ایک ہی تھا، اس لیے گو اس کا نام نہیں لیا گیا، مگر یوسف علیہ السلام کی تعین میں شک بھی نہیں رہا۔

مفسرین رحمہم اللہ نے ﴿فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ﴾ [یوسف: ۷۷] کی بابت بہت اقوال لکھے ہیں۔

بے سند حکایات ﴿سَرَقَ أَخٌ لَهُ﴾ کی تفسیر میں اقوال

لیکن وہ سب اقوال نامعتبر، غلط روایتوں اور بے سند حکایات پر مبنی ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ یوسف صدیق کی عمہ مکرمہ دختر اسحاق علیہ السلام پر چور بنانے کا بہتان قائم کریں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم یوسف علیہ السلام کی بابت سرقتہ بنائیاں یا ماکیاں کی داستان کو زبان سے نکالیں۔ ہم کو تو ضرورت اس امر کی ہے کہ پہلے یہ دیکھ لیں کہ اس قول کے راوی کیسے ہیں۔ کیا یہ وہی راوی نہیں ہیں؟ جنہوں نے نبی اللہ باپ کے سامنے ﴿فَاكَلَهُ الذَّنْبُ﴾ جیسے قول زور کو بڑے زور اور حتمی الفاظ میں بیان کیا تھا۔

محمد ثین رحمہ اللہ تعالیٰ اور علم اسماء الزجاء

اور جب حقیقت یہی ہے تو ایسے ایسوں کی بات کا کیا اعتبار؟ اللہ تعالیٰ اپنے قرب و رضوان کے بہترین مدارج عالیہ محمد ثین امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذب و حمایت میں سینکڑوں، ہزاروں راویوں کے احوال کی تنقید فرمائی۔ معائب و مثالب کو جتایا اور اعتماد و ثقاہت و عدالت کو نمایاں کیا۔ جس سے مبتدعین و منافقین کی تمام مساعی کو پامال کر دیا۔

محمد ثانیہ اصول استعمال کرو

وہی اصول محمد ثانیہ اس جگہ ہمارا بھی رہبر ہے اور ہم نہایت اطمینان قلب سے سمجھتے ہیں کہ ﴿فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ﴾ [۱۲/یوسف: ۷۷] کے راوی اس روایت میں ناقابل اعتبار ہیں۔ ﴿فَاسْرَهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ﴾ قَالَ أَنْتُمْ شَرُّ مَكَانًا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ﴿ [۱۲/یوسف: ۷۷]

”یوسف علیہ السلام نے اس بات کو دل ہی میں رکھا اور اس کی بابت کچھ بھی ظاہر نہ کیا اور یہ کہا کہ تم بجائے خود شریر ہو اور جو بات تم کہتے ہو اسے اللہ خوب جانتا ہے۔“

اس آیت سے غایت درجہ حلم و برداشت کی تعلیم ملتی ہے۔ غور کرو کہ یوسف علیہ السلام کو رودر رو بہتان لگایا گیا، مگر وہ صبر کرتے ہیں، پی جاتے ہیں، ایسی حالت میں کہ حاکم ہیں، ذی قدرت ہیں اور کہنے والے ان کے دست نگر ہیں اور بحالت ذلیل ہیں۔ جب ہم جملہ أَنْتُمْ شَرُّ مَكَانًا فَاسْرَهَا کا بدل قرار دیں۔ تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اتنی بات بھی یوسف صدیق نے اُن کو زبان سے نہ کہی تھی بلکہ دل ہی دل میں کہی تھی:

﴿قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ إِنَّا

نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ [۱۲/یوسف: ۷۸]

”انہوں نے کہا: اے حاکم! اس کا باپ بڑھا بزرگ ہے۔ تو ہم میں سے کسی ایک کو اس کے بدلہ میں رکھ لے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ احسان کرنے والوں میں سے ہیں۔“

”شَيْخٌ“ کس عمر کے شخص کو بلحاظ عمر کہا جاسکتا ہے

ہمارے زمانہ میں ۶۰ سے ۸۰ سال تک کے شخص کو ”شیخ“ کہتے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام اس وقت ۱۲۵ سال سے متجاوز ہو چکے تھے۔

کَبِيرًا: لفظ شیخ عمر کو اور لفظ کبیر منصب و منزلت کو ظاہر کرتا ہے۔

مُحْسِنِينَ: معبود با احسان، یعنی یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ آپ تو ہمیشہ احسان کرنے ہی کے عادی ہیں۔ اب بھی معمول کے مطابق احسان فرمائیے۔

ایک کی جگہ دوسرے کی گرفتاری جائز نہیں

﴿قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ﴾ إِنَّآ إِذَا

لَطَلْمُونُ ﴿[۱۲/یوسف: ۷۹]

”یوسف علیہ السلام نے کہا۔ ہم تو اسے پکڑیں گے جس کے پاس سے ہماری

چیز ہم کو ملی ہے، دوسرے کو ہم پکڑیں تو ہم خود ظالم ٹھہریں گے۔ معاذ اللہ“

وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ کے الفاظ پر ذرا غور کرو۔ کیسے نیچے تلے الفاظ ہیں۔ بنیامین کو

سارق نہیں کہا اور صورت معاملہ وہی بنی رہتی ہے۔

﴿فَلَمَّا اسْتَيْسَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ

أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْتًا مِنَ اللَّهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِي

يُوسُفَ، فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّى يَأْذَنَ لِيَ أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي،

وَهُوَ خَيْرُ الْحَكَمِينَ ۝ ارْجِعُوا إِلَىٰ آبَائِكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ

ابْنَكَ سَرَقَ، وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ

حَافِظِينَ ۝ وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ۝

وَ اَنَا لَصَدِيقُوْنَ ۝ ﴿۱۲﴾ [یوسف: ۸۰-۸۲]

”جب اُن کو بنیامین کی رہائی کی امید نہ رہی۔ تب وہ ایک گوشہ میں مشورہ کے لیے چلے گئے۔ سب سے بڑے (روبن نامی) نے کہا تم جانتے ہو کہ تمہارے باپ نے تم سے بنیامین کے متعلق عہد الہی لیا تھا اور قبل ازیں تم یوسف کے بارے میں جو تقصیر کر چکے ہو وہ تم کو معلوم ہی ہے پس میں تو یہاں سے ہٹنے کا نہیں جب تک باپ مجھے اجازت نہ دے۔ یا اللہ میرے لیے کوئی حکم فرمائے اور وہ تو سب حاکموں سے بہتر حکم دینے والا ہے۔ اب تم سب اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور جا کر کہو کہ ابا! آپ کے لڑکے نے چوری کر لی اور ہم نے جو شہادت دی، وہ اپنے علم کے موافق دی اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے۔ آپ اس بستی سے پوچھ لیں جس میں ہم رہے اور اس قافلہ سے پوچھ لیں جس میں لوٹ کر آئے ہیں اور ہم تو بالکل سچے ہیں۔“

اِسْتَيْسُوا: یاس سے ہے، امید منقطع ہو جانا۔

خَلَصُوا: خلص، علیحدہ ہونا۔ مخلص وہ بندہ جو سب سے علیحدہ ہو کر ایک کا ہو گیا ہو۔

نَجِيًّا: سرگوشی کرنا، چپکے چپکے بات کرنا۔

حَوْضُهُمْ: حوض گے، بڑھ جانا۔ حدیث پاک میں ہے: ﴿اَنَا فَوْطُكُمُ عَلَى الْحَوْضِ ۝﴾

”میں تم سب سے پہلے حوض کوثر پر پہنچ جاؤں گا۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ان کی حالت نزع میں کہا تھا: ((تَقْدِمِينَ عَلٰی فَوْطِ صَدِيقِ)) ”تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا رہی ہو۔“

افراط و تفریط میں فرق

افراط اور تفریط دونوں میں یہ معنی پائے جاتے ہیں، یعنی افراط میں بیشی کی جانب اور تفریط میں کمی کی جانب بڑھ جانا پایا جاتا ہے۔

بخاری: کتاب الرقاق، باب فی الحوض، رقم ۶۵۷۵۔ مسلم: کتاب الفہائل، باب اذا اراد اللہ تعالیٰ رحمۃ امۃ قبض عیبا قبلہا، رقم ۵۹۶۶۔ ابن ماجہ: ابواب الزہد، باب ذکر الحوض، رقم ۴۳۰۴۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

أَبْرَحَ. بَرَحَ بَرَحًا وَبَرَّاحًا. بَرَحَ الْمَكَانَ زَالَ عَنْهُ.

قریہ کے معنی

قَرِيَه: لغت میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انبوہ ہو۔ قَرِيَةُ النَّمْلِ: چیونٹیوں کا بھون۔ آبادی مردم۔ متاخرین نے بلدہ، مصر اور قریہ میں اصطلاحی فرق کر لیے ہیں۔ قرآن مجید میں ان الفاظ کو مترادف معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں مکہ کو قریہ بھی کہا اور بلد بھی

مکہ معظمہ کو ایک آیت میں ﴿وَهَذَا الْبَلَدُ الْأَمِينُ﴾ [۹۵/۱۳۱] بھی فرمایا ہے اور ایک آیت میں ﴿هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ﴾ [۴/۱۳۱] قریہ بھی فرمایا ہے۔ ”وہ زیادہ قوت والے تھے۔ تیرے قریہ سے جہاں سے تجھے نکالا ہے۔“ عِيسَى: جو اونٹ، گدھے، اناج لاتے ہیں۔ اسے عِيسَی کہتے ہیں اور جو سامان جنگ لاتے ہیں اسے قیروان کہتے ہیں اور جو کپڑا وغیرہ لاتے ہیں اسے لطمہ بولتے ہیں۔

یہاں غیر سے غیر والے مراد ہیں۔

اس تقریر پر عمل کیا گیا۔ بڑا بھائی مصر میں ٹھہر گیا اور سب واپس چلے گئے۔ اس تقریر کو ذرا اس تقریر سے ملا کر دیکھو۔ جب ابنائے یعقوب نے باپ سے آکر کہا تھا کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا۔ یہاں تو بڑے وثوق سے اپنے سچے ہونے کا دعویٰ ہے۔ مصر خاص اور کاروان سے شہادت دلانے کی بھی آمادگی ہے اور پہلے موقع پر جب دل میں چور تھا، خود ہی کہہ دیا کہ تم کو ہماری بات سچی نہ لگے گی۔

﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ عَسَى اللَّهُ أَنْ

يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ [۱۲/۸۳] یوسف: ۸۳

”یعقوب علیہ السلام نے کہا: نہیں! تم لوگوں نے ایک بات بنالی ہے۔ اب صبر

ہی بہتر ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب (یوسف، بن یامین، روبن) کو

میرے پاس واپس لائے گا وہ تو کامل علم اور کمال حکمت والا ہے۔“

یعقوب علیہ السلام کی حسن رجا

یعقوب علیہ السلام کو جو حسن رجا (امید) اپنے مالک پر ہے۔ اسے یہ تازہ بہ تازہ مصیبت خیز واقعات کم نہ کر سکے، نہ مٹا سکے۔ یہ صرف انبیا کرام علیہم السلام ہی کی شان ہے کہ مصیبت بڑھ رہی ہے، مگر اُن کو جو اعتماد رب العالمین پر ہے۔ اس میں ذرا تزلزل نہیں آتا۔

﴿وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَفِي عَلَى يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ﴾ [۱۲/ یوسف: ۸۳]

”یعقوب علیہ السلام نے ان بیٹوں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہا کہ یوسف کا بڑا افسوس ہے۔ اب اس کی آنکھیں دل کے رنج سے سفید پڑ گئی تھیں وہ پھر بھی رنج و اندوہ کو دل ہی میں چھپائے ہوئے تھا۔“

اَسْفَى: کا الف سی متکلم کا بدل ہے۔

كَظِيمٌ: کظیم مشک کا منہ باندھنا، دروازہ بند کرنا، کظامہ وہ رسی جو اونٹ کے ناک میں ڈالی جائے۔

حُزْنٌ: رنج دل اور گریہ۔ آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ: ”روتے روتے اُن کی آنکھیں سفید پڑ گئی تھیں۔“

کظیم اور حزن کی مجموعی کیفیت کا نتیجہ

لیکن لفظ کظیم کی شمولیت سے یہ زیادہ موزوں ہے کہ معنی یہ کئے جائیں کہ ”اندوہ دلی سے آنکھیں سفید پڑ گئی تھیں“؛ کیونکہ جو شخص رولیتا ہے، اس کا رنج ہلکا ہو جاتا ہے مگر جس کا غم اندر ہی اندر گھٹا رہتا ہے۔ اسے رونا بھی نہیں آیا کرتا اور یہ غم کی انتہائی حالت ہے۔

وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ کے مفہوم میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ روشنی بالکل بند ہو گئی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ کچھ دھوپ چھاؤں معلوم ہوتی تھی۔ اس بارہ میں کوئی روایت صحیح نہیں ملی۔ قرآن مجید میں آگے چل کر آئے گا۔ ﴿فَارْتَدَّبَصِيرًا﴾ اس سے تو یہی

﴿قَالُوا تَاللّٰهِ تَفْتُوْا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ

مِنْ اَهْلَا الْكَيْنِ ۝﴾ [یوسف: ۸۵]

”لڑکوں نے کہا: بخدا! تم تو یوسف ہی کا برابر ذکر کرتے رہو گے حتیٰ کہ تمہارا جسم اور تمہاری صحت برباد ہو جائے یا تم ہلاک ہی ہو جاؤ۔“

حَرَضٌ: عربی میں بیمار کے نام حسب مراتب ذیل ہیں:

علیل، پھر مقیم، پھر مریض، پھر وقید، پھر ونف، پھر حَرَضٌ اور مُحَرَضٌ۔ حَرَضٌ کے لیے ضرب المثل ہے: لَا حَتّٰى فِتْرٌ لِّىْ وَلَا مِیْتَ فِیْنَسِی (نہ مرے نہ منجاوے) ابناء یعقوب علیہ السلام پر باپ کے یا اَسْفٰی والے فقرہ کا بہت اثر ہوا تھا اور انہوں نے ہمدردی کے لہجہ میں ”تَاللّٰهِ تَفْتُوْا“ والا فقرہ کہا تھا۔ اگرچہ یعقوب علیہ السلام کے قول کے مخاطب وہ نہ تھے۔

﴿قَالَ اِنَّمَا اَشْكُوْا بَنِیَّ وَ حُزْنِیْ اِلٰى اللّٰهِ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا

تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ [یوسف: ۸۶]

”یعقوب علیہ السلام نے کہا: میں اپنے کھلے اور چھپے رنج کی فریاد اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں جو علم مجھے حاصل ہے وہ تم کو نہیں۔“

بَنِیَّ: بَنَّا پھیل جانا، ظاہر ہو جانا۔ بَنٌّ غم کی وہ حالت جو چھپائے نہ چھپ سکے۔ حُزْنِیَّ: حُزن وہ حالت غم جو دل کے اندر مخفی ہو۔

یعقوب علیہ السلام اس سخت درجہ کے ابتلا سے بھی واقف تھے۔ جو انبیاء کے لیے خاص ہوتا ہے اور اس رحمت ربانہ پر بھی یقین رکھتے تھے جو بلا مدد اسباب اور تعبیر تدبیر انسانی کے انسان پر نازل ہوا کرتی ہے۔

آیت بالا میں غایت درجہ کی تفویض و توکل اور انتہائی وثوق برذات الہیہ پایا جاتا ہے۔ باری تعالیٰ کے کلام میں یہ ایسے اسلوب سے بیان فرمایا گیا ہے کہ دل اور روح پر بے اختیار عظمت طاری ہو جاتی ہے۔

﴿یٰۤیْنَیْ اَذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَ اَخِیْهِ وَ لَا تَاۤیْسُوْا مِنْ رُّوْحِ

اللَّهُ إِنَّهُ لَا يَأْتِيَنَّكَ مِنْ رُوحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ﴿٨٤﴾ [یوسف: ۸۴]

”اے بیٹو جاؤ (مصر جاؤ) اور یوسف علیہ السلام و بنیامین کی خوب تلاش کرو۔

تلاش کرنے میں رحمت الہی سے مایوس نہ بنو۔ رحمت الہی سے مایوس ہو جانا کافروں کی ہی کام ہے۔“

تَحَسَّسُوا: حس سے بنایا ہے۔ یعنی چشم و گوش اور عقل و ہوش سے کام لو اور اس راز کو حل کرو۔

تجسس اور تحسس میں فرق یہ ہے کہ تجسس میں طلب شعر کے معنی اور تحسس میں طلب خیر کے معنی خاص ہیں۔ اسی لیے اس شخص کو جاسوس کہتے ہیں۔ جو منجانب دشمن ادھر کے لشکر کی خبر لینے آیا کرتا ہے لیکن جو اپنا آدمی دشمن کے لشکر میں جائے اسے جاسوس نہیں بلکہ عین بولتے ہیں۔

رُوح: راحت، فرح، سرور، رحمت۔ روح اللہ، رحمت الہی۔

اعلیٰ تعلیم تو حید و توکل

یعقوب علیہ السلام کہتے ہیں کہ یوسف اور اسے بھیڑیے کا کھا جانا۔ بنیامین اور اس کا چوری میں پکڑے جانا، ان خیالات کو دماغ سے نکال دو اور پھر عقل و ہوش سے کام لیتے ہوئے یوسف علیہ السلام و برادر یوسف علیہ السلام کی تلاش مصر ہی میں کرو۔

رحمت الہی سے مایوسی کفر ہے

اس ارشاد کے ساتھ بیٹوں کو روحانی تعلیم بھی دیتے ہیں کہ مادی احوال سے آزاد ہو کر خود کو رحمت ربانی کا مستحق ٹھہراؤ اور اس خصوصیت کو حاصل کرو۔ جو مومن کو کافر سے الگ ٹھہراتی ہے۔

اس پر زور فقرہ کے فرمانے کی ضرورت اس لیے تھی کہ انہی بیٹوں سے کام لینا تھا اور یوسف کو بھیڑیا کا کھا جانا اور بنیامین کے قبضہ سے مال مسروقہ کا برآمد ہونا خود اپنا چشم دید بتلاتے تھے۔

یوسف صدیق کے حضور میں بھائیوں کی عاجزانہ گفتگو

﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بِضَاعَةٍ مُزْجَةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي
الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿١٢﴾ [یوسف: ۸۸]

”پھر وہ یوسف علیہ السلام کے سامنے گئے۔ سب نے کہا: اے حاکم! ہم اور
ہمارے کنبہ کو نقصان مال و جان پہنچا ہے اور ہم تیرے پاس کچھ ناکارہ
سامان لے کر آئے ہیں۔ اب ہم کو پورا پورا غلہ دیا جائے اور ہم کو صدقہ دیا
جائے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کو بدلہ دیا کرتا ہے۔“

صُرُّ: نقصان۔ نقصان جان و مال دونوں پر حاوی ہے۔

مُزْجَاةٌ: زجاء۔ یز جوہ زجواً۔ لوٹا دیا، پھینک دیا۔

بِضَاعَةٍ مُزْجَاةٍ: ایسا گلاسرا سامان، ٹوٹی پھوٹی چیزیں، جسے بازار میں کوئی قبول نہ
کرے۔

تَصَدَّقْ عَلَيْنَا: تَصَدَّقْ عَلَیْهِ فقیر کو صدقہ دیا۔ غالباً اس زمانہ میں اولاد نبی پر صدقہ کا
لینا حرام نہ ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی ذات پاک پر اور اپنے اہل بیت اور جملہ بنو ہاشم پر
اور ان کے غلاموں پر صدقہ لینا حرام فرما دیا تھا۔ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے اس روایت کو
مرفوعاً روایت کیا ہے:

((كُنْ كُنْ إِنَّمَا عَلِمْتُ أَنَا أَلُ مُحَمَّدٍ لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ))

”تھوک دے! تھوک دے، تجھے علم نہیں کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صدقہ حلال نہیں“

قرآن مجید یا کسی روایت صحیحہ سے یہ تو معلوم نہیں ہوا کہ فرزند ان یعقوب علیہ السلام
نے مصر جا کر تجسس کے کس کس طریق پر عمل کیا تھا۔ قرآن پاک نے بتلایا ہے کہ یہ لوگ
اپنے ساتھ بے بضاعت مال لے گئے تھے اور غلہ لانے کا تہیہ کر کے گئے تھے۔ انہوں
نے جو تقریر کی وہ بہت درد انگیز تھی۔ سیدنا یوسف علیہ السلام جیسے رقیق القلب کے لیے یہ
تقریر بہت دل ہلا دینے والی تھی۔ بھائیوں کی حالت بھی صورت بہیں و حالت پیرس کی
مصدقہ تھی اور ﴿تَصَدَّقْ عَلَيْنَا﴾ کا لفظ تو ایسا تھا کہ ان شیروں کو احتیاج ہی نے روباہ
مزاج بنا دیا ہے۔

یوسف علیہ السلام کا شفقت آمیز سوال

یوسف صدیق علیہ السلام کی کریم النفس و پاکی فطرت نے اُن کو بے تاب کر دیا اور انہوں نے جلد از جلد حقیقت احوال کے انکشاف کا ارادہ فرمایا۔ اس لیے گفتگو کو ایک مختصر سی تمہید سے شروع فرمایا:

﴿قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ يُّوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ﴾ [۱۲/ یوسف: ۸۹]

”یوسف علیہ السلام نے فرمایا: تم نے وہ بھی جانا جو تم نے یوسف اور اس کے بھائی سے کیا تھا جبکہ تم نادان تھے۔“

یہ پہلا موقع ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنا نام بھائیوں کے سامنے بطور شخص دیگر لیا اور برادر یوسف کا بھی ذکر کیا ورنہ آج تک کسی گفتگو میں اشارہ و کنایہ بھی ان واقعات کی نسبت یوسف علیہ السلام نے نہیں کیا تھا۔

ان لوگوں نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ تو جو کچھ سلوک کیا تھا وہ تو معلوم ہے۔ لیکن بنیامین کے ساتھ ان کے برتاؤ کا پتا اجمالی طور پر یوں ملتا ہے۔

(۱) فرزند ان یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام اور برادر یوسف علیہ السلام کے ساتھ حسد تھا۔

ان کے ابتدائی مشورہ کے الفاظ ہیں۔ ﴿لِيُؤْسَفَ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَيَّ أَبِينَا مِنْ﴾

(۲) فرزند ان یعقوب کا برتاؤ بعد از علیحدگی یوسف بھی بنیامین کے ساتھ حاسدانہ و معاندانہ

تھا۔ یوسف علیہ السلام کے کلام ﴿فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا﴾ میں اس کا اشارہ موجود ہے۔

(۳) یہ ظاہر ہے کہ بنیامین اپنے برادر شفیق کی شفقت و حمایت سے محروم ہو گیا تھا اور ضرور اس کے دل میں ہجوم رنج و درد تھا اور اس کے سبب اولین یہی لوگ تھے۔

یوسف کو شناخت کر لیا گیا

﴿قَالُوا إِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ﴾ [۱۲/ یوسف: ۹۰]

”انہوں نے کہا: کیا تو ہی تو یوسف ہے؟“

ء اِنک: میں استفہام تقریری ہے۔ سوال تعجب واستغراب سے پر ہے۔
لَا نَتَّ یُوسُف میں لام ابتداء، انت مبتدا اور یوسف خبر ہے اور جملہ دو خبروں پر مشتمل ہے۔
قابل غور یہ ہے کہ فرزند ان یعقوب کیونکر اس نتیجہ پر پہنچے کہ جو شخص ان سے بات کر رہا تھا وہی یوسف ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے تاج سر سے اتار لیا تھا۔ بھائیوں نے ان کے سر کے منہ کو دیکھ لیا تھا۔ کوئی کہتا ہے ان کے دانتوں میں جو خاص چمک تھی اسے معلوم کر لیا تھا۔ اگر ہم ان روایتوں سے قطع نظر کر لیں۔ جو صحیح نہیں ہیں۔ پھر بھی خاص قرآن مجید کے اندر ایسی امارات موجود ہیں جن کی وجہ سے فرزند ان یعقوب کا اس شناخت تک پہنچ جانا کہ ”یوسف یہی ہیں“ بالکل آسان تھا۔

شناخت کی وجہ ہشتگانہ

① یعقوب علیہ السلام کا قول ان کو یاد تھا: ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيعًا﴾
”امید ہے کہ اللہ جلد ان سب کو میرے پاس لائے گا۔“

② باپ نے ان کو مصر ہی میں یوسف و برادر یوسف کی تلاش کے لیے فرمایا تھا۔
اِذْهَبُوا مِصْرَ (مصر جاؤ)

③ باپ نے اُن کو ہدایت کی تھی کہ جملہ واقعات پر عقل و ہوش سے کام لیں۔ فرمایا تھا:
فَتَحَسُّوْا۔

④ وہ دیکھتے تھے کہ عزیز مصر معمولی اخلاق کا حاکم نہیں۔ اس کا عدل، اس کی رعایا پروری، اس کی مسافر نوازی، اس کا برتاؤ، اس کی گفتگو بالضرور اہل دنیا سے برتر و اعلیٰ ہے۔

⑤ انہوں نے دیکھا کہ ان کے اہل و عیال کی مصیبت سن کر حاکم پر اتنا زیادہ اثر ہوا۔ جو قریب ترین اور رحیم ترین رشتہ دار ہی پر ہو سکتا ہے۔

⑥ انہوں نے دیکھا کہ یہ یوسف کا نام جانتا ہے اور اس کے برادر شفیق سے بھی

واقف ہے۔

⑦ انہوں نے دیکھا کہ وہ برادران یوسف کے مجرمانہ افعال کو صحیح طور پر انہی پر چسپاں کرتا ہے۔

⑧ انہوں نے دیکھا کہ وہ اُن کی طرف سے ایک معذرت بھی بیان کرتا ہے جو اِذْ اَنْتُمْ کے الفاظ میں ملبوس ہے۔

ان سب باتوں کا مجموعہ شخص واحد میں اور آن واحد میں پایا جانا ان سب کے لیے (جو باپ کے حکم سے یوسف کی تلاش میں بھی لگ گئے تھے) اس صحیح شناخت تک پہنچ جانے کے لیے کافی تھا۔

پہلے شناخت نہ کر سکنے کا سبب

بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کو پہلے شناخت نہ کر سکتا اور اب بار سوم شناخت کر لینا، معمولی مشاہدات انسانی کے موافق ہے۔ ہم جب امتداد زمانہ کے بعد کسی شخص کو ایسی حالت میں دیکھتے ہیں، جو بلحاظ ثروت و امارت یا باعتبار فقر و مسکنت اس کی سابقہ حالت سے بالکل مغائر ہوتی ہے تو اسے فوراً شناخت نہیں کر لیا کرتے گو ہمارے ساتھ ایک مدرسہ یا ایک جماعت میں برسوں پڑھتا رہا ہو یا ایک ہی جگہ ہم خدمت بھی رہا ہو لیکن پہلے زمانہ کی باتوں کا سلسلہ شروع ہوتے ہی وہ نسیان دور ہونے لگتا ہے۔ دماغ اپنے پرانے دفتر کی یادداشتوں کا مطالعہ کرتا ہے اور یکا یک ایسا ہوشیار بن جاتا ہے۔ گویا اس سے پیشتر خواب میں تھا، پھر تو ہر ایک چھوٹی سے چھوٹی بات بھی یاد آتی جاتی ہے۔

گناہ اور جہالت، کمی جہل و افزونی عرفان

یوسف علیہ السلام نے ﴿اِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُونَ﴾ میں گناہ کا فلسفہ بیان فرما دیا ہے۔ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر یہ اصول زیادہ واضح الفاظ میں ہے: ﴿ثُمَّ اِنْ رَّبِّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ﴾ [۱۶/ النحل: ۱۱۹] ”جن لوگوں نے برے عمل جہالت سے کئے۔“ ان آیات سے واضح ہے کہ جملہ جرائم، اثم، سوء، ذنب کا منبع جہالت ہے۔ جہل جس قدر کم محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہوتا جاتا ہے اسی قدر انسان کا عرفان بڑھتا جاتا ہے اور جس قدر علم ربانی میں افزونی ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر رفع درجات ہوتا رہتا ہے۔

﴿قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَ

يَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ [یوسف: ۹۰]

”کہا ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے خدا نے ہم پر احسان کیا۔

بیشک جو کوئی تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر کو

ضائع نہیں کرتا۔“

﴿مَنْ اللَّهُ عَلَيْنَا﴾ میں یوسف علیہ السلام نے سب ہی بھائیوں کو شامل فرمالیا۔ تاکہ

ان کا قلق و اضطراب دور ہو جائے۔ جو یوسف ہونے اور پھر بزبان یوسف اپنے اعمال

نکوہیدہ کی جانب ایک مخفی اشارہ پانے سے ان کے دل میں پیدا ہو گیا تھا۔

نبی اللہ نے چاہا کہ جلدی سے بھائیوں کو مطمئن فرمادیں۔

تقویٰ کے معنی

يَتَّقِ: تقویٰ سے ہے۔ تقویٰ اس ملکہ کو کہتے ہیں جو قلب مومن میں قائم ہو جاتا ہے

اور ترقی کرتا رہتا ہے۔ اس ملکہ کے راسخ ہو جانے کے بعد بندہ کے دل میں عظمت و جلال

ربانی مستحکم ہو جاتا ہے اور پھر گناہ و معصیت کی جانب میلان پیدا نہیں ہوتا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سالک کی ابتدا بھی تقویٰ سے ہوتی ہے اور انتہا بھی تقویٰ پر۔

صبر کے معانی

يَصْبِرُ: صبر جس نفس کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کے تحت یہ معنی بھی ہیں کہ:

① نفس کو خواہشات نفسانی سے روک رکھے۔

② یہ معنی بھی ہیں کہ ابتلاء و امتحان کے مواقع پر استقامت و استقلال سے رہے۔

③ یہ معنی بھی ہیں کہ عقائد صحیحہ و ارشادات دینیہ کا جو حصہ اسے مل چکا ہے۔ اس کی

حفاظت ہمیشہ رکھے۔

اخلاقِ فاضلہ کی تعریف..... ستائش خود سے پرہیز

یوسف علیہ السلام کا مقصود اس جگہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انعام و اکرام اُن پر فرمایا ہے وہ تقویٰ و صبر اور احسان بر خلق جیسے اعمالِ صالحہ کا اجر ہے، لیکن وہ اسلوبِ کلام کو بدل دیتے ہیں تاکہ سامع کو یہ وہم نہ ہو کہ وہ خود اپنے تقویٰ و صبر و احسانات پر فخر یا خود ستائی کرتے ہیں۔

بے شک خدا کے نبی و صدیق کی شانِ عالی کے یہی شایان تھا کہ خود تواضع و انکسار اختیار فرمائیں اور مسائلِ بالا کا ذکر مسئلہ شرعیہ و انعامِ الہیہ کے طریق پر کر جائیں۔ تاکہ غور کرنے والے کے لیے ایک شاہراہِ ہدایت بھی مل جائے اور بھائیوں کو ان کی فضیلت و برتری ذرا بھی ناگوار نہ گزرے۔

یوسف علیہ السلام کی بزرگی کا اعتراف

﴿قَالُوا تَا لَلَّهِ لَقَدْ أَتَرَكْنَا اللَّهَ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَاطِئِينَ﴾ [یوسف: ۹۱]

”سب نے جواب میں کہا بخدا! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور ہم تو ضرور خطا کار ہیں۔“

﴿اَتَرَكْنَا﴾ آثرہ ایثاراً (اختارہ و اکرمہ و فضلہ)

﴿خَا طِئِينَ﴾ خاطی۔ وہ جو نیت و ارادہ سے ارتکابِ خطا کرتا ہے۔ غلطی، وہ جس کی نیت میں ارتکابِ خطا نہیں گواہ سے صدور خطا ہوتا ہے۔

جب برادرانِ یوسف نے یوسف علیہ السلام کا مندرجہ بالا کلام جو حقائقِ عالیہ سے پر اور شرافتِ نفس و کرمِ طبع و نزہتِ قلب پر مشتمل تھا۔ سنا تو ان پر بہت گہرا اثر پڑا اور ان کو بے اختیار اقرار کرنا پڑا۔ جس میں یوسف صدیق کی افضلیت کا اعتراف اور اپنی مجرمیت کا اقبال تھا۔

یوسف علیہ السلام کی شاندار کامیاب زندگی کا یہ دوسرا نظارہ ہے۔

(۱) ایک دفعہ تو امراۃ العزیز نے سر در بار اپنی خطا اور صدیق کی عصمت و پاکیزگی کا اقرار کیا تھا۔

(۲) اور آج وہی حسد کے مارے ہوئے، جان کے دشمن بھائی سر در بار اپنی خطا کاری و جرم کا اقرار اور یوسف علیہ السلام کی فضیلت و برتری کا اعتراف کرتے ہیں۔ وَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ.

ولداری و درگزر

﴿قَالَ لَا تَحْزَنْ عَلَيَّكَ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ذَوُوهُ أَرْحَمُ

الرَّحِيمِينَ﴾ [۱۲/یوسف: ۹۲]

”یوسف علیہ السلام نے کہا: آج تم پر کچھ ملامت نہیں، خدا تمہیں بخشنے والا ہے۔“

تَحْزِينٌ: ثَرْبُهُ ثَرْبًا۔ گناہ پر ملامت کرنا، عار دلانا۔

ثَرْبٌ: وہ چربی جو جانور کے گوشت کے ساتھ لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔

تَحْزِينٌ: پوست اتار کر چربی اتارنا۔ دوسرے کے جرائم کو ایسے طعن و تشنیع سے گنونا کہ اس کی چربی پھلنے لگے۔

اللہ اکبر! یوسف علیہ السلام نے نہ صرف اپنی طرف سے عفو و درگزر کا اعلان فرمایا، بلکہ شرمسار بھائیوں کو غفرانِ رحمن کا بھی امید وار ٹھہرایا اور ان کو اللہ تعالیٰ کے اس اسمِ معظم کی تعلیم دی جو بندہ کو رحم اور رحمتِ ربانی کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ وہ اسمِ پاک ”الرحم الرحیمین“ ہے۔

یوسف علیہ السلام کی شناخت کب ہوئی؟

توراة سے ثابت ہے کہ قحط کا دوسرا سال تھا۔ جب یوسف علیہ السلام نے خود کو بھائیوں

پر ظاہر کیا۔



قمیص یوسف علیہ السلام کا کنعان جانا، یعقوب علیہ السلام

کی آنکھوں کا روشن ہو جانا

اسرائیل و ابنائے اسرائیل کا مصر پہنچنا

﴿ادْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا

وَأَتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ﴾ [یوسف: ۹۳]

”میرا یہ قمیص لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرہ پر ڈال دو۔ وہ سو جا کے
ہو جائیں گے اور تم سب اپنے اپنے کنبہ سمیت میرے پاس چلے آؤ۔“

قمیص: قَمِيصٌ، قِمَاصًا وَقِمَاصًا۔ گھوڑے نے دونوں پاؤں اٹھالیے۔ جب قمیص نکلا
تب اس کی دونوں آستنیوں کو گھوڑے کی انٹھی ہوئی دونوں ٹانگوں سے تشبیہ دی گئی۔

قَمِيصٌ: کرتہ اور غلاف۔ وہ کرتہ جو روئی کے کپڑے کا ہو اور اس کا چاک کندھے کی طرف ہو۔
ورع: وہ کرتہ جس کا چاک سینہ کی جانب ہو۔

یوسف علیہ السلام کا یہ کلام ربانی اعلام سے تھا۔ غور کرو! ایک وہ کرتہ تھا جسے دیکھ کر
یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں میں جہاں تاریک ہو گیا تھا اور ایک یہ کرتہ ہے جسے منہ پر ڈالنے
سے آنکھوں کا نور لوٹ آیا۔ یہ دونوں کرتے یوسف علیہ السلام ہی کے جسم کے تھے اور ان
دونوں کے لانے والے بھی وہی فرزندان یعقوب تھے۔

مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے

حقیقت یہ ہے کہ نہ لانے والے کی کوئی فضیلت ہے اور نہ کرتہ کی کوئی عظمت۔ مؤثر
حقیقی وہی رب العالمین ہے۔ ہر ایک دوا، خواہ وہ کیسی ہی مجرب کیوں نہ ہو۔ ہر ایک دعا خواہ
وہ کیسی ہی مؤثر کیوں نہ ہو، اس میں اثر و تاثیر اسی وقت پیدا ہوتی ہے، جب مالک الملک کا

حکم ہوتا ہے۔

اب تیسرے کرتے کو بھی یاد کرو۔ جسے امراۃ العزیز کے رشتہ دار نے صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا تھا اور اللہ تعالیٰ نے یوسف صدیق علیہ السلام کی صدق و عفت کو انہی کے مقرر کردہ معیار کے مطابق پورا کر دکھایا تھا۔

یعقوب علیہ السلام نے قبل از وقت اطلاع دی

﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْ لَا

أَنْ تُفَنِّدُونْ ۝﴾ [۱۲/ یوسف: ۹۳]

”جب قافلہ نے مصر چھوڑا۔ تب یعقوب علیہ السلام نے کہہ دیا کہ مجھے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آتی ہے، اگر تم یہ نہ سمجھو کہ یہ بہکی باتیں کر رہا ہے۔“

فصل: فَصْلُ فُصُولًا، علیحدہ ہوا۔ الگ ہوا۔ یعنی جب قافلہ شہر مصر سے باہر نکلا۔

رِيح: معنی راح۔ یعنی خوشبو کا آنا متنبی کا مصرع ہے۔ واخذت اطائب ريحه تتصووع

تُفَنِّدُونْ. فَنَدَ: فَنَدًا: بڑھاپے یا بیماری سے عقل میں فرق آ جانا، بہکی باتیں کرنا۔

أَبُوهُمْ میں ہُم سے مراد پوتے ہیں کیوں کہ بیٹے تو سب مصر چلے گئے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان حنین میں یہ رجز فرمایا تھا۔

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَلِّبِ

علم غیب اور انبیا

ذرا غور کرو۔ ایک وقت وہ تھا کہ یوسف صدیق خاص کنعان کی سرزمین میں چاہ

کے اندر موجود تھے اور یعقوب علیہ السلام کو اس کا کچھ علم نہ ہوا اور ایک وقت یہ ہے کہ ابھی قافلہ

دس دن کی راہ پر ہے اور انہوں نے کنبہ میں بیٹھے ہوئے کہہ دیا کہ ”مجھے یوسف علیہ السلام کی

خوشبو آ رہی ہے۔“

شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

بکے پُر سید زان گم کردہ فرزند کہ اے روشن گہر پیر خردمند

زمصرش بوی پیرا ہن شنیدی چرا در چاہ کنعاش ندیدی
بگفت احوال مابرق جہان ست دے پیدا و دیگر دم نہان ست
گہے بر طارم اعلیٰ تشلیم گہے بر پشت پائے خود نہ بنلیم

﴿قَالُوا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلٍكَ الْقَدِيْمِ ۝﴾ [یوسف: ۹۵]

”وہ بولے بخدا تو تو اپنی اسی پرانی غلطی میں ہے۔“

ضلال: کے معنی دین یا حق یا راہ سے دور ہو جانا ہے۔ یہ لفظ نسیان کے معنی میں بھی آ جاتا ہے۔ ہم نے ترجمہ میں سب سے ہلکا لفظ استعمال کیا ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ خدا کے نبی اور اپنے پدر بزرگوار کو زور و در زور انہوں نے جو لفظ کہے وہ بہت سخت ہیں۔ غالباً یہ گستاخی بھی معاف ہو چکی ہوگی۔

﴿فَلَمَّا اَنْ جَاءَ الْبَشِيْرُ اَلَقَهُ عَلٰى وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا قَالَ اَلَمْ

اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ [یوسف: ۹۶]

”جب بشیر آیا اس نے کرتہ یعقوب علیہ السلام کے چہرہ پر ڈال دیا تو وہ پہلے

جیسے بینا بن گئے۔ یعقوب علیہ السلام نے کہا: کیا میں نے تم سے کہہ نہ دیا تھا کہ

مجھے اللہ کی جناب سے وہ علم ہے، جو تم کو نہیں۔“

الْبَشِيْرُ: ابن جریر نے چند روایات سے ثابت کیا ہے کہ وہ یہود ابن یعقوب تھا۔

فرزدان یعقوب نے مسلسل و متواتر چند دفعہ یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کا یقین دلانا چاہا، لیکن انہوں نے ہمیشہ ان کی باتوں کو رو ہی کیا۔

اعتمادِ الہی کا نتیجہ

اس فراق و جدائی کو انہوں نے ابتلا و امتحان ہی سمجھا اور دورانِ مدتِ ابتلاء میں نہ کبھی کسی مخلوق سے شکوہ کیا، نہ حرف شکایت کبھی زبان پر لائے۔ انہوں نے ہمیشہ رضاءِ الہی کو اپنا مقصود و مراد بنایا اور تفویض و توکل پر اعتماد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعتماد کو پورا کر دکھایا۔

درخواستِ مغفرت

﴿قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ ۝﴾ [یوسف: ۹۷]

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

”سب نے مل کر کہا: اے ہمارے باپ! ہمارے گناہوں کی بخشش کا سوال (اللہ) سے کیجئے۔ ہم تو جان بوجھ کر خطا کرتے رہے۔“

فرزدان یعقوب علیہ السلام کا یہ اقبال جرم اس وقت کا ہے، جب اُن کے لیے انکار کی کوئی صورت باقی نہ رہی تھی۔ امراۃ العزیز کا دربار میں اقبال بھی اسی قبیل سے تھا۔

التوابع در خواست

﴿قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ

الرَّحِيمُ﴾ [یوسف: ۱۲/۸۰]

”یعقوب علیہ السلام نے کہا میں اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی درخواست کروں گا۔ میرا رب تو بہت معاف کرنے والا اور کمال رحم والا ہے۔“

سَوْفَ: مضارع کو مستقبل بعید کے معنی میں خاص کر دیتا ہے۔

ابن جریرؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث مرفوع روایت کی ہے کہ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ سے یعقوب علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ شب جمعہ کو دعا فرمائیں گے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اس روایت کو ضعیف بتلایا ہے اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اس کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے۔

یعقوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کا انتظارِ بہم

لہذا یہ سمجھنا زیادہ مناسب ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے اس دعا کو لقاء یوسف تک ملتوی کر دیا ہو۔ یوسف علیہ السلام نے بھی بھائیوں کی ایسی درخواست پر یَغْفِرُ اللہُ بصیغہ مضارع فرمایا تھا۔ گویا یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کا اور یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام کا انتظار کیا۔ بیشک یہ زیادہ مکمل صورت تھی کہ معافی دونوں بزرگوں کی جانب سے بوقت واحد عمل میں آئی۔ ابن جریرؒ نے ایک طویل روایت بیان کی، ہے کہ یعقوب و یوسف علیہما السلام نے ۲۰ سال تک ان کے لیے دعائے مغفرت کی تب منظور ہوئی۔ یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔ اس میں یزید رقاشی اور صالح المری دونوں راوی سخت ضعیف ہیں۔ یعقوب علیہ السلام تو اس واقعہ سے ۲۰ سال بعد تک زندہ بھی نہ رہے تھے۔

فصل

اسرائیل و بنی اسرائیل کا مصر کو جانا، مصر کی اقامت

یوسف علیہ السلام اور اللہ کی نعمتوں کا اعتراف، مصر میں جانے والوں کی تعداد کا نقشہ، مصر سے نکلتے وقت تعداد کا جدول۔

یوسف علیہ السلام کی ملاقات

﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَبَوَاهُ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ

إِنْ شَاءَ اللَّهُ أَمِينٌ ۝﴾ [یوسف: ۹۹]

”جب یہ سب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو اس نے ماں باپ کو اپنے پاس ٹھہرایا اور کہا کہ چلو مصر میں داخل ہو۔ ان شاء اللہ تم کو وہاں ہر طرح کا امن ملے گا۔“

سو تیلی ماں کا درجہ

تواریخ میں اور تاریخ سے ثابت ہے کہ یوسف علیہ السلام کی والدہ کا انتقال تو بنیامین کے نفاس ہی میں ہو چکا تھا۔ ان کی خالہ جوزج یعقوب علیہ السلام تھیں یعنی لیاہ بیگم۔ وہ مصر میں گئی تھیں۔ پس لفظ أَبَوَاهُ میں وہی مراد ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ والدہ کے بعد سو تیلی ماں کا درجہ بھی مثل والدہ ہے۔

تعظیم والدین اور والدین کی طرف سے احترام

﴿وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجْدًا وَقَالَ يَا بَنِيَّ هَذَا تَأْوِيلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ

اَلْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۱۲﴾ [یوسف: ۱۰۰]

”یوسف علیہ السلام نے ماں باپ کو عرش کے اوپر بٹھایا اور وہ سب اس کے لیے سجدہ میں گر پڑے۔ یوسف علیہ السلام نے کہا: پیارے باپ یہ ہے تاویل میری خواب کی جو پہلے آیا تھا، میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا۔ اللہ نے میرے ساتھ احسان فرمایا جب مجھے زندان سے نکالا۔ یہ بھی مجھ پر احسان فرمایا کہ تم کو بیابان سے یہاں لے آیا۔ اس سے پیچھے کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ریش ڈال دی تھی۔ بیشک میرا رب اُن اُمور کا دانہ ہے جو وہ کرنا چاہتا ہے، وہ علیم و حکیم ہے۔“

﴿خَرُّوا لَهُ سُجَّدًا﴾ کی توجیہ اکثر علما نے یہ کی ہے کہ یوسف علیہ السلام کے مل جانے کے شکریہ میں سب نے سجدہ کیا۔

کیا یوسف علیہ السلام صرف جہت سجدہ تھے؟

بعض نے یہ توجیہ کی کہ یوسف علیہ السلام صرف جہت سجدہ تھے۔ جیسا کہ کعبہ ہماری لیے جہت سجدہ ہے اور کعبہ کو سجدہ کرنا کسی کا مقصود نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان علماء کرام کے قلوب میں اسلامی تعلیم اس قدر محکم جا گرفتہ ہے کہ وہ ملل سابقہ کے افعال کی بھی توجیہ کرنا چاہتے ہیں۔ خدا کرے کہ سب ہی مسلمانوں کے دل میں سجدہ غیر اللہ کی حرمت ایسی ہی قائم و دائم رہے۔ اب اصلیت یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے عہد تک کوئی شریعت نازل نہ ہوئی تھی۔ جس میں تفصیلی احکام ہوں۔ اولین شریعت جو دنیا میں پائی جاتی ہے وہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ہے۔ عہد موسوی سے پہلے کئی ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جن کا وجود نزول شریعت کے بعد اٹھ گیا ہے۔

مثلاً نکاح واحد میں دو بہنوں کا وقت واحد میں پایا جانا توراۃ میں منع ہے۔ مگر یعقوب علیہ السلام کے گھر میں رانخیل ولیاہ دونوں خواہران حقیقی موجود تھیں۔

عہد اسرائیل میں شکرانہ باجازت ربانی جائز تھا

پس صحیح تفسیر ﴿خَرُّوا لَهُ سُجَّدًا﴾ کی یہی ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے عہد میں

سجدہ شکرانہ جائز تھا۔ بشرط کہ اس کی اجازت مِّنَ اللّٰہِ ہوگئی ہو۔ اس سجدہ کی اجازت یوسف علیہ السلام کے ابتدائی خواب ہی میں پائی جاتی تھی۔ اسرائیل و بنی اسرائیل نے جو کچھ کہا۔ وہ ”اٰمِنًا لَا لِاَمْرِ اللّٰہِ“ کیا تھا۔ اس میں رائے یا قیاس یا رسم کا دخل نہ تھا۔

اگر حکم الہی موجود نہ ہوتا تو یوسف علیہ السلام بھی خود گوارانہ کر سکتے تھے کہ باپ (جسے نبوۃ و علم میں بھی ان پر تقدم تھا) بیٹے کو سجدہ کرے۔ غالباً حکمت الہیہ یہ تھی کہ حاسد برادران یوسف کو ان کی ذلت و حقارت کا مجسمہ دکھلایا جائے اور یہی فضل یوسف علیہ السلام کو ان کے جور و ستم اٹھانے کا بہترین انعام بن جائے۔

اولاد کی ترقی والدین کو کبھی شاق نہیں ہوتی

باقی رہے ماں باپ.....! قدرتا و فطرتاً اگر کوئی شخص کسی شخص کو اپنے سے برتر و خوش تر حالت میں دیکھ کر شادمان ہو سکتا ہے تو وہ والدین ہی ہیں۔ بیٹا اپنے والدین سے دولت و اقبال ظاہری اور نعمت و افضال معنوی میں خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ بڑھ جائے۔ ماں باپ کو اس کی ترقی و افزونی پر ہرگز حسد نہ ہوگا بلکہ ان کی مسرت و شادمانی میں بھی اسی قدر زیادہ ترقی ہوتی رہے گی۔ بعض لوگوں نے اس واقعہ سے یہ استنباط کرنا چاہا ہے کہ مرید اپنے پیرو مرشد کو سجدہ کر سکتا ہے، مگر یہ غلطی ہے۔ اگر ان کی دلیل ظاہر قصہ ہے۔ تب تو یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ پیرو مرشد اپنے مرید کو سجدہ کیا کرے، جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو کیا تھا غور کرو کہ خاص اذن الہی کی شرط کو ان لوگوں نے چھوڑ ہی دیا ہے۔ یاد رکھو کہ اب مسلمانوں کو تو حکم یہ ہے۔ ﴿فَاسْجُدُوا لِلّٰہِ﴾ [البقرہ: ۵۳/۶۲] ”یعنی اللہ ہی کو سجدہ کرو۔“ ﴿وَلَا یَسْجُدُونَ﴾ ”اہل ایمان صرف اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔“

یوسف علیہ السلام کے حسن ادب کو دیکھو۔ انہوں نے جیل سے نکلنے کو بھی احسان ربی بتلایا اور کنبہ کا مصر میں آجانا بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے حق میں احسان شمار کیا۔ اس طرز کلام سے تمام کنبہ کے دل سے یہ وہمی خیال بھی دور کرنا تھا کہ کہیں اُن کا آنا یوسف کو ناگوار نہ گزرے۔

صحرائی و شہری زندگی

مِنَ الْبَدُو: بدو، صحراء، ان الفاظ پر غور کرو! صحرائی زندگی کو تمدنی زندگی سے کمتر محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بتلایا گیا ہے ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ ((مَنْ بَدَأَ جَفَاً)) ”صحرا نشینی سے درشت خوئی پیدا ہوتی ہے۔“ اس میں شک نہیں کہ تحصیل علم و ادب اور آسائش و رفاهیت کے جو سامان شہری زندگی میں میسر ہوتے ہیں، وہ صحرائی اور دیہاتی زندگی میں کہاں! وہ مرداراد ہتال کندہ نَزَغ: طعن کرنا، چوٹ لگانا، فساد ڈالنا۔ نزع الشیطان وساوس۔

یوسف علیہ السلام کا خلق عالی دیکھو کہ گوانہوں نے بھائیوں کے خلاف کچھ بھی نہ کیا تھا تاہم طرز کلام ایسا اختیار فرمایا کہ آپ اپنے کو بھائیوں سے متمیز نہیں کیا۔
لَطِيف: جو اسماء حسنیٰ میں سے اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ اس کے معنی ہیں۔ امور مخفی کا داننا، دل کی چھپی باتوں کا جاننے والا۔

یہ اسم پاک اس امر کا اشارہ کر رہا ہے کہ یہ کون جان سکتا ہے کہ یوسف کا چاہ میں گرایا جانا مصر میں پہنچنے کا سبب ہوگا۔

اور ان کا جیل میں ڈالا جانا تخت امارت و حکومت پر تحمکن کا ذریعہ ہوگا اور قحط عام کا پھیلنا اسرائیل و بنی اسرائیل کے مصر میں آباد ہونے کا باعث بنے گا۔
اللہ تعالیٰ (جو لطیف بامور ہے) یہ سب کچھ جانتا تھا، اسی نے ان جملہ اسباب کو پیدا کیا، اسی نے عناقوغنا سے اور محن کو محن سے تبدیل فرمایا۔

مصائب یوسف علیہ السلام معہ نتائج

☆ الف: بندہ کو لازم ہے کہ جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو یوسف علیہ السلام کے مصائب کو معہ اُن کے نتائج کے یاد کرے۔

صبر جمیل کا اجر جزیل

☆ ب: مومن کو واجب ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے صبر جمیل کو معہ اس کے اجر جزیل کے یاد رکھے تاکہ ایام مصیبت بھی بانتظار کشود کار باعث اطمینان و استقرار دل بن جائیں۔

✽ فارسی کا ایک مشہور شعر ہے: یوسف کہ بمصر بادشاہی میکرد میگفت گدا بودن کنعان خوشتر ترجمہ: ”یوسف علیہ السلام جو مصر میں بادشاہی کر رہے تھے وہ کہتے تھے کہ کنعان میں (جو میرا وطن ہے) گداگری اس سے بہتر ہے۔“ دیکھو کتنا غلط شعر ہے۔ قرآن کریم سے اس کا رد ہوتا ہے۔

☆ ج: انسان کو شایاں ہے کہ جب اسے آتش حسد کی جلن ستائے تو وہ برادران یوسف کے انجام پر نظر ڈال لے۔

☆ د: مسلمان کو لابدی (لازمی) ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اسے اپنے افضال لائق بنائے تو شاد کام فرمائے۔ تو حاسدوں اور دشمنوں، بدخواہوں اور بداندیشوں کے ساتھ عفو عام اور درگزر تام کا سلوک فرمائے۔

مدت فراق یعقوب علیہ السلام

اس جگہ یہ حساب بتانا ضروری ہے کہ حضرت یعقوب و یوسف علیہم السلام کی مدت فراق کیا تھی۔ بائبل سے ثابت ہے کہ چاہ میں گرائے جانے کے وقت عمر یوسف علیہ السلام ۱۷ سال تھی اور بوقت وزارت ۳۰ سال۔ بھائیوں نے یوسف کو قحط کے دوسرے سال میں شناخت کر لیا۔ اسے ہم وزارت کا دسواں سال کہہ سکتے ہیں۔ پس مدت فراق ۲۳ سال تھی اور ملاقات پدر کے وقت صدیق علیہ السلام کی عمر چھل (۶۰) سال تھی۔ ابن جریر نے متعدد روایات میں مدت فراق ۱۸ و ۴۰ و ۸۰ سال بیان کی ہے مگر ۲۳ سال ان شاء اللہ زیادہ صحیح ہے۔ البتہ ۴۰ و ۸۰ سال کی اعداد اس طرح صحیح رہ سکتی ہیں کہ مدت وزارت اسی سال تھی اور عمر بوقت ملاقات ۴۰ سال۔ اب ﴿جَاءَ بِكُم﴾ کی تفسیر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں ایک نقشہ درج کیا جائے تاکہ مصر میں جا بسنے والوں کے نام ناظرین کو معلوم ہو جائیں۔

اول: یعقوب علیہ السلام۔ جن کی عمر اس وقت (بقول بائبل) ۳۰ سال تھی۔

دوم: لیاہ خاتون، زوج یعقوب علیہ السلام۔



جدول اسماء بنی اسرائیل جو کنعان سے مصر میں جا آباد ہوئے
خاندان یعقوب علیہ السلام کے جملہ افراد جو مصر میں گئے تھے

بیوی کا نام	نام فرزندان یعقوبؑ	نام نیرگان یعقوبؑ	کیفیت
لیاہ خاتون	روبن	ہنوٰک، پھلو، ہمرون، کرمی	
	سمعون	یہوآئل، یمین، احد بکین، ساؤل	
	لاوی	جیرسون، قہات، مراری	موسیٰؑ کا نسب نامہ یہ ہے موسیٰ ابن عمران بن قہات بن لاوی
لیاہ خاتون	یہوداہ	سیلہ، پھارس، زارہ فرزندان پھارس ہمرون، جھول	دو بیٹے یہوداہ کے اور تھے غیر وادنان و ہ مصر جانے سے پیشتر مر گئے تھے۔ حضرت داؤد، سلیمان و زکریا و یحییٰ و مسیحؑ یہوداہ کی اولاد میں سے ہیں۔
	اشکار	تولہ، فودہ، یوب، سرون	
	زبلون	سرد، ایلون، تگیلیل	
میزان اولاد لیاہ	فرزند دختر کل ۶ ۱ ۷	نیرگان بنت اشکار، کل ۲۳ ۱ ۲۵	کل ۳۲ بائیل نے میزان ۳۳ دی۔ اس میں ایک غلطی یہ ہے کہ آؤینہ دختر یعقوب کو شمار نہ کیا۔ دوسری غلطی کہ غیر وادنان کو بھی شمار کر لیا جو مصر جانے سے پہلے مر گئے تھے۔

بیوی کا نام	فرزندان یعقوبؑ	نیرگان یعقوبؑ	کیفیت
زلفہ لونڈی کی اولاد	جد	سفیان، جچی، سونی، ایسان عمری، ارودی، ارپلی	۸
آشر		یسند، اسواد، اسوی، بریعاہ بنی بریعاہ۔ حمر، ملکلی دختر سرہ	فرزند ۷ دختر ۱ کل ۸
میزان اولاد زلفہ	۲	پوتے ۱۳ پوتی ۱	۱۶
بابہ لونڈی کی اولاد	دان	حشیم	۲
نفتالی		بکھی، بیل، جونی، بصر، سلیم	۵
میزان	۲	۵	۷
رحیل خاتون کی اولاد	بنیامین	بلع، بکر، اھیل، حمراء نعمان، اخی، روس، ہم، حصیم، ارد	۱۱
یوسف علیہ السلام	منسی	افرایم	فرزندان یوسف مصر ہی میں پیدا ہوئے تھے۔
میزان	۲	۱۲	۱۴
میزان کل	فرزندان ۱۲ دختر ۱	نیرگان ۵۴ پوتیاں ۲	۶۹

تفصیل بالا کے بموجب میزان ۶۹ آتی ہے۔ بائبل میں ۷۰ ہے۔ جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو شامل کر کے صحیح ہے۔ مگر اعمال (تتر انجیل) باب ۷ درس ۱۴ کو پڑھو۔ اس کے الفاظ یہ ہیں تب یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ یعقوب علیہ السلام اور ان کے دو بیٹوں کے ساتھ کل تعداد ۷۹ ہو جاتی ہے۔ پادری صاحبان فیصلہ کر سکتے ہیں کہ عہد نامہ قدیم کی تعداد

صحیح ہے یا عہد نامہ جدید کی یادوں صحیح ہیں یا دونوں غلط ہیں۔ یوسف علیہ السلام اور ان کے دونوں فرزند ان کو نکال کر (جو پہلے سے مصر میں موجود تھے) ﴿وَأَتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ﴾ کے تحت میں مصر جانے والوں کی تعداد (۶۶) تو صحیح ہے۔

یہ قابل غور ہے کہ بائبل نے اس تمام قافلہ کے رجال کی عورتوں کو شمار میں شامل نہیں کیا۔ عورتوں کا عدم وجود گویا برابر تھا۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ وہ تعداد بھی درج کر دیں جو خروج مصر کے وقت بنی اسرائیل کی تھی۔ مندرجہ ذیل تعداد میں حسب بیان بائبل صرف وہ مرد شامل ہیں جن کی عمر شمار کے وقت زائد از بست سال تھی۔ ❁

یہ تمام مردم شماری خروج کے بعد دوسرے سال کے دوسرے مہینے کی پہلی تاریخ کو کی گئی تھی۔

(۱) اولاد روبن ۳۶۵۰۰

// سمعون ۵۹۳۰۰

لاوی

(۱) یہوداہ ۷۴۶۰۰

// اشکار ۵۳۴۰۰

// زبلون ۵۷۴۰۰ میزان اولاد لیہاہ خاتون ۲۹۲۲۰۰

// جد ۴۵۶۵۰

❁ بائبل میں مدت قیام بنی اسرائیل (۴۳۰) سال درج کی گئی ہے۔ حالانکہ بروئے حساب ان کی مدت قیام ۴۱۵ سال سے زائد نہیں ہو سکتی۔ موجودہ بائبل میں اس قسم کی غلطیاں بہت زیادہ ہیں۔ مثلاً ۶۰۳۵۵ کی جو تعداد بیٹوں کی اولاد کی درج کی گئی ہے۔ یہ بھی محالات سے ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے۔ موسیٰ بن عمران بن قہات بن لاوی بن یعقوب علیہما السلام یعنی موسیٰ و یعقوب علیہما السلام کے درمیان ۳ پشتیں ہیں۔ یہی حال دیگر اسباط کا ہے۔ نسل اول جو فرزند ان یعقوب علیہ السلام کی ہے۔ ۱۲ کی تعداد میں ہے۔

نسل دوم: کی تعداد بھی ۵۴ ذکر اور ۱۲ اثنا کے نام بنام موجود ہے۔

نسل سوم: میں ان ۵۴ میں سے اگر ہر ایک کی اولاد ذکر کرنی کس ۵۴ فرزند بھی سمجھ لی جائے تب بھی ان کی تعداد ۲۳۷۶ ہوگی اب ان ۲۳۷۶ کے بھی فی کس ۵۴ فرزند قرار دیئے جائیں تب بھی تعداد (۱۲۸۳۰۴) ہوگی یہ کل تعداد ہوگی نہ کہ وہ تعداد۔ جس میں سے ۲۰ سال کے کم مرد اور سب دختر ان نکال دیئے گئے ہوں۔ اس تمام بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ بائبل کے اندراجات بہت کچھ صحت طلب ہیں۔ فقط

۸۷۱۵۰	میزان اولاد زلفہ	۴۱۵۰۰	//	آشر
۶۲۷۰۰			//	دان
۱۱۶۱۰۰	میزان اولاد دلبہ	۵۳۳۰۰	//	نفتالی
		۳۵۳۰۰	//	بنیامین
۱۰۸۱۰۰	میزان اولاد دراحیل خاتون	۷۲۷۰۰	//	اولاد یوسف علیہ السلام
۶۰۳۵۵۰		۶۰۳۵۵۰		میزان

تعداد بالا میں بنولادی کا شمار نہیں کیا گیا۔ یہی حکم تھا کہ بنولادی کا شمار نہ کیا جائے۔ کیونکہ وہ جنگ سے بھی مستثنیٰ تھے۔ (کتاب الاعداد باب اول) اگر ان گیارہ پسر کی اولاد سے ایک اوسط نکال کر بنی لاوی کا اندازہ کیا جائے تب باور کرنے کی وجہ ہے کہ بنولادی کی تعداد پچپن ہزار ہوگی۔ اس لیے کل تعداد ۶۵۸۵۵۰ ہوئی۔

اسباط دوازہ کو یعقوب و موسیٰ علیہما السلام کی برکات

ناظرین کی معلومات کو مکمل کرنے کی غرض سے میں چاہتا ہوں کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت جن الفاظ سے اپنے ۱۲ بیٹوں کو برکت دی۔ اور پھر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے انتقال کے وقت ان بارہ اسباط کو جن الفاظ سے برکت دی۔ اس کا اندراج بھی کیا جائے۔

اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی دکھایا جائے کہ ارادہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے۔ آج ان بارہ اسباط کا وجود دنیا میں غیر موجود ہے۔ جن محققین نے اسرائیلی نسلوں کی تلاش میں بہت کچھ محنتیں کی ہیں۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آج صرف ڈھائی نسلیں دنیا پر پائی جاتی ہیں۔

اسماء عبرانی کے معانی

تکمیل فائدہ کی غرض فرزند ان اسرائیل کے ناموں کے (جو عبرانی زبان کے ہیں) معانی بھی ہم تحریر کر دیتے ہیں۔ اسماء کا اندراج ترتیب پیدائش پر ہے۔

دیکھ ایک بیٹا	(۱) روبن
سمیع	(۲) سمعون
جوڑا یا بھٹ	(۳) لاوی
آفرین	(۴) یہوداہ
منصف	(۵) دان
کشتی گیر	(۶) نفتالی
لشکر	(۷) جد
نصیب	(۸) آشور
اجریا حق المحنت	(۹) اشکار
رفیق	(۱۰) زبلون
منصفہ	(۱۱) دینہ مسماۃ
مزید یا سوایا	(۱۲) یوسف علیہ السلام
داہنے ہاتھ کا فرزند	(۱۳) بنیامین

حضرت یعقوب و حضرت موسیٰ علیہما السلام کے ارشادات کا نقشہ
متعلق برکات اسباط دوازدہ عشرہ

یعقوب علیہ السلام کا ارشاد بنام روبن

اے روبن تو میرا پہلو ٹا ہے۔ میری قوت اور میری شہ زوری کا پہلا اور قدر میں بڑا اور عزت میں افضل ہے۔ لیکن تو پانیوں کا سا جوش کھا کے بڑا نہ ٹھہرے گا۔ کیونکہ تو اپنے باپ کے بستر پر چڑھا۔ تب تو نے اسے نجس کیا۔ وہ بستر پر چڑھ گیا۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام روبن

اے کاش کہ روبن جیوے اور نہ مرے اور اس کے لوگ تھوڑے نہ ہوں۔

ارشاد یعقوب علیہ السلام بنام سمعون ولاوی

سمعون اور لاوی تو گئے بھائی ہیں اور ان کی مکاریاں ظلم کے ہتھیار۔
اے میری جان! ان کی مجلس میں شامل نہ ہو کیونکہ انہوں نے اپنے غضب میں
مردوں کو قتل کیا اور اپنی خود رائی سے بیلوں کی کونچیں ماریں۔
لغت اُن کے غضب پر کہ تند تھا اور ان کے قہر پر کہ سخت تھا۔
میں انہیں یعقوب علیہ السلام میں چھتراؤں گا اور انہیں اسرائیل میں پھراؤں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارشاد لاوی کے حق میں

تیرا تمیم اور تیرا ادریم اُس مقدس آدمی کی امانت میں رہے۔ جسے تو نے مسہ میں
امتحان کیا اور جس کے ساتھ تو نے مریبہ کے چشموں پر جھگڑا کیا۔ جس نے اپنے باپ اور
اپنی ماں سے کہا کہ میں نے اس پر نگاہ نہیں کی۔ اس نے اپنے بھائیوں کو بھی نہ مانا اور اپنے
بیٹوں کو بھی نہ پہچانا۔ اس لیے کہ انہوں نے تیری باتوں پر دھیان رکھا اور تیرے عہد کی
محافظت کی۔ وہ تیرے عدالت کے فیصلے یعقوب علیہ السلام کو سکھادیں اور تیری شریعت
اسرائیل کو دے، تیرے آگے بخور رکھیں گے اور سختی قربانیوں کو تیرے مذبح پر چڑھائیں
گے۔ اے خدا! اس کے اسباب میں برکت دے اور اس کے ہاتھوں کے کاموں کو قبول کر
اور ان کمروں کو جو اس کا سامنا کریں اور ان کی جو اس کا کینہ رکھیں۔ چھید کے توڑ ڈال تاکہ
وہ پھر نہ اٹھ سکیں۔

ارشاد یعقوب علیہ السلام بنام یہوداہ

اے یہوداہ! تیرے بھائی تیری مدح کریں گے۔ تیرا ہاتھ تیرے بیروں کی گردن
میں ہوگا۔ تیرے باپ کی اولاد تیرے حضور میں جھکے گی۔ یہوداہ شیر ببر کا بچہ ہے۔ اے
میرے بچے تو شکار پر سے اٹھ چلا ہے۔ وہ شیر ببر بلکہ پرانے شیر ببر کی طرح جھکتا اور بیٹھتا
ہے کون اس کو چھیڑے گا۔

یہوداہ سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا اور نہ حاکم اس کے پاؤں سے جب تک کہ

سیلانہ آوے اور تو میں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی۔ وہ اپنا گدھا انگور کے درخت سے ہاں گدھی کا بچہ خاصہ انگور کے درخت سے باندھے گا۔ وہ اپنا لباس مے میں اور اپنی پوشاک اب انگور میں دھوئے گا۔ اس کی آنکھیں مے سے لال ہوں گی اور اس کے دانت دودھ سے سفید ہوں گے۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام یہوداہ

اے خدا! یہوداہ کی آواز سن اور اے اس کے لوگوں کے درمیان پھر لا۔ اس کے ہاتھ اس کے لیے کافی ہوں گے اور تو اس کے دشمنوں کے مقابل اس کا مددگار ہو۔

ارشاد یعقوب علیہ السلام بنام زبلون

مسکن زبلون کا سمندر کا کنارہ اور جہازوں کا بندر ہوگا اور اس کی سرحد صیدا تک پہنچے گی۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام زبلون

اے زبلون تو باہر جانے میں شاد ہو۔

ارشاد یعقوب علیہ السلام بنام اشکار

اشکار مضبوط گدھا ہے۔ جو دو بیڑ سالوں کے درمیان بیٹھتا ہے اور جب دیکھے گا کہ آرام گاہ خوب اور زمین دل پسند ہے تو اپنا کاندھا بوجھ اٹھانے کو جھکائے گا اور خراج گزار بنے گا۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام اشکار

اشکار! تو اپنے خیموں میں شاد ہو۔ لوگوں کو پہاڑ پر بلائیں گے اور وہاں صداقت کی قربانیاں گزاریں گے۔ کیونکہ وہ سمندروں کی فراوانی کو اور خزانوں کو جو ریتی میں چھپے ہیں، چوس لیں گے۔

ارشاد یعقوب علیہ السلام بنام دان

دان اسرائیل کے فرقوں میں سے ایک کی مانند اپنے لوگوں کا نیاؤ کرے گا۔ دان راہ کا سانپ ہے اور رہ گزر کا اثر دبا جو گھوڑے کی تلیوں کو ایسا ڈسے گا کہ اس کا سوار پچھاڑی گر پڑے گا۔ اے خدا! میں تیری نجات کی راہ دیکھتا ہوں۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام دان

دان ایک شیر کا بچہ ہے جو لسن سے اُچھلے گا۔

ارشاد یعقوب علیہ السلام بنام جد

ایک فوج سے مغلوب ہوگا، پر وہ آخر کو غالب ہوگا۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام جد

مبارک ہے وہ جد کہ ترقی کرے۔ وہ شیر کی مانند پڑا رہتا ہے۔ جو سر کی چاندی کو بازو سمیت پھاڑتا ہے اس نے اول نجر اپنے لیے تجویز کیا کہ وہ وہاں شرع دینے کے حصہ میں سلامت رہا اور وہ امت کے رئیسوں کے ساتھ آیا اور وہ خدا کے عدل کو اور اس کی عدالت کو اسرائیل کے ساتھ عمل میں لایا۔

ارشاد یعقوب علیہ السلام بنام آشور

آشور سے اس کی روغنی روٹی آوے گی وہ بادشاہی خوش خور اکیں دے گا۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام آشور

آشور اولاد کی برکت پاوے۔ وہ اپنے بھائیوں کا مقبول ہو اور اپنا پاؤں تیل میں ڈبو دے۔ تیرے جوتے پیتل سے ہوں اور جیسے تیرے دن ہوں ویسی تیری قوت ہو دے۔

ارشاد یعقوب علیہ السلام بنام یوسف علیہ السلام

یوسف علیہ السلام ایک پھلدار پودا ہے۔ وہ پھلدار پودا جو چشمہ پر لگا ہو۔ جس کی

شاخیں دیوار پر چڑھ جاتی ہیں۔ تیر انداز اس کو چھیڑتے اور مارتے اور ستاتے تھے لیکن اس کی کمان زور میں پائدار ہے اور اس کے ہاتھوں کے بازوؤں نے یعقوب علیہ السلام کے خدائے قادر کے ہاتھوں سے قوت پائی۔ وہ اسرائیلی کی چوپان اور چٹان ہے۔ تیرے باپ کے خدا سے جس نے تیری مدد کی اور اس قادر مطلق سے جس نے اوپر سے آسمان کی برکتیں اور نیچے سے گہراؤ کی برکتیں اور چھاتیوں اور رحموں کی برکتیں تجھ کو دے کر متبرک کیا۔

جو برکتیں تیرا باپ تیرے لیے چاہتا ہے۔ سو پرانے پہاڑوں کی برکتوں سے اور قدیم کوہوں کی نفیس چیزوں سے بڑھ جاتی ہیں۔

وے یوسف کے سر، بلکہ سر کی چاندی پر جو اپنے بھائیوں سے جدا ہوا، آویں۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام یوسف علیہ السلام

یوسف علیہ السلام کی سرزمین خدا کے حضور متبرک ہووے۔ آسمان سے تحفہ جات سے اور شبنم سے اور گہراؤ سے جو نیچے پڑا ہے۔ اور آفتاب کے تحفہ حاصلوں سے اور ماہتاب کی تحفہ لگی ہوئی چیزوں سے اور قدیم پہاڑوں کی قیمتی چیزوں سے اور ابدی تیلوں کے تحفہ جات سے مجملًا زمین اور اسی کی معموری کی قیمتی چیزوں سے اور اس کی خیر خواہی کے سبب جو بوٹے میں رہتا ہے۔

اے کاش کہ وہ برکت یوسف علیہ السلام کے سر پر اور اس کی چاندی پر جو اپنے بھائیوں سے چلا گیا تھا، نازل ہو۔ اس کی شاننداری ایسی ہے جیسے اس کی بیل کے پلوٹھے کی اور اس کے دو سینگ گینڈے کے سے سینگ۔ انہیں سے وہ قوموں کو ایک ساتھ زمین کی انتہا تک رہے گا۔ وہ افرایم کے دس ہزاروں ہیں اور وہ منسی کے ہزاروں۔

ارشاد یعقوب علیہ السلام بنام بنیامین

بنیامین پھاڑنے والا بھیڑیا ہے صبح کو شکار کھائے گا اور شام کو غنیمت بانٹے گا۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام بنیامین

خدا کا پیارا سلامتی سے اس کے پاس رہے گا اور خدا سارے دن اس پر سایہ کرے گا
اور اس کے دونوں شانوں کے بیچ حکومت کرے گا۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام نفتالی

اے نفتالی تو فضل سے بھر پور اور خدا کی برکتوں سے معمور ہو، تو پیچھے اور دھن کا
مالک ہو۔



یوسف علیہ السلام کی دعا، نعم الہیہ کا شکر، آخرت کی فکر
اسلام پر مرنے کی فضیلت

﴿رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مَآئْتٌ وَلِيَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوْفَئِي مُسْلِمًا وَالْحَقِّقْنِي بِالصَّلَاحِينَ ۝﴾ [یوسف: ۱۰۱]

”اے رب! تو نے مجھے ملک دیا اور تاویل الاحادیث کا علم سکھایا، تو آسمان اور زمین کو وجود میں لانے والا ہے۔ تو دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے۔ اسلام پر میرا خاتمہ کرنا اور مجھے صالحین کے ساتھ شامل فرمانا“

فَاطِرُ: اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ ”ابتدائی حالت سے بنانے والا“۔ یہ معنی اللہ تعالیٰ نے خود بتلائے ہیں۔ ﴿قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ﴾ [الاسراء: ۵۱] دوسری آیت ہے اور وہ بھی یہی لغوی معنی بتلاتی ہے ﴿فِطَرَتِ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ [الروم: ۳۰] ”یہ وہ فطرت الہی ہے جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا۔“

وَلِيّ: قرآن مجید کی چند آیات میں اس اسم ولی کا استعمال ذات پاک رب العالمین پر فرمایا گیا ہے:

﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ [البقرة: ۲۵۷] ﴿وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾ [آل عمران: ۶۸]

﴿وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ﴾ [الباقیہ: ۱۹] ﴿فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ﴾ [الشوری: ۹]

﴿وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ﴾ [الشوری: ۲۸] ﴿وَكَفَى بِاللَّهِ وَلِيًّا﴾ [النساء: ۴۵]

تَوْفَئِي: توفی کا مادہ وَفَى ہے جس کے معنی پورا کرنا۔ پورا ہونا ہے۔

لفظ مسلم کے متعلق آیات قرآنیہ

مُسْلِمًا: عموماً مومن اور مسلم کے الفاظ پر بحث کی ہے۔ لفظ مسلم کا استعمال مندرجہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ذیل آیات سے واضح ہوگا۔

﴿مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّكُمُ الْمُسْلِمِينَ﴾ [۷۸/۲۲/۷۸]

”تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔“

﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ﴾ [۱۲۸/۲/البقرہ]

”ابراہیم واسمعیل علیہما السلام کی دعا تھی کہ اے خدا ہم دونوں کو مسلمان رکھیو۔“

﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةٌ مُسْلِمَةٌ لَّكَ﴾ [۱۲۸/۲/البقرہ]

”ذخلیل الرحمن وذبح اللہ علیہما السلام کی دعا ہے کہ ہماری اولاد بھی مسلمان ہو۔“

مسلم کہلانے، مسلم ہو کر مرنے کی ترغیب

﴿وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ

الَّذِينَ فَلَا تَمُوتُونَ إِلَّا وَ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ [۱۳۲/۲/البقرہ]

”ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی وصیت کی تھی کہ اے

میرے بچو! خدا نے تمہارے دین کو برگزیدہ کیا ہے۔ اس لیے تم مرد تو مسلم

رہ کر ہی مرنا۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَ أَنْتُمْ

مُسْلِمُونَ﴾ [۱۰۳/۳/آل عمران]

”اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ کرو جیسا کہ تقویٰ کرنے کا حق ہے اور تم مرد تو

مسلم رہ کر مرو۔“

﴿قُلْ إِنْ صَلَّاتِي وَ نُسُكِي وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

لَا شَرِيكَ لَهُ وَ بِذَلِكَ أُمِرْتُ وَ أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ [۱۶۳/۱۶۳/الانعام]

”اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا،

میرا مرنا، اللہ ہی کے لیے ہے جو سب مخلوق کا پالنے والا ہے۔ جس کا کوئی شریک

نہیں۔ کہہ دے کہ مجھے یہی حکم ملا ہے اور میں سب سے پہلا مسلم ہوں۔“

ان حوالہ جات سے ثابت ہوگا کہ اہل اسلام نے جو باہمی مخاطبات وغیرہ میں خود کو

مسلم اور مسلمان کہنا، کہلانا پسند کیا ہے۔ یہ امر مستند احکام الہی پر مبنی ہے۔

قرآن مجید میں لفظ صالحین کا اطلاق انبیاء پر ہوا ہے

بِالصَّالِحِينَ: قرآن مجید میں صالحین کا اطلاق انبیاء علیہم السلام کے لیے آیا ہے۔ سورہ انعام کا رکوع ۱۰ دیکھو کہ حضرت ابراہیم، اسحاق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف موسیٰ، و ہارون و زکریا، و یحییٰ، و الیاس علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام لے کر اللہ تعالیٰ نے ”كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ“ فرمایا ہے۔

پس یوسف علیہ السلام کی دعا ”اَلْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ“ کا مدعا یہ ہے کہ اپنے آبا کرام یعقوب و اسحاق و ابراہیم علیہم السلام اور ان سے اوپر کے انبیاء عظام کے ساتھ جا ملیں یہ یاد رکھو کہ جس طرح پناہ ازد و زرخ اور داخلہ جنت کی دعا کرنا مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح مسلمان کے لیے زمرہ صالحین میں شامل ہونے کی آرزو کو بھی ایک مستقل آرزو بنانا اور اس امر عظیم کے لیے مستقل اور علیحدہ دعا کرنا بہت زیادہ ضروری ہے، کیونکہ یہ نعمت بجائے خود ایک ازکی و اونی، انمی و اعلیٰ نعمت ہے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے:

﴿مَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا﴾

[۴/النساء: ۶۹-۷۰]

”کہ جو کوئی شخص اللہ کی اور محمد رسول اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو وہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی اُن کو انبیاء اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین کی معیت ملے گی اور ان کی رفاقت کیا ہی اچھی ہے۔ یہ ایک فضل ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور کافی ہے اللہ

جاننے والا۔“

دعاء یوسف علیہ السلام کے مضامین پر غور

یوسف علیہ السلام کی دعا کے مضمون پر مکرر غور کامل کرنا چاہیے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کے احسانات مادی و روحانی کا اعتراف کیا، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر اللہ تعالیٰ کی ولایت فی الدارین کا اظہار کیا۔

ان سب کے بعد اپنے مدعا و آرزو کا ذکر فرمایا۔

حکومت بُری چیز نہیں

جو لوگ دنیوی حکومت کو بیچ سمجھا کرتے ہیں۔ وہ غور کریں کہ یوسف صدیق علیہ السلام ﴿رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ﴾ [یوسف: ۱۰۱] فرما کر حکومت کا ذکر بطور نعمت الہی فرما رہے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حکومت تو بُری چیز نہیں۔ ہاں بُرے شخصوں کے پاس جا کر یہ بھی بُری بن جاتی ہے۔ حضرت داؤد و سلیمان، موسیٰ کلیم اللہ و یوشع نبی اللہ، سیدنا محمد رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین ایسے انبیاء ہیں جو صاحب امر و حکومت بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خلافت نبوت کو بھی جس میں مصالح دینی اور امور حکومت کا اجتماع ہوتا ہے۔ ایمان اور عمل صالح ہی کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

حکومت اور خدمت دین

اس لیے مسلمان کی شان یہ ہے کہ اپنے آپ کو حکومت کا اہل بنائے اور حکومت کو نعمت الہی سمجھے اور حکومت کو خادم دین بنا کر تائید و حید اور رد و شرک اور تمکین دین کے کام اس سے لیا کرے کیونکہ انسان بحالت حکومت ہی عدل و رحم کے مظاہر دکھلا سکتا ہے۔

حکومت اور اخلاق فاضلہ

اور یہی دو اوصاف ہیں جن سے دین حقہ کی صداقت و نورانیت کا جلوہ ایک منکر بھی دیکھ سکتا ہے۔

علم کا درجہ حکومت سے بڑا ہے

اب یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ حکومت سے بڑھ کر علم صحیح کا درجہ ہے۔ اس دعا میں اسے

تاویل الاحادیث کہہ کر تعبیر کیا گیا ہے۔ بیشک یہ دونوں چیزیں یعنی علم اور حکومت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا جمال و کمال اس وقت جلوہ گر ہوتا ہے۔

حکومت بلا علم، علم بلا حکومت

جب کوئی شخص ان ہر دو کا جامع ہوتا ہے۔ کیونکہ حکومت بلا علم سراسر حماقت ہے اور علم بلا حکومت بالکل بے زیب و زینت، انسانی زندگی کا کمال ان دونوں کے حصول اور جامعیت پر ہے۔

آخرت اور اس کی تکمیل

اب رہا امر آخرت..... اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی جب تک کہ کوئی شخص اپنے تمام کاروبار دنیوی و دینی کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ نہیں کر دیتا۔ جو لوگ اللہ پاک کے آستانے کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا کارساز جانتے ہیں اور دوسروں کو اپنا ولی و نصیر سمجھتے ہیں۔ وہ خسران دارین کے مستوجب ٹھہرتے ہیں۔

مسلم ہو کر مرنے کی آرزو کس منہ کو زیب دیتی ہے

جس شخص نے اپنی زندگی کو مندرجہ بالا اعتقاد درست، عمل صالح اور نیت خالص کے ساتھ پورا کیا ہو۔ اسی کو زیب دیتا ہے کہ اسلام پر جان دینے اور مسلم ہو کر مرنے کا خواستگار ہو اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے پاک دربار میں شامل ہونے کی آرزو کیا کرے۔ اے مالک! اے رب! اے کارساز! اے ولی! اے والی! اے وکیل! اے نصیر! ہم سب تجھ سے یہی دعا کرتے ہیں کہ اپنے بندہ صدیق کی اس دعا کو ہماری دعا بنادے اور ہمارے لیے اس کی منظوری عطا فرمادے۔ آمین

قصہ دعا شاہراہ کامیابی، مصروفیت دعا طلسم کامیابی

سیدنا یوسف علیہ السلام کی دعا پر ایک بار پھر نظر ڈالو کہ اللہ تعالیٰ کے ہر ایک نبی و رسول نے اپنی اپنی ضروریات و حاجات دنیوی و اخروی کی دعا اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی ہے۔ جب

کسی انسان کے دل میں دعا مانگنے کی نیت پیدا ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ شاہراہ کامیابی نظر آ گیا اور جب بندہ مصروف دعا بھی ہوگا تو سمجھ لینا چاہیے کہ طلسم کامیابی کی لوح پر اس کا قبضہ ہو گیا۔

بندہ کا مصروف دعا ہونا ہی اولین علامت اجابت ہے پھر دعا میں جس قدر زیادہ انہماک بڑھتا جاتا ہے اسی قدر زیادہ بندہ قرب الہی میں ترقی کرتا جاتا ہے۔

جو کہتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوئی انہوں نے دعا مانگی ہی نہیں

بے سمجھ لوگ کہا کرتے ہیں کہ انہوں نے دعا مانگی، مگر قبول نہ ہوئی۔ میں کہتا ہوں کہ انہوں نے دعا مانگی ہی نہیں، اگر کسی ایمان دار کو دعا مانگنا آ گیا ہے تو پھر اس کی زبان سے یہ ہرگز نہیں نکلے گا کہ دعا منظور نہ ہوئی۔ ذرا رب العالمین، ارحم الراحمین کے ارشاد ﴿أَدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لِّكُمْ﴾ [۲۰/۶۰] پر غور تو کرو کہ ہماری استدعاؤں کے وقوع و ظہور سے بھی پیشتر پروردگار عالم کی طرف سے فرمان قبولیت نافذ ہو چکا ہے۔

مبارک ہیں وہ لوگ، جن کو دعا مانگنا آ گیا ہے کہ ان کے دل کا تعلق ہر وقت اپنے مالک و کارساز، مولیٰ و بندہ نواز سے لگا رہتا ہے۔ اسے ہر وقت اپنی بے چارگی و در ماندگی پیش نظر رہتی ہے۔ اسے ہر وقت مالک کے افضال و الطاف پر اعتماد رہتا ہے۔

بندہ کا اعتماد مالک پر

بندہ کا یہ اعتماد ہی اعلیٰ کامیابی ہے کہ وہ ایسا بے مثل مالک رکھتا ہے۔ جو وسیع قدرتوں اور لامحدود طاقتوں کے ساتھ بے انتہارافت و محبت والا بھی ہے۔ جس کا پیار بندوں سے اس محبت و تعلق سے بہت بڑھا ہوا ہے جو والدین کو اپنے بے کس بچہ سے ہوتا ہے۔ وہ جس کی محبت کا ظہور اس کے اسماء حسنیٰ [رحمن الرحیم، علیم الحکیم، غفور، الودود، رؤف، الکریم، ولی الحمید] سے بخوبی ہوتا ہے۔

جس کی رحمت کا نور اس کے اسماء پاک خالق الباری، فاطر المصور، حنان محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

المنان اور حی القیوم سے روشن ہے۔ وہ جس کی ہیبت آمیز رافت ذوالجلال والاکرام سے نمایاں ہے۔ وہ جس کی شفقت آمیز عطا اس کے بزرگ ناموں رب الکریم، مالک الملک، وھاب البر، قیوم السلام، حفیظ النافع، لطیف الرزاق، غفور الشکور، فتاح المجیب، سمیع الرافع، سلام المومن، ہادی الباقی، علی المغنی، قوی المحصی سے بخوبی واضح ہے۔

وہ جس کی بے نیازی واستغنا غنی المغنی، احد الصمد، ظاہر القادر، عزیز المقتدر، خافض القابض، خالق الجلیل، الحق العظیم سے آشکار ہے۔

ایسے مالک، ایسے آقا، ایسے ولی، ایسے مولیٰ کا غلام کیونکر مایوس المرام اور محبوس العزام رہ سکتا ہے۔ خدا دارم چہ غم دارم محمدؐ راہ بردارم۔ ❀

دعائے موت

حضرت یوسف علیہ السلام کی اس دعا سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ انہوں نے اس جگہ موت کی دعا مانگی ہے۔ ہرگز نہیں انہوں نے تو ایسی زندگی کی دعا مانگی ہے جس کا خاتمہ اسلام پر ہو۔ ابن جریر نے ضحاک سے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں۔

دعاء موت مانگنا منع ہے

مسلم کے لیے عموماً موت کی دعا مانگنا منع ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے انس بن مالک رحمہ اللہ سے روایت کی ہے:

((لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمْ الْمَوْتَ لِضَرْبِ نَزَلٍ بِهِ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ مُتَمَنَّيًّا لِلْمَوْتِ فَلْيَقُلْ اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتْ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِّي وَتَوَفَّيْ إِذَا كَانَتْ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّي)) ❀

❀ ترجمہ: میں خدا رکھتا ہوں اس لیے مجھے کوئی غم نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا راہ نما رکھتا ہوں۔ ❀ بخاری: کتاب الدعوات، باب الدعاء بالموت والحيات، رقم: ۶۳۵۱۔ مسلم: کتاب الذکر والدعاء، باب کراہۃ تمنی الموت ۶۸۱۳۔ ابوداؤد: کتاب الجنائز، باب کراہۃ الموت، رقم: ۳۱۰۸۔ نسائی: کتاب الجنائز، باب تمنی الموت، رقم: ۱۸۲۳۔ ابن ماجہ: باب ذکر الموت، رقم: ۴۲۶۵۔

”تم میں سے کوئی بھی کسی مصیبت یا نقصان کی وجہ سے موت کی آرزو نہ کرے اور اگر حالت ایسی ہی ہو تو یہ کہا کرے: الہی! مجھے زندہ رکھ، جب تک جینا میرے لیے بہتر ہو اور مجھے پورا کر دے، جب کہ پورا ہو جانا میرے لیے بہتر ہو۔“

ابو امامہ وابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے بھی ایسی ہی روایات مروی ہیں: مگر نقصان دین کے وقت تمنائے موت کرنا جائز ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

((اِنَّنِیْ یُکْرِهُمَا ابْنُ اٰدَمَ . یُکْرِهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتَ خَیْرٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ مِنَ الْفِتَنِ . وَیُکْرِهُ قَلَّةَ الْمَالِ وَقَلَّةَ الْمَالِ اَقْلُ لِلْحِسَابِ)) [مسند احمد: ۵/۳۲۷]

”دو چیزیں ہیں جن کو ابن آدم برا سمجھتا ہے (۱) موت، حالانکہ مومن کے لیے موت فتنوں سے بہتر ہے۔ (۲) کمی مال، حالانکہ مال کا کم ہونا کمی حساب کا سبب ہے۔“

امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی دعا

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ انتظام میں جمعیت پیدا نہیں ہوتی اور مشکلات بڑھتی جاتی ہیں۔ اس وقت بایں الفاظ دعا کی تھی:

((اَللّٰهُمَّ خُذْ لِيْ اِلَيْكَ فَقَدْ سَمْتُهُمْ وَ سَامُوْنِيْ))

”اے اللہ! مجھے اپنی طرف بلا لے۔ میں نے ان کو دشواری میں ڈال دیا ہے اور انہوں نے مجھے تکلیف میں ڈال دیا۔“

امام المحدثین بخاریؒ کی دعا

امام بخاریؒ نے (جب ان کو شاہ بخارا نے نکال دیا) دعا کی تھی۔ ((اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنِيْ اِلَيْكَ)) ”الہی! مجھے اپنی طرف بلا لے۔“

ان ادعیہ کا مقصد حفاظت دین تھا نہ کہ قلب صبر و استقلال۔

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ

اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝﴾ [۱۲/ یوسف: ۱۰۳]

”یہ وہ مخفی باتیں ہیں جن کی وحی ہم نے تیری طرف کی ہے اور تو ان کے

پاس نہ تھا، جب انہوں نے اپنی بات پر اتفاق کر لیا تھا اور وہ چپکے چپکے اپنی

تدبیریں کھاتے تھے۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اقوام ماضیہ کے تاریخی حالات اس لیے اخبارِ غیب تھے کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کسی سے کچھ پڑھا، نہ سنا۔ ایسا شخص جو کچھ بیان کر

سکتا ہے وہ عالم الغیب ہی کی وحی سے بیان کر سکتا ہے۔

﴿وَمَا اَكْفُرُ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ [۱۲/ یوسف: ۱۰۳]

”اور بہت لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ گو تجھے ان کے مومن ہونے کی

بڑی خواہش ہے۔“

حَرَصْتُ: حَرَصَ يَحْرِصُ. ”کسی شے کا کوشش کے ساتھ طلب کرنا۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی تمنا

مطلب یہ ہے کہ یہود اور مشرکین مکہ نے جو یہ سوال کیا تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں تو

بتلائیں کہ بنی اسرائیل کیونکر مصر جا پہنچے تھے۔ اس سوال کا جواب اس سورہ مبارکہ میں دے

دیا گیا ہے۔ لازم تھا کہ اب تو یہ لوگ مسلمان ہو جاتے، لیکن اب بھی وہ اپنی پہلی ضد اور ہٹ

دھری پر قائم ہی رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو آرزو اور تمنا لوگوں کو مسلمان دیکھنے کی تھی۔ اسے

اللہ تعالیٰ نے لفظ حرص سے بیان فرمایا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی آرزو

اس سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت نہ اموال و زخارف دنیا کی جانب تھی، نہ

حکومت و امارت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل مائل تھا اور نہ کوئی اور شے ایسی تھی جدھر کبھی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان خاطر معلوم ہوا ہو۔ حضور کی سب سے بڑی آرزو اور تمام تر ہمت اگر مقصود تھی تو صرف اس ایک امر پر کہ سب لوگوں کے سر اور دل خدا کے حضور میں جھکے ہوئے دیکھ لیں۔ حدیث میں ہے:

((أَنْتُمْ تَهْتَكُونَ كَهَافَةَ الْفَرَّاشَةِ عَلَى النَّارِ وَ أَنَا أَخْذَبِكُمْ الْحُجْرَ))

”تم تو آگ میں اس طرح گرے پڑتے ہو۔ جیسے پروانے گرا کرتے ہیں

اور میں تم کو کمر سے پکڑ پکڑ کر جہنم سے پرے ہٹا رہا ہوں۔“

کسی نبی نے اجر نبوت نہیں مانگا

((وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ)) [۱۲/یوسف: ۱۰۳]

”تو تو ان سے کوئی بدلہ بھی نہیں چاہتا۔“

علیہ: کی ضمیر ایمان یا قرآن کی طرف ہے۔

واضح ہو کہ ہر ایک نبی نے اپنی قوم کے سامنے یہی ظاہر کیا ہے کہ وہ اپنی تعلیم اور تبلیغ پر لوگوں سے کچھ بھی اجر نہیں چاہتا۔

سورہ شعراء کو دیکھو۔ رکوع پنجم میں حضرت نوح، ششم میں حضرت ہود، ہفتم میں صالح، ہشتم میں لوط، نہم میں شعیب علیہم السلام کی زبان سے یہی آیت بار بار دہرائی گئی ہے۔ ((وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ)) [۲۶/اشعراء: ۱۰۹] بزبان ہود علیہ السلام فرمایا گیا ہے۔

سورہ انعام ۱۰ میں ((قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا)) [۲۲/الأنعام: ۲۲] کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا ہے اور یہی حکم سورہ فرقان رکوع ۵ سورہ ص رکوع ۵ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے۔ سورہ یس میں: ((اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ۚ اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ)) [۳۶/یس: ۲۱، ۲۰] میں اجر نہ لینے کو انبیاء علیہم السلام کی ذات مبارکہ کے لیے صفت لازم قرار دیا گیا ہے۔

ان تمام حوالہ جات سے آشکار ہو جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان دعوت، تعلیم شریعت اور تبلیغ احکام رب العزت پر ہرگز ہرگز کسی قسم کے اجر کا سوال بھی کسی شخص سے نہیں

کیا۔ پس یہی صفت ہے، جو انبیاء علیہم السلام کی حیات طیبہ کو اہل دنیا کی غرض آلود و مصلحت آموز زندگی سے بالاتر و اعلیٰ تر ثابت کر دیتی ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جملہ اہل اسلام پر اپنی حجت کو قائم فرمایا ہے۔ واللہ الحمد۔

﴿إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ [یوسف: ۱۰۳]

”یہ تو اہل عالم کے لیے ذکر ہے۔“

ذِکْرٌ: قرآن مجید کا نام ذکر بھی ہے۔ حدیث پاک میں ہے ((الْفُتُوَانُ ذِکْرٌ فَلَذِکْرُوهُ)) یعنی قرآن پاک واجب التعلیم ہے۔ ہمیشہ اس کی تعظیم کیا کرو۔

﴿وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ﴾ [یوسف: ۱۰۵]

”اور بہت سی نشانیاں ہیں جو زمین و آسمان میں پائی جاتی ہیں۔ یہ لوگ ان

نشیانیوں پر سے گزرتے ہیں اور پھر بھی اُن نشانیوں سے منہ پھیر لیتے ہیں۔“

كَأَيِّنْ: ک تشبیہ اور ان سے مرکب ہے اور اب معنی واحد میں بمعنی کم مستعمل ہے۔

آیۃ: اصل میں آوۃ تھا۔ لغت میں آیت بمعنی جماعت آتا ہے۔ محاورہ ہے۔ خَسِرَ جُؤَا بَايَتِهِمْ: اور ہر ایک کلام مفصل بفصل لفظی کو آیت کہتے ہیں کیونکہ اس میں بھی حروف و کلمات کی ایک جماعت مجتمع موجود ہوتی ہے۔ کلام اللہ میں جب اس کا استعمال کسی فقرہ قرآن مجید کے لیے ہوتا ہے تو اس کا استعمال بسا اوقات الف لام کے ساتھ ہوتا ہے یا بحالت مضاف۔

اور جب لفظ آیت کا استعمال بمعنی نشان قدرت یا دلیل و برہان ہوتا ہے۔ تب ایسا

نہیں۔ آیت بمعنی نشان قدرت کے لیے مندرجہ ذیل آیات پر غور کرو۔

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ﴾ [الرؤم: ۲۰]

”خدا کی آیات میں سے ہے کہ تم کو مٹی سے بنایا۔“

وضیح ہو کہ سورہ شوریٰ کی آیت ﴿قُلْ لَا اسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى﴾ [الشوریٰ: ۲۳] میں بھی کسی شے کا سوال اس تعلیم و تبلیغ و ہدایت راہنمائی پر نہیں کیا گیا۔

یہ آیت دیگر متعدد آیات کی ناخ ہے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ دیگر انبیاء سے جدا رنگ رکھتی ہے۔ اس آیت کی تفسیر لطیف للہ شاء اللہ اس کے مقام پر کی جائے گی۔

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا﴾ [۳۰/الرؤ: ۲۱]

”خدا کی آیات میں سے ہے کہ تمہارے لیے تمہاری جنس سے جوڑا بنایا۔“

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ [۳۰/الرؤ: ۲۲]

”خدا کی آیات میں سے زمین و آسمان کی پیدائش ہے۔“

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ﴾ [۴۲/الشوری: ۳۳]

”خدا کی آیات میں سے وہ جہاز ہیں جو سمندر میں چلتے ہیں۔ بڑے بڑے جہنڈے کی طرح نظر آتے ہیں۔“

اس جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے واقعات کو صرف ایک داستان نہ سمجھو۔ یہ تو آیت الہی ہے اور ان سوال کرنے والوں کے اندر خود وہی ہونے والا ہے، جو برادران یوسف کے ساتھ ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے عبد اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع اور منصب جلیل کا ظہور اسی طرح ہونے والا ہے۔ جیسے اللہ کے نبی و صدیق یوسف علیہ السلام کی شان کا ظہور ہوا تھا۔

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ [۱۲/یوسف: ۱۰۴]

”ان میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اللہ پر اعتقاد رکھتے ہیں اور وہ شرک بھی کیا کرتے ہیں۔“

بت پرستان عرب کے معتقدات

واضح ہو کہ بت پرستان عرب جن کی ہدایت و ارشاد کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ وہ وجود باری کے منکر نہ تھے اور صفات باری کا بھی ان کو انکار نہ تھا۔ وہ باری تعالیٰ کی کبریائی و علو شان کا اقرار کرتے تھے لیکن بایں ہمہ اُن میں شرک پایا جاتا تھا اور وہ ٹھیک ٹھیک مشرک تھے۔

مندرجہ ذیل آیات پر غور کرو:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ

اللَّهُ﴾ [۳۱/لقمان: ۲۵]

”اگر تو ان سے سوال کرے گا کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو

یہ مشرک کہہ دیں گے کہ اللہ نے۔“

﴿وَلَيْسَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنَ

بَعْدَ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ [الحکبوت: ۶۳]

”اگر تو ان سے پوچھے گا کہ اوپر سے پانی کون اتارتا ہے، جس سے مردہ

زمین کو زندہ کرتا ہے۔ تب یہ مشرک لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ”ان

اعتقادات و اعتراضات پر بھی اُن کو مشرک بتانے کی وجہ یہ ہے جو قرآن

پاک نے خود بیان کر دی ہے۔“

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى

اللَّهِ زُلْفَى﴾ [الزمر: ۳۹]

”مشرک وہ ہیں جنہوں نے خدا سے ورے ورے دوسروں کو بھی اپنا

کار ساز اور حمایتی بنا رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس

لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں گے۔“

کفار عرب کیوں مشرک تھے؟

اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ مشرکین عرب اس لیے اصلی اور قطعی مشرک تھے کہ انہوں

نے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ [الفاتحہ: ۳] کو نہ سمجھا تھا اور وہ لوگ عبادت و

استعانت میں دوسروں کو اللہ کے ساتھ شامل کر لینے کی وجہ سے مشرک تھے۔ اب بھی ہزاروں

مسلمان ایسے موجود ہیں۔ جنہوں نے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ [الفاتحہ: ۳]

کے معانی کو بخوبی نہیں سمجھا۔ یہ لوگ اپنے اپنے مانے ہوئے بزرگوں کی قبروں اور استھانوں

پر جا کر وہی افعال کرتے ہیں جو مشرکین مکہ اپنے اپنے مانے ہوئے بزرگوں کے بتوں اور

تصویروں اور استھانوں پر کیا کرتے تھے۔

مسلمان اپنے اپنے مشرک کا نہ افعال پر غور کریں

مسلمان بھائیوں کو لازم ہے کہ وہ سمجھ لیں کہ یہ تو وہی شرک ہے۔ جس میں مشرکین

مکہ آلودہ تھے۔ یہ تو وہی شرک ہے۔ جسے تباہ و بطل کرنے کے لیے سید المرسلین، خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔

مسلمان بھائی تب ہی خالص با ایمان ہو سکتے ہیں۔ جب ایسے افعال سے وہ خود کو پاک و صاف بنالیں گے۔ ورنہ ان پر یہی آیت ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ [یوسف: ۱۰۶] صادق آئے گی کہ اللہ پر ایمان کا دعویٰ بھی ہے اور شرک بھی ساتھ ساتھ ہے۔

☆ اللہ کے سوا اوروں سے مدد کا سوال بھی کیا جاتا ہے۔

☆ اللہ کے سوا اوروں کو بھی اللہ کی طرح پکارا جاتا ہے۔

☆ اللہ کے سوا اوروں کو بھی اللہ کی طرح ہر جگہ حاضر و ناظر مانا جاتا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ توحید کا مل نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے لوگوں کے اعمال کچھ بھی وقعت و منزلت نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک بھائی کو اس برے انجام سے بچائے اور اسلام خالص، دین قیم پر قائم رکھے۔

﴿أَفَأَمِنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ [یوسف: ۱۰۷]

”کیا وہ اللہ کے عذاب سے جو سب چیزوں پر چھا جانے والا ہے۔ نڈر ہو گئے ہیں یا ان کو ڈر نہیں رہا کہ قیامت ان کے لیے یکبارگی آجائے جب کہ انہیں اس کا شان و گمان بھی نہ ہو۔“

أَفَأَمِنُوا: آمِنَ آمَنًا وَ آمَنًا. اطمأن، اطمینان، بے خونی۔
غَاشِيَةٌ: غاشی کا مؤنث ہے۔ ڈھانپ لینے والی شے۔

واضح ہو کہ اس آیت میں انہی لوگوں کا ذکر ہے۔ جن کا ذکر پہلی آیت میں ہے کہ اللہ پر ایمان بھی ہے اور شرک پر عمل بھی ہے۔

لہذا ان دونوں آیات کو نہایت غور سے پڑھنا، سوچنا اور تدبیر کرنا ضروری ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ
محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

”اے رسول ان کو بتادیتے کہ میرا طریقہ تو یہی ہے۔ میں سب کو اللہ ہی کی طرف بلاتا ہوں۔“

یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص اس کی دعوت دوسروں کو دیا کرتا ہے۔ جس کی عظمت خود اس کے دل میں ہوتی ہے۔ نبی اللہ کے دل میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عظمت و جلال ہوتا ہے۔ اس لیے وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی جانب دنیا کو بلایا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا نام اسی لیے ﴿ذَاعِيَآ اِلَى اللّٰهِ بِاَذْنِهِ﴾ [۳۳/۱۱۱: اب ۳۶] بتلایا گیا ہے۔ قرآن پر غور کرو کہ نبی ﷺ کو بار بار اسی دعوت کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اُدْعُ اِلَى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ [۱۶/۱: النحل ۱۲۵]
”اپنے رب کے راہ کی طرف لوگوں کو زیر کی ودانائی اور پاکیزہ نصیحت کے ساتھ بلایا کر۔“

﴿فَاذْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ﴾ [۳۲/۱: الشوریٰ ۱۵]
”لوگوں کو دعوت دیا کر۔ اور اس کام میں ویسا ہی مضبوط رہ جیسا کہ حکم دیا گیا ہے۔“
﴿وَادْعُ اِلَى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰی هُدٰى مُسْتَقِيْمٌ﴾ [۲۲/۲: ج ۶۷]
”اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو بلایا کر۔ تو ہی ہے جو سیدھی ہے اور مضبوط ہدایت پر ہے۔“

﴿قُلْ اِنَّمَا اَدْعُوْا رَبِّیْ وَ لَا اُشْرِكُ بِهٖ اَحَدًا﴾ [۲۰/۷: البقرہ ۲۰]
”ان کو بتادے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارا کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔“

☆ ان احکام کی تعمیل میں دیکھو کہ نبی ﷺ نے کیونکر مکہ کے کوچہ کوچہ میں اپنی آواز کو بلند کیا۔

☆ عقبات کی پہاڑیوں میں راہ گیروں اور مسافروں کو اللہ کا پیغام سنایا۔

☆ عکاظ اور بحیرہ اور ذی الحجاز کی منڈیوں میں جا جا کر غافلوں کے کان میں ہادی

☆ عرب کے بے آب و گیاہ میدانوں میں خانہ بدوش قبائل کا پتہ لگا لگا کر اُن کو پیام ربانی پہنچایا۔

☆ طائف کے کوہسار پر تشریف لے جا کر جواہر تو حید لٹائے اور خود پتھر کھائے۔

☆ دنیا کے تمام مشہور حکمران بادشاہوں کے نام فرمان لکھے اور سفیر روانہ کئے۔

☆ اہل اسلام میں سلسلہ تبلیغ و دعوت کو فرض انسانی و وجوب دینی قرار دیا۔

یہ تمام جدوجہد اسی مالک الملک کے حکم کی تعمیل میں تھی۔ جس کی محبت، جس کی عظمت، جس کا جلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رگ رگ اور بال بال میں تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بصیرت پر ہونا

﴿عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعِيَ﴾ [یوسف: ۱۰۸]

”میں اور جو کوئی میری پیروی کرتا ہے، بصیرت پر ہیں۔“

بَصِيرَتٌ: فطنت، حجت، استدلال، ثمرت، دانائی، روشنی دل۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بصیرت پر ہونا اس لیے ہے کہ

(الف) حضور صلی اللہ علیہ وسلم عواقب امور کو اسی طرح دیکھ لیا کرتے۔ جیسا کہ لوگ اعمال ماضیہ کے ناظر ہوتے ہیں۔

(ب) رب العالمین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ان تمام واقعات کا (جو بعد از مرگ انسان کو پیش آنے والے ہیں) پردہ اٹھا لیا۔ احوال برزخ، بہشت، دوزخ اور مَلَکُوتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ کے مشاہدات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم دید تھے۔

مُتَّبِعِينَ: کا بصیرت پر ہونا اس لیے ہے کہ

انہوں نے ایسے رسول کو ہادی بنایا، ایسے معصوم کی ہدایت پر چلے، ایسے شاہد حق کے فرمودہ پر کاربند ہوئے، ایسے داعی الی الحق کی آواز پر گوش جان لگایا، ایسے رہبر کو امام بنایا

جس کی اتباع کے طفیل سے اُن میں نیت صحیح، اعتقادِ درست پیدا ہو گیا۔ اعمال میں نورانیت اور قلب میں روحانیت پیدا ہو گئی۔ عالم روح اور عالم قلب کے انوار و اسرار ان پر کھل گئے۔ حلاوتِ ایمان سے چاشنی گیر ہوئے۔

﴿وَسُبْحَنَ اللّٰهُ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [یوسف: ۱۰۸]

”اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔“

سُبْحَانَ: تسبیح سے بنایا ہے۔ جیسا تنخیر سے سُحْرہ۔

سبحان اللہ کہنے کا مقصد۔ تزیہ و تقدیس و تبریہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جملہ عیوب اور نقائص اور ادناس اور ارجاس سے پاک ہے۔ ذکر الہی کے موقع پر سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ دونوں اکٹھے آتے ہیں۔

الحمد للہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جملہ محامد جلال اور صفات کمال کا مالک ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ نِصْفُ الْمِيزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَأُهُ)) ﴿﴾ یعنی سبحان اللہ میزانِ عمل کو نصف بھر دیتا ہے۔ اور الحمد للہ اسے بھر پور کر دیتا ہے۔ آیت زیر تفسیر میں سبحان اللہ صرف تزیہ کے لیے ہے۔

آیت کا تعلق پہلی آیت سے یہ ہے کہ وہ بصیرت جو رب العالمین اپنے بندگانِ مخلصین کو عطا فرماتا ہے۔ اسی کے نور و ضیاء میں اہل ایمان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اہل شرک اپنے اپنے افعال و اقوال میں جن نقائص و عیوب کو بارگاہِ باری تعالیٰ سے منسوب کیا کرتے ہیں۔ وہ پاک قدوس اُن سب سے پاک و برتر ہے۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجَالًا نُّوحِيْ اِلَيْهِمْ مِنْ اٰهْلِ

الْقُرْاٰی﴾ [یوسف: ۱۰۹]

”تجھ سے پہلے ہم نے بستی کے کہنے والوں ہی میں سے مردوں پر وحی بھیجی تھی۔“

رَجَال: رجل کی جمع ہے اور اس سے ثابت ہو گیا کہ نبوت مردوں سے خصوصیت رکھتی ہے۔ جنسِ نساء میں سے کسی کو نبوت نہیں ملی۔ اُمّ موسیٰ و امّ عیسیٰ و ہاجرہ علیہن السلام کے پاس

ترذی، ابواب الدعوات باب التبیح نصف المیزان، رقم: ۳۵۱۸۔ داری کتاب الوضوء، مسند احمد ۲/۲۶۰۔

فرشتگان آسمانی کا آنا۔ کسی خاص واقعہ کے متعلق منجانب اللہ کچھ سمجھا جانا، نبوت اور رسالت کے مفہوم میں داخل نہیں۔

نبی ﷺ کیوں فرشتہ نہیں ہوتا؟

یہ آیت مشرکین کے اس اعتراض کے جواب میں ہے کہ نبی انسان کیوں ہوتا ہے؟ فرشتہ کو نبی بنا کر کیوں نہیں بھیجا جاتا؟ اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ جملہ انبیاء ہمیشہ سے انسان ہی ہوتے رہے ہیں۔

قرآن مجید کے دوسرے مقام پر یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ اگر یہاں فرشتے آباد ہوتے۔ تو ان کیلئے رسول بھی فرشتہ ہی ہوتا۔

اعتراض کرنے والے وہ تھے جو جنس بشر کی فضیلت سے ناواقف تھے۔ اگر وہ یہ جانتے ہوتے کہ انسان ہی ”اشرف مخلوقات“ ہے اور خلافت الہیہ کا تاج آدم ہی کے سر پر رکھا گیا ہے۔ تو کبھی یہ اعتراض زبان پر نہ لاتے۔ لیکن شرک وہ بری بلا ہے جو انسان کو خود اس کی نگاہوں میں ذلیل بنا دیتی ہے۔ جب کوئی مشرک کسی جانور یا درخت یا استھان بانسان کی پوجا کرتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ ان اشیاء کو اپنے سے برتر و اعلیٰ قرار دیتا ہے۔ حالانکہ رب العالمین نے تو انسان کو سب سے برتر بنایا ہے۔

نبی ﷺ کے بشر ہونے میں حکمت و مصلحت

اب اصل وجہ بشر کو نوع بشر کی طرف رسول بنا کر بھیجنے کی یہ ہے کہ نبی اپنے جملہ افعال و اعمال میں تمام دنیا کے لیے اسوہ حسنہ اور کمالات انسانی کا صحیح نمونہ ہوا کرتا ہے۔ اگر نبی کسی دوسری جنس یا نوع سے ہوتا۔ اگر وہ فرشتہ یا جن ہوتا تو اس کے اعمال و افعال نسل انسانی کے لیے نمونہ نہ بن سکتے۔

اسوہ و نمونہ

جب کسی شخص سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی نبی اللہ کی سنت کے مطابق عمل کرو تو وہ جواب دے سکتا تھا کہ وہ تو فرشتہ تھے، ہم انسان ہیں۔ اس لیے ہم ویسے اعمال و افعال کیونکر محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بجلا سکتے ہیں۔ قدرت الہیہ نے اب کسی شخص کے لیے یہ عذر قائم نہیں رہنے دیا۔

﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ

قَبْلِهِمْ﴾ [یوسف: ۱۰۹]

”کیا یہ لوگ ملک میں چلتے پھرتے نہیں کہ وہ دیکھیں کہ ان سے پہلی قوموں کا انجام کیا ہوا۔“

اقوام ماضیہ کے انجام ہمارے لیے عبرت ہیں

مکہ کا قافلہ جب مصر کو یا شام کو جاتا۔ تو ان کی راہ میں شمود اور اصحاب ایکہ کے تباہ شدہ شہر اور قلعے آیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ان کو آگاہ کرتا ہے کہ ان اقوام کے ایسے انجام اس لیے ہوئے کہ انہوں نے اپنے اپنے وقت کے نبی کو حقیر سمجھا۔ اور اطاعت نہ کی۔ اب اگر اہل مکہ بھی نبی آخر الزمان کی اطاعت نہ کریں گے۔ تو وہ بھی اسی انجام کے مستوجب ٹھہریں گے۔

﴿وَلَذَارُ الْأَخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا أَقْلًا تَعْقِلُونَ﴾

”اور آخرت کا گھر تو تقویٰ والوں کے لیے بہت بہتر ہے۔ کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے۔“

پہلی آیت میں بتلایا تھا کہ نبی اللہ کی نافرمانی موجب بربادی اور سبب تباہی ہوتی ہے۔ ان پر دنیا میں بھی تباہی آیا کرتی ہے۔

اس آیت میں بتلایا کہ ان کی آخرت بھی تباہ ہوتی ہے، کیونکہ عالم آخرت تو اہل تقویٰ کے لیے ہے اور اہل تقویٰ وہی ہوتے ہیں جو نبی پر ایمان لانے والے ہوتے ہیں۔

عالم آخرت کیوں دنیا سے بہتر ہے

اب رہا عالم آخرت کا عالم دنیا سے بہتر ہونا۔

(الف) وہ اس لیے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ انسان کو خلود عطا فرمایا ہے اور یہاں انسان ہر روز، ہر ساعت، ہر لحظہ فنا کی جانب جا رہا ہے اور اس لیے فنا کا روگ ہر وقت

انسان کے جسم اور جان سے لگا ہوا ہے۔

(ب) دنیا سے عالم آخرت اس لیے بھی بہتر ہے کہ وہاں کی نعمت و اقبال کو نقص و زوال نہیں۔ حالانکہ دنیا میں ہر ایک شے انہی عوارض کی تحت میں پائی جاتی ہے۔

مختصراً غور کرو کہ ہر ایک نعمت و دولت سے محفوظ ہونے کا انحصار انسان کی اپنی صحت بدن پر ہے۔ مگر صحت انسانی سینکڑوں عوارض و امراض سے گھری ہوئی ہے۔ صحت قوی اور اعتماد عناصر اول تو کسی شخص کو حقیقی معنی میں حاصل ہی نہیں ہوتے اور اگر کسی کو تھوڑے دنوں کے لیے یہ سب کچھ مل بھی جائے، تب بھی جوانی کو بقا کہاں؟

الغرض عالم آخرت کی برتری کے بیسیوں دلائل ہیں۔ لیکن ان کا تعلق فہم و افہام و تفہیم عقل پر منحصر ہے۔ اسی لیے آیت کو ﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ [۱۲/ یوسف: ۱۱۰] پر ختم فرمایا گیا ہے۔ جو لوگ عقل نہیں رکھتے وہ عواقب امور پر نہ بحث کر سکتے ہیں۔ نہ تدبیر و غور سے کام لے سکتے ہیں اور نہ کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا جَاءَهُمْ
نَصْرُنَا فَنُجِّىَ مَنْ نَشَاءُ﴾ [۱۲/ یوسف: ۱۱۰]

”اور جب رسول (منکروں سے) مایوس ہو گئے اور سمجھنے لگے کہ یہ لوگ ہم کو جھوٹا ہی سمجھتے ہیں۔ تب ہماری مدد رسولوں کے لیے آتی ہے۔ اس وقت اسی کو نجات ملتی ہے جسے ہم چاہتے ہیں۔“

اسْتَيْسَسَ. يَيْسَسُ يَيْئَاسُ. يَأْسًا وَيَاسَةً سے ہے۔ اس کے معنی قطع امل ہیں۔ آیت کا جو ترجمہ کیا گیا ہے۔ وہ صحیح بخاری کی روایت عروہ عن ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی تفسیر کے مطابق ہے۔

معاذ اللہ! آیت کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ رسولوں کو رحمت الہی سے کبھی مایوس ہو جایا کرتی ہے۔ یا ان کو وعدہ ربانی میں تخلف کا وہم بھی کبھی ہو جایا کرتا ہے۔

اس معنی کی صحت خود اس سورہ مبارکہ سے بھی ہوتی ہے۔ ذرا غور کرو! یعقوب علیہ السلام کی بوجہ بھی آئی؟
محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(الف) جب پہلی دفعہ ان کے لڑکوں نے خبر دی کہ یوسف کو بھیڑیے نے کھالیا۔ تب بھی انہوں نے یہی فرمایا۔ ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا﴾ [۱۲/ یوسف: ۸۳] ”نہیں! تم نے خود ایک بات بنالی ہے۔“

(ب) جب دوسری بار انہوں نے بنیامین کے قید اور روبن کے ترک وطن کی اطلاع دی۔ تب بھی یعقوب علیہ السلام نے ﴿عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا﴾ [۱۲/ یوسف: ۸۳] فرمایا تھا۔

(ج) جب بیٹوں نے ان کی یاد یوسف علیہ السلام کو ضلالت قدیم بتلایا۔ تب بھی انہوں نے ﴿إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ [۱۲/ یوسف: ۹۶] بتلایا تھا ”مجھے اللہ کی ذات کا وہ علم ہے جو تم کو نہیں“

(د) جب یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو بار سوم مصر روانہ کیا اور تلاش یوسف علیہ السلام کا حکم دیا تھا۔ تب فرمایا تھا: ﴿وَلَا تَيْئَسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ﴾ [۱۲/ یوسف: ۸۷] یعنی ”رحمت الہی سے ناامید نہ ہونا۔“ نیز فرمایا تھا: ﴿إِنَّهُ لَا يَأْتِيَنَّكَ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾ [۱۲/ یوسف: ۸۷] ”رحمت الہی سے تو کافر لوگ ناامید ہوا کرتے ہیں۔“

(ه) جب ان کو حیات یوسف کی بشارت اور اپنی گئی ہوئی بصارت ملی۔ تب بھی انہوں نے اپنے اسی اعتقاد محکم کی یاد اپنی اولاد کو تازہ کرائی تھی:

﴿أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ [۱۲/ یوسف: ۹۶]

”کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں اللہ کی بابت جانتا ہوں، جو تم نہیں جانتے۔“

ان واقعات سے ثابت ہو گیا کہ سخت سے سخت مصیبت میں بھی نبی اللہ کے اعتماد و توکل اور امید فضل الہی میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا۔ یہی وہ تعلیم ہے جو اس سورہ مبارکہ میں دی گئی ہے۔

ہاں اسی سورہ مبارکہ میں ﴿وَاظُنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا﴾ [۱۲/ یوسف: ۱۱۰] کا نمونہ بھی دیکھ لو۔ یعقوب علیہ السلام کو یہ گمان ضرور ہو گیا تھا کہ اب ان کی اولاد ان کی بات پر اعتماد نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے تکلیف یوسف کو سونپا اور اس کی اطلاع اپنی اولاد کو دینے لگے۔ تو انہوں

نے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا تھا، ﴿لَوْ لَا أَنْ تَفْنَدُون﴾ ”یہ نہ سمجھنا کہ بڑھاسٹھیا گیا“

الغرض یعقوب علیہ السلام اور فرزند ان یعقوب علیہ السلام کے حالات پر تدبر کرنے سے اس معنی کی جو بحوالہ حدیث بخاری کئے گئے ہیں۔ بخوبی توشیح و ترصیح ہو جاتی ہے۔

﴿وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ﴾ [۱۲/یسف: ۱۱۰]

”اور ہمارا عذاب تو مجرم قوم سے لوٹایا نہیں جاتا۔“

اس آیت میں دو اصول بتلائے گئے ہیں۔

اول: عذاب الہی صرف مجرمین پر نازل ہوتا ہے۔

دوم: نزول عذاب کے بعد پھر اسے کوئی روک نہیں سکتا ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّلْقَوْمِ الْيُؤْمِنُونَ﴾ [۱۲/یسف: ۱۱۱]

”ان کے حالات میں دانش مندوں کے لیے بڑی نصیحت ہے۔ یہ بنائی

ہوئی بات نہیں ہے۔ یہ تو اپنے سے پہلی کی تصدیق کرتی ہے اور ہر شے کی

تفصیل ہے اور ہدایت اور رحمت ہے، ایمان والی قوم کے لیے۔“

عِبْرَةٌ: معاملات پر غور کرنا۔ دوسرے کے حالات سے نصیحت حاصل کرنا۔

أَلْبَاب: لُب کی جمع ہے۔ لُب بمعنی عقل۔ ہر ایک وہ شے جو خالص عن الشوائب ہو۔

میوہ جات کا وہ اندرونی حصہ جو کھایا جاتا ہے۔ ہر شے کا مغز۔

يُفْتَرَى: فَرِیَ فَرِیًا سے ہے۔ جس کے معنی خراب کرنا، چمڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا

ہے۔ افتراء: جھوٹ بنانا، جھوٹ سے کسی کو تباہ کرنا۔

تَصْدِیق: قائل کی نسبت دل و زبان سے صدق کا استعمال۔

قَصَصِهِمْ: کی ضمیر میں انبیاء، نجات یافتہ قومیں اور جرائم پیشہ لوگ شامل ہیں۔ جن کا ذکر

﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَأْذَنَ الرُّسُلُ﴾ [۱۲/یسف: ۱۱۰] میں آیا ہے۔ بعض نے اسے خاندان

اسرائیل کی طرف بتایا ہے۔

حَدِيثًا يُفْتَرَى: بِنَائِي هُوَ بَات - (من گھڑت، خود ساختہ)

کفار مکہ جو قرآن مجید کو کلام الہی نہ مانتے تھے۔ وہ یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ کلام تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ساختہ ہے۔ سورۃ سہا میں ہے کہ کفار نے قرآن مجید کو ﴿فَاُفْکُ مُفْتَرًی﴾ (ساختہ پرداختہ) بھی کہا تھا۔

قرآن مجید نے اس الزام کا جواب ایک جگہ یہ دیا ہے۔

﴿اَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَاَتُوا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرِيْنَ وَاَدْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاَلَمْ يَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاَعْلَمُوْا اَنَّمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝﴾ [۱۱/ہود: ۱۲-۱۳]

”کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن محمد نے بنالیا ہے۔ ان سے کہہ دو کہ تم بھی ایسی ہی دس سورتیں بنا لو اور خدا کے سوا جس سے مدد لے سکتے ہو، اسے بلا لو اگر تم یہ کہنے میں سچے ہو۔ اگر یہ لوگ اس بات کو قبول نہ کریں۔ تب سب کو جان لینا چاہیے کہ اس قرآن کو تو اللہ ہی نے اپنے علم سے اتارا ہے اور اس کے سوا تو کوئی بھی معبود نہیں ہے۔ کیا تم اس کی فرمانبرداری کرو گے۔“
دوسرا جواب یہ ہے جو آیت زیر تفسیر میں دیا گیا ہے۔
یعنی کلام اللہ کی مندرجہ ذیل صفات پر غور کرو۔

کلام اللہ کے اوصاف www.KitaboSunnat.com

① یہ اولوالالباب کے لیے عبرت ہے اور اہل دانش کے سامنے زمانہ ماضی کو ایسی صورت میں پیش کرتا ہے۔ جس سے زمانہ مستقبل میں فائدہ، نفع اور نصیحت حاصل کی جاسکے۔

② یہ ﴿تَصْدِیْقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ﴾ [۱۲/یوسف: ۱۱۱] ہے۔ یہ صفت قرآن مجید کی ایسی خاص و اعلیٰ ہے جو اسے دیگر کتب سماویہ سے ممتاز و برتر ثابت کرتی ہے۔

الف: اہل ہند کا دعویٰ ہے کہ ہندوستان کے سوا اور کسی قوم پر آش بانی نہیں اتری۔

ب: بنی اسرائیل نے کہا کہ اسرائیلیوں کے سوا اور کسی کو نبوت نہیں ملی۔

ج: ایرانیوں کا پندار ہے کہ پارسیوں کے سوا سر دش یزدانی سے کوئی آشنا نہیں ہوا۔
 د: مصریوں کو اصرار ہے کہ جملہ علوم روحانی و مادی انہی نے نکالے اور اہرام پر لکھے۔
 ہ: چینوں نے بتلایا کہ آسمانی خدا کے فرزند وہی ہیں۔ اب ہر ایک کے دعویٰ پر غور کرو۔ ہر ایک قوم اپنے دعویٰ کے ساتھ ساتھ کل اقوام عالم کی تکذیب بھی کر رہی ہے۔

ہندو اسرائیلیوں کو جھوٹا بتاتے ہیں اور اسرائیلی ہندوؤں کو۔ ایرانی ان دونوں کو اور یہ دونوں ایرانیوں کو لاف باف بتلاتے ہیں۔
 علیٰ ہذا مصری ان تینوں کو دروغ گو کہہ رہے ہیں۔
 اور چینی ان چاروں کے بطلان پر اصرار رکھتے ہیں۔
 الغرض یہ تکذیب و ابطال کا سلسلہ اتنا وسیع ہو جاتا ہے کہ قوم بھی اس کے اثر سے باہر نہیں رہتی۔

قرآن مجید ہی وہ پاک کتاب ہے۔ جس نے کل دنیا کو یہ بتلایا ہے: ﴿إِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾ [فاطر: ۲۵/۲۳] ”یعنی دنیا کی ہر ایک قوم میں ایک نذیر آیا ہے۔“
 یہ اصول دنیا کو محبت، اتفاق، یک جہتی و اتحاد کی تعلیم دینے والا ہے اور یہی اصول واضح کر دیتا ہے کہ ایسی پاکیزہ تعلیم کا پیش کرنے والا ہرگز ہرگز مفتری نہیں ہو سکتا۔
 ③ یہ کتاب ﴿تَفْصِيلٌ لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ ”یعنی ہر ایک وہ شے، جس کا تعلق تزکیہ قلب، تنویر روح نجات اخروی اور تمدن انسانی، حیات بشری، حقوق العباد اور فرائض الہی سے ہے۔ اسے نہایت جامعیت اور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ:

قرآن مجید کی چند خصوصیات

الف: قرآن مجید عدالت ہائے فوج داری و دیوانی و مال کے لیے ایک بہترین قانون بھی ہے۔

ب: اور ایام اللہ کے بیان میں ایک صحیح ترین تاریخ بھی۔

ج: وہ ہدایت تامہ ہے اور کتاب اخلاق بھی۔

د: وہ مواظب و امثال بھی بیان کرتا ہے اور انداز و بشارت بھی۔

ہ: اس میں علوم اخروی و دنیوی کے دو دریائے ذخار پہلو بہ پہلو جوش زن نظر آتے ہیں۔

و: وہ برہان کو پیش کرتا ہے اور فطرت سلیمہ کو بیدار بناتا ہے۔

ز: وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور صحیح طریق پر اللہ کے کام بتاتا ہے۔

ح: وہ کتب سماویہ کا مہین ہے اور ان کے مطالب کا جامع ہے۔

توراة میں صرف حلال و حرام کے احکام تھے۔

زبور مجموعہ مناجات ہے۔

انجیل میں صرف اخلاقی سبق ہیں اور اس کی تعلیم ایسی مثالوں میں دی گئی ہے جسے اکثر اوقات مسیح علیہ السلام کے خاص شاگرد بھی نہ سمجھا کرتے تھے لیکن اقسام ہدایت کی ہر ایک قسم کو اپنی ذات میں جمع کر لینا صرف قرآن پاک ہی کا خاصہ ہے۔

قرآن ہدایت ہے

④ قرآن مجید سرِ پادہایت اور کامل رہ نما ہے۔

صحف اولین کی تعلیم اور حلقہ ہائے اثر

ہر ایک کتاب پر غور کرو کہ اس کی تعلیم نے کیا کیا اثر پیدا کئے۔

الف: کیا وید کی تعلیم نے ہندوستان سے باہر کسی قوم میں کوئی وقعت پائی؟

ب: کیا ژندو اُستان نے اولادِ ایرج کی حدود سے باہر بھی قدم نکالا؟

ج: کیا توراة کی تعلیم سے اسباط کے سوا اور کسی نے کچھ استفادہ کیا؟

د: کیا انجیل نے توراة سے علیحدہ ہو کر اپنے آپ کو کبھی مستقل کتاب کہلانے کا

دعویٰ کیا۔

ہ: کیا مسیح کے بارہ منتخب کردہ اور تیار کردہ شاگردوں نے انجیل کو کبھی اقوامِ غیر کے

سامنے پیش کرنے کی سبقت کی؟

قرآن مجید کا فیض عام

و: ہاں! یہ قرآن مجید ہی ہے جس نے شروع ہی سے اپنے آپ کو کل مخلوق کا رہنما بتایا ہے۔

ز: یہ قرآن حکیم ہی ہے جس نے دنیا کے تمام ملکوں اور قوموں کو اپنا فیض پہنچایا ہے۔

ح: یہ قرآن مبین ہی ہے جس نے زبانوں کے اختلاف، رنگوں کے تباہی، اور نسل و نسب کے امتیازات کو الگ کر کے سب کے دلوں میں ایک ہی عقیدہ اور سب کے دماغوں میں ایک ہی ولولہ اور سب کی زبانوں پر ایک ہی کلمہ جاری کر دیا ہے۔

ط: قرآن پاک کا یہ فیض عام اسی ابتدائی زمانہ سے جاری ہے جب کہ نزول قرآن کی ابتدا ہوئی۔ یہودی، عیسائی، صابی، بت پرست، دہریہ سب ہی اقسام کے لوگ اس آب حیات سے سیراب ہوئے۔ شاہ و گدا کو برابر اس کا فیضان ہوا۔

بلال و صہیب کے ساتھ اکیدر و جیفر ایک صف میں بیٹھے۔ سلمان و ابوذر جیسے بے سروسامانوں کو عمر و خزاعی اور عبدیالیل ثقفی جیسے حکمرانوں نے اپنا مقتدی تسلیم کیا۔

ی: الغرض قرآن مجید کا راہ نمائے کامل ہونا، ایشیا و افریقہ و یورپ میں اسی ابتدائی عہد میں مسلم ہو گیا تھا جب کہ قرآن پاک کا نزول ہو رہا تھا۔

قرآن مجید رحمت ہے

قرآن مجید رحمت ہے۔ بنی اسرائیل نے نجات کے دروازے صرف اسرائیلیوں ہی کے لیے کھولے۔ ہندوؤں نے صرف برہمنوں کو ملتی پانے والا قرار دیا۔

اسی طرح ہر ایک مذہب نے نجات کے لیے ایسی ایسی قومی، ملکی اور نسلی خصوصیات کی قیود کا اضافہ کیا۔ جس سے اس مذہب کا فیض بالکل محدود ہو گیا۔ قرآن مجید نے ان قیود کو توڑا اور ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقْوَمُ﴾ [الحجرات: ۱۳] کا فرمان جاری کیا۔ ”یعنی تم میں زیادہ عزت والا وہی ہے جو تقویٰ میں زیادہ ہے۔“

حقوق نسواں

حقوق نسواں کے حامی آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ﴾ [البقرة: ۲۲۸] کا حکم قرآن پاک کے سوا اور کون سی کتاب نے دیا ہے۔ ترجمہ آیت یہ ہے۔

”عورتوں کے حقوق مردوں پر ویسے ہی ہیں۔ جیسے مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں۔“

ایمان سے کہو کہ قرآن پاک تمام جنس اناث کے لیے کس قدر رحمت ہے بلکہ رَوْحِ بَیِّن کے حقوق معین کر دینے کی وجہ سے اناث و رجال دونوں کے لیے کس قدر رحمت ہے۔

حقوق انسانیت

حقوق انسانیت کی حمایت کرنے والے غور کریں کہ ﴿فَإِذَا مَنَا بَعْدَ وَ أَمَّا فِدَاءٌ﴾ [محمد: ۴۱] کا حکم قرآن پاک کے سوا کسی نے اسیران جنگ کے حق میں دیا ہے۔ ترجمہ آیت یہ ہے۔ ”جب لڑنے والوں کو پکڑ لو، تب یا تو بطور احسان چھوڑ دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔“ حالانکہ توراۃ میں اور وید میں جو سخت ترین احکام اسیران جنگ کے لیے ہیں انہیں کل دنیا خود جانتی ہے۔

اخلاق حسنہ و حرمت شراب

اخلاق حسنہ کے شیدائی بتلائیں کہ شراب کو ﴿رَجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ [المائدہ: ۹۰] ”پلید، شیطان کا کام ہے۔“ کس کتاب نے قرآن پاک کے سوا فرمایا ہے اور ﴿مَا اسْكُرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ﴾ ﴿جس نشے کا بڑا حصہ نشہ آور ہو اس کا قلیل حصہ بھی حرام ہے۔“ کا حکم سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کس نبی نے دیا۔ اور آج جنگ عظیم کے تجربہ کے بعد امریکہ و فرانس وغیرہ ممالک شراب چھوڑنے میں کس

ترندی: ابواب الاشریہ، باب ما اسکر کثیرہ، رقم ۱۸۶۵۔ نسائی: کتاب الاشریہ، باب تحريم کل شراب اسکر کثیرہ، رقم ۵۲۱۰۔ ابن ماجہ: ابواب الاشریہ، باب ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام رقم ۳۳۹۲۔

ہادی برحق کی ہدایت پر عمل کر رہے ہیں۔

حمایت عدل وانصاف

حامیان عدل وانصاف ذیل کی آیات پر تذبذب کریں اور انصاف سے کہیں کہ عدل کی حمایت اور انصاف کے استحکام میں قرآن پاک سے بڑھ کر کس کتاب میں تاکید موجود ہے۔

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ اَنْ لَا تَعْدِلُوْا ۚ اِعْدِلُوْا ۚ هٰذَا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ [المائدہ: ۸]

”کسی قوم سے نفرت کا ہونا تم کو نا انصافی کی جانب نہ لے جائے۔ عدل ہی کرو۔ اسی میں تقویٰ و خدا ترسی ہے“

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۚ وَتَعَاوَنُوْا عَلٰی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی﴾ [المائدہ: ۲]

”قوم سے یہ نفرت کہ انہوں نے تم کو خانہ کعبہ سے روک دیا تھا۔ تم کو اُن پر زیادتی کرنے کی طرف نہ لے جائے۔ تم نیکی اور تقویٰ میں اُن کی بھی مدد کیا کرو۔“

شہادت کی حفاظت اور عظمت

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ ۚ شَهِدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اَوْ اِلْوَالِدِيْنَ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾ [النساء: ۱۳۵]

”اے ایمان والو! حقوق کی حفاظت کرو، خدا لگتی گواہی دیا کرو، خواہ تمہاری گواہی خود تمہارے خلاف یا تمہارے والدین اور اقربا کے بھی خلاف ہو۔“

عفو و درگزر کی لاثانی تعلیم

عفو و درگزر کی تعلیم دینے والے ان آیات پر غور کریں۔ ایک گال پر تھپڑ کھا کر دوسرے گال پر تھپڑ کھانا، اعلیٰ تعلیم ہے؟ یا بدی کرنے والے کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہنا اعلیٰ تعلیم ہے؟

﴿ اِذْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهُ

[۳۴/فصلت: ۳۴]

وَلِيٍّ حَمِيمٌ ۝﴾

”بدی کے بدلہ میں نیکی کرو۔ جس سے تمہاری عداوت ہوگی۔ وہ بھی اس طریق سے تمہارا گرم جوش حامی بن جائے گا۔“

﴿وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا اَلَا تُحِبُّونَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۝﴾ [۲۴/النور: ۲۴]

”تم کو لازم ہے کہ معافی دیا کرو۔ تم کو لازم ہے کہ درگزر کیا کرو۔ کیا تم خود یہ پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کر دیا کرے۔“

تہذیب شائستگی

پاکیزہ عادات اور بہترین صفات کے شیدائی اس تعلیم کی قدر و قیمت اور وسعت کا اندازہ کریں۔

﴿وَلَا تَقْرُبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَّنَ ۝﴾ [۶/الانعام: ۱۵۱]

”اللہ نے فحش کی تمام اقسام کو حرام کر دیا ہے خواہ وہ فحش کھلا ہو یا چھپا ہو۔“

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيتَايَ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ

الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ [۱۶/النحل: ۹۰]

اللہ نے اپنے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہ یہ ہیں ① عدل

② احسان ③ اور اہل قربت کے ساتھ داد و دہش۔ اللہ جن کاموں سے

روکتا ہے۔ وہ یہ ہیں ① بدکاریاں ② ایسے کام جن کا انکار کیا جاتا ہے

③ بغاوت۔ یہ خدا کی نصیحت ہے تاکہ یاد رکھو۔“

حکومت جمہوری

حکومت جمہوریہ کے ذرائع اور امارتِ شصیہ کے منکر غور کریں کہ ﴿وَاْمُرْهُمْ

شُورٰى بَيْنَهُمْ ۝﴾ [۳۲/الشوری: ۳۸] کا زبردست حکم اور کس کتاب نے دیا ہے۔ ”حکومت کی

بابت صرف یہی ایک صورت ہے کہ وہ باہمی شوری پر ہوگی۔“

تمدن و حریت

تمدن و آزادی و انسانیت کے شاخوں غور کریں کہ:

﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعَوْهَا﴾ [۵۷/الہد: ۲۷] کا حکم کس طرح دنیا کو ان لوگوں کے وجود سے پاک کرتا ہے۔ جون، منک اور جوگی و تیاگی کے بھیس میں ہو کر انسانیت کے لیے باعث تنگ و عار اور تمدن کے لیے دشمن صریح بن رہے ہیں۔

یہ جملہ احکام اور ان کے اشیاء و نظائر دیگر احکام صاف طور پر واضح کرتے ہیں کہ قرآن مجید نسل انسانی کے لیے رحمت ہے۔

وہ انسان مبارک ہے جو قرآن سے ہدایت لیتا ہے

قرآن پاک اپنے نہ ماننے والوں کے لیے بھی فیض بخش و فیض رساں ہے اور ماننے والوں کے حق میں تو وہ سراسر ہدایت اور سراپا رحمت ہے۔ مبارک ہیں وہ انسان جنہوں نے قرآن کو اپنے لیے ہدایت بنایا اور اس کی رحمت سے فائدہ اٹھایا ہے۔



خاتمہ

سورہ یوسف علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ذَٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ﴾ [یوسف: ۱۰۲]

”یہ غیب کی خبروں میں سے ہے۔“

یہ بھی فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولَى الْأَلْبَابِ﴾ [یوسف: ۱۱۱]

”اہل دانش کے لیے اس میں عبرت ہے۔“

ہر دو آیات سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ احوال یوسف صدیق علیہ السلام کو احوال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے گوشتہ مماثلت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور یوسف علیہ السلام کے حالات میں مماثلت

یعنی جو معاملات یوسف علیہ السلام کے درمیان ہوئے۔ وہی معاملات قریش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہونے والے ہیں۔ سورہ یوسف کا نزول مکہ معظمہ میں ہوا تھا۔ اس لیے یہ سورہ مبارکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے لیے فی الواقع ”اِخْبَار عَنِ الْغَيْبِ“ ہے اور واضح پیشگوئی ہے۔ ہم اختصار کے ساتھ چند واقعات مماثلت کو ذیل میں قلم بند کریں گے۔

(۱) اوّل

یوسف علیہ السلام کی روحانی زندگی کا آغاز خواب سے ہوا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا آغاز بھی روئے صادقہ سے ہوا تھا۔

خواب صادقہ

صحیح بخاری میں باب کیف بدّ الوحي میں ام المؤمنین عائشہ سے روایت ہے:

((أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الْوَحْيِ الرَّؤْيَا الصَّالِحَةُ

فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْهُ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ﴿٢٨٢﴾
 ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی ابتدا شروع شروع میں سچے خوابوں سے ہوئی
 تھی۔ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں دیکھ لیتے۔ وہی نور سحر کی طرح صبح کو
 آشکار ہو جاتا۔“

(۲) دوم

يعقوب بن ورقہ بن نوفل

یوسف علیہ السلام کے خواب کو سن کر یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے تھے کہ انھوں یوسف علیہ السلام
 اُن سے کید و مکر کریں گے۔
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نزول وحی کی کیفیت سن کر پیر فرزانہ ورقہ بن نوفل
 نے کہا تھا:

((لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتُ بِهِ إِلَّا غُدًى)) ﴿٢٨٣﴾
 ”کوئی شخص وہ شے قوم کے پاس لے کر نہیں آیا جو تو لایا ہے۔ مگر یہ کہ اس
 سے عداوت کی جاتی ہے۔“
 اسی بزرگوار کا ایک فقرہ یہ ہے۔

((لَيْتَنِي أَكُونُ حَيًّا إِذَا يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ)) [ایضاً]
 ”کاش! میں اس وقت تک زندہ رہوں، جب تیری قوم تجھے نکال دے گی۔“

(۳) سوم

اجتباء

يعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو بتلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو درجہ اجتباء عطا فرمائے
 گا۔ امت محمدیہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يُؤْتِيكَ اللَّهُ مِنْ لَدُنْهِ الْوَحْيَ﴾
 بخاری: کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی رقم ۳۔ مسلم: کتاب الایمان، باب بدء الوحی الی رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رقم ۳۰۳۔ ﴿يُؤْتِيكَ اللَّهُ مِنْ لَدُنْهِ الْوَحْيَ﴾ ایضاً حوالہ مذکور۔ مسند احمد ۶/۲۲۳۔

﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ﴾ [٢٢/٤٨: ٤٨]
 ”اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اسی نے تم کو اجتباہ بخشا ہے۔“
 ظاہر ہے کہ یہ درجہ امت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل ملا ہے۔

(۴) چہارم

علم و تعلیم

یوسف علیہ السلام کو بتلایا گیا تھا کہ اُن کو علم تاویل الاحادیث دیا جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اللہ تعالیٰ نے اس طرح ظاہر کی ہے:

﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [٣/آل عمران: ١٦٣]
 ”نبی سب کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔“

(۵) پنجم

اتمام نعمت

یوسف علیہ السلام کو بتلایا گیا تھا ﴿وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ﴾ [١٢/یوسف: ١٠] اس سے مراد عطاء نبوت تھی اور اس کے تحت میں یہ بھی اشارہ تھا کہ نبوت کا جو تسلسل سیدنا ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہو کر ذات گرامی یوسف علیہ السلام تک پہنچا ہے۔ وہ انہی کی ذات پر ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ اُن کے بعد اُن کی نسل میں پھر کسی کو نبوت نہیں ملی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں یہ تمام نعمت بدرجہ اتم تھا۔
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ [٣٣/الاحزاب: ٣٥]
 ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں کسی کا باپ نہیں ہے۔ وہ تو اللہ کا رسول ہے اور سب انبیاء کا خاتم ہے۔“

صحیحین کی حدیث اور ختم نبوت

صحیح بخاری و صحیح مسلم کی متفقہ حدیث ہے:

((إِنَّ لِي أَسْمَاءَ أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ أَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو
اللَّهُ بِسْمِ الْكُفْرَ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمَيَّ وَ
أَنَا الْعَاقِبُ الَّذِي لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ)) ❁

”میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں، جس
کے ذریعہ کفر محو کیا گیا۔ میں حاشر ہوں، قیامت کو سب لوگ مجھ سے پیچھے
انھیں گے۔ میں عاقب ہوں، عاقب وہ ہے جس کے بعد اور کوئی نبی نہ ہو۔“

شریعت کا آغاز آدم علیہ السلام سے ہوا

اتمام کی ایک قسم یہ بھی تھی کہ دین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے کمال حاصل ہوا
یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح نسل انسان کی ابتداء ابوالبشر آدم علیہ السلام سے ہوئی ہے۔ اسی
طرح شریعت کا آغاز بھی انہی کی ذات سے ہوتا ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فطرت
انسان ہی بالطبع متقاضی شریعت ہے۔ شریعت مجموعہ امر و نہی کا نام ہے۔ مختصر یا مفصل ہونا
اس کلیہ میں کچھ تفاوت نہیں پیدا کرتا۔

امرو نہی نوح علیہ السلام

غور کرو کہ آدم علیہ السلام کے لیے جنت میں امر و نہی موجود تھے۔ یعنی جنت کے سب
میوہ جات کو کھا سکتا اور ایک درخت خاص سے دور رہنا۔ نوح علیہ السلام پر دم مسفوح حرام ہوا۔

موسیٰ علیہ السلام اور احکام عشرہ

اسی طرح ترقی ہوتے ہوتے ایک دن وہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو احکام عشرہ
ملے اور ان کے بعد شریعت کے دیگر احکام بھی وقتاً فوقتاً ملتے رہے۔

❁ بخاری: کتاب التفسیر، باب من بعد اسمہ احمد، رقم: ۳۸۹۶۔ ترمذی: ابواب الادب، باب ماجاء فی اسماء النبی
رقم: ۳۸۴۰۔ مؤطا: اسماء النبی ادی رقائق ۵۹ م ۸۰/۴۔

داؤد علیہ السلام اور ابواب مناجات

اُن کے بعد داؤد علیہ السلام پر ابواب مناجات و دعا کھولے گئے اور اُن کے بعد مسیح عیسیٰ علیہ السلام کو محاسن اخلاق کی تعلیم کے لیے مثال اور نظائر کے طریقہ کا استعمال سکھایا گیا اور بالآخر نزول قرآن مجید کا آغاز ہوا۔ ۲۳ سال تک یہی سلسلہ جاری رہا اور آخر میں یہ فرمان واجب الاذعان شائع کر دیا گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اتمام نعمت و مکمل دین

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾

[۵/المائدہ: ۳]

”آج تم پر میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا۔ آج میں نے اپنی نعمت

بھر پور تم کو دے دی۔ میری خوشنودی یہی ہے کہ یہی اسلام تمہارا دین ہو“

خلاصہ یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام پر بھی نعمت کا اتمام ہوا۔ وہ ان کی اپنی نسل میں تھا اور

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اتمام نعمت ہوا اور یہ کل دنیا کے لیے تھا۔

(۶) ششم

قتل و قید اور طرح ارض

حضرت یوسف کے قتل اور طرح ارض کے مشورے ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف

بھی ایسا ہی مشورہ ہوا۔

﴿وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ﴾

[۸/الانفال: ۳۰]

”جب کافر تیرے خلاف چھپ چھپ کر تدبیریں کرتے تھے کہ تجھے

قید کریں، قتل کریں یا ملک بدر کریں۔“

یوسف علیہ السلام کے خلاف ابھائی شامل مشورہ تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مشورہ

کرنے میں قریش کے ۱۳ سردار شامل تھے۔ ان میں سے گیارہ تو جنگ بدر میں باحال تباہ ہلاک ہوئے اور تین کو امن ملا وہ سب اسلام کی پناہ میں داخل ہو گئے۔

دارالندوہ کا انجام

وہ دارالندوہ جہاں یہ ناپاک مشورت کی گئی تھی۔ آج صحن کعبہ میں حنفی مصلی کے نام سے موسوم ہے۔ جہاں شب و روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اشاعت کی جاتی ہے۔

(۷) ہفتم

جُبّ اور غار

یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ظلم سے غیابت الحب (کنوئیں کی تہہ میں) ٹھہرنا پڑا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریش کے ظلم سے غار ثور کی تہہ میں پناہ گیر ہوئے تھے۔

(۸) ہشتم

قافلہ مدنائیان و قافلہ انصاریان

قافلہ سیارہ کو جب یوسف علیہ السلام کا ایک مل گئے تھے۔ تو انہوں نے اس پر بہت بہت اظہار مسرت کیا تھا۔

اوس و خزرج کا قافلہ بھی جب بمقام عقبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پرانوار سے مشرف ہوا تھا تو انہوں نے بھی اس شرف خداداد کے ملنے پر نہایت شکر و امتنان کا اظہار کیا تھا۔

(۹) نہم

حسن یوسفی و جمال محمدی

یوسف علیہ السلام کے حسن کا اندازہ کرنے کے لیے یہ واقعہ موجود ہے کہ ایک باجمال و ذوال عورت نے اُن سے خود درخواست کی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے براعتِ جمال کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ طاہرہ خدیجہ الکبریٰ جیسی خاتون نے جو صاحب مال بھی تھیں اور صاحب جمال بھی۔ جو بہت سے سرداروں کی درخواست ازدواج کو رد کر چکی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی خود التجا کی تھی۔

(۱۰) وہم

تہمت

یوسف علیہ السلام پر امرأۃ العزیز نے ارادہ بد کی تہمت لگائی اور دشمنان دین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کو جو زید و ثعلبہ کی زنِ مطلقہ سے تھا، مطعون ٹھہرایا۔

(۱۱) یازدھم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب

یوسف علیہ السلام کے خواب کا ذکر، قرآن پاک میں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی دو خوابوں کا ذکر اس پاک کتاب میں فرمایا گیا ہے۔

الف: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾ [الاسراء: ۶۰]

”جو خواب ہم نے تجھے دکھایا تھا وہ لوگوں کے لیے ایک آزمائش تھا۔“

ب: ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ

الْحَرَامَ إِنِ شَاءَ اللَّهُ أَمِينٌ مِّنْ مُّحَلِّقِينَ رُءُوسِكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا

تَخَافُونَ ۚ﴾ [الفتح: ۲۷]

”خدا نے اپنے رسول کا خواب راستی کے ساتھ سچا کر دکھایا۔ جو یہ تھا کہ تم

ان شاء اللہ ضرور مسجد الحرام میں امن و امان کے ساتھ داخل ہو گے۔ تم کو کسی

کا خوف نہ ہوگا۔ تمہارے سر منڈے ہوں گے یا بال کٹے ہوں گے۔“

(۱۲) دوازدہم

وعظ یوسف علیہ السلام

یوسف علیہ السلام کے وعظِ زندانی کو دیکھو کہ اثباتِ توحید اور ردِ شرک کے متعلق کیسے

زبردست دلائل کا استعمال کیا گیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ پاک بھی ایسے ہی واضح، دل نشیں اور کامل ہوا کرتے تھے۔ سورہ جن کا رکوع نمبر ۲ ملاحظہ ہو۔

تعلیم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا﴾ [الن: ۲۰-۲۲]

”میں تو صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ کہہ دیجئے! میں تمہارے نقصان اور نفع کا مالک نہیں ہوں، کہہ دیجئے مجھے اللہ کے سوا اور کوئی بھی پناہ نہیں دے سکتا اور مجھے اس کے سوا اور کوئی بھی پناہ کی جگہ نہیں ملتی۔“

(۱۳) سیزدہم

مصر پر حکومت یوسف علیہ السلام مصر پر حکومت خدام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو ملک مصر کی حکمرانی عطا فرمائی تھی۔

وہی ملک مصر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ راشد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تحت فرمان آیا تھا جن کے حسن انتظام سے تمام ملک میں اسلام پھیل گیا تھا۔

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں حجاز، نجد، یمن، حضرموت، تحت حکومت اسلام تھے۔ بحرین خراج گزار تھا۔ شام و حبش میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا جاتا تھا اور اسم ستودہ کا اعلان ہر تکبیر و اذان میں کیا جاتا تھا۔

قصور قیصر و کنوز کسریٰ کی مفتاح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلفا کو مغام کثیرہ کی بشارت عطا فرمائی تھی اور اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کسریٰ اور قیصر قیصر کی کنجیاں ان کے سپرد کی تھیں۔ مفسرین کو مکمل ملکہ من عامہ کو

استحکام اور توحید خالص کو نفاذ تام حاصل ہو گیا تھا۔

دین مبین اپنے جمال و فریب کے ساتھ جلوہ افروز عالم تھا۔

(۱۳) چار دہم

قحط مکہ و قحط مصر

حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد برادران یوسف قحط شدید میں مبتلا ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت از مکہ معظمہ کے بعد قریش بھی ایسے قحط سخت میں گرفتار ہوئے تھے کہ انہوں نے ایسا قحط شدید کبھی سنا بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے بطور پیشگوئی فرما دیا تھا۔

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ﴾ [۸/الأنفال: ۳۳]

”اللہ ان کو عذاب نہ دے گا۔ جب تک کہ خدا کا رسول ان میں ہے۔“

(۱۵) پانز دہم

درخواستِ ترحم از برادران

برادران یوسف علیہ السلام کو یوسف صدیق علیہ السلام کے سامنے ذلیل ہو کر درخواستِ ترحم کرنی پڑی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بھی ابوسفیان اُموی نے منجانب قوم خود حاضر ہو کر زاری و خواری کے ساتھ رحم کی التجا کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے قحط رفع ہوا تھا۔

(۱۶) شانز دہم

قوم کے لیے غلہ کی بہم رسانی

یوسف علیہ السلام نے پیداوار مصر کا غلہ بھائیوں کو دلایا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ حاکم نجد کو حکم بھیج کر مکہ میں غلہ بھجوا دیا تھا۔

(۱۷) ہفدہم

الزامات بنو اسرائیل اور الزامات قریش کا خاتمہ

یوسف علیہ السلام پر جو الزامات خاندانِ عزیزِ مصر نے لگائے تھے یا بھائیوں نے جن

مصائب کا آماج صدیق ﷺ کو بنایا تھا۔ اُن سب کا خاتمہ اس وقت ہوا جب حضور مصر کی وزارت عظمیٰ کے تخت پر شاہانہ اقتدار سے رونق افروز ہوئے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر بھی جو الزامات قریش نے قبل از ہجرت اور بعد از ہجرت چسپاں کئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن سب کو بھی فتح مکہ کے بعد معدوم فرمادیا تھا۔

(۱۸) ہژدہم

بنو اسرائیل اور قبیلہ بنو سعد بن بکر

یوسف صدیق ﷺ کے سامنے اُن کے دس بھائیوں نے ﴿مَسْنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ﴾ کہا تھا اور ﴿تَصَدَّقْ عَلَيْنَا﴾ کے الفاظ میں درخواست کی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جنگ حنین کے بعد جب قبیلہ بنو سعد بن بکر نے اسیران جنگ کے لیے رحم کی درخواست کی تھی۔ (اسی قبیلہ میں حضور نے ایام رضاع پورے کئے تھے) تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ ہزار زن و مرد کو آزاد فرمادیا اور اُن کو زائرہ بھی مرحمت فرمایا تھا۔

(۱۹) نوزدہم

لا تثریب علیکم

یوسف ﷺ نے اپنے بھائیوں کو ﴿لَا تَثْرِبَ عَلَیْكُمْ الْیَوْمَ﴾ [یوسف: ۹۲] کے مرثدہ سے خود مسند فرمایا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جملہ معاندین و مخالفین کو (جنہوں نے بیسیوں مسلمانوں کو قتل کیا، سینکڑوں کو ستایا اور ان کا گھربار چھین کر اُن کو آوارہ بنایا تھا) ازراہ کمال رحمت و غفویہی آیت تلاوت فرما کر ان کو حیات تازہ کی تہنیت سے شاد کام فرمایا تھا۔

(۲۰) بستم

مصر اور مدینہ میں ہجرت خاندان

برادران یوسف ﷺ بالآخر اپنے جملہ اہل و عیال کو لے کر مصر میں یوسف صدیق ﷺ کے پاس جا آباد ہوئے تھے۔

نبی ﷺ کی خدمت مبارک میں بھی قریش اور جملہ قبائل عدنان نے مکہ سے نکل کر مدینہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔

(۲۱) بست وکیم

تصدیق

یوسف صدیق نے اپنے وعظ میں یعقوب و اسحق و ابراہیم علیہم السلام کی نبوت کی تصدیق فرمائی تھی۔

نبی ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد یوسف صدیق کے فرزند عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی نبوت کی تصدیق فرمائی تھی اور مجمع عام میں مشرف بالایمان تازہ ہوئے تھے۔ یہ بزرگوار وہ تھے جن کو یہودیان حجاز سیدنا و ابن سیدنا مولانا و ابن مولانا کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ انہی کی صفت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ﴾ [۱۳۱/الرعد: ۴۳] ”وہ شخص جس کے پاس توراۃ کا علم ہے۔“

(۲۲) بست ودرود

خالہ اور اماں کی حرمت بمنزل والدہ

یوسف صدیق علیہ السلام کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ تاہم انہوں نے اپنی خالہ کا، جو اہلیہ یعقوب علیہ السلام بھی ہیں، اتنا ہی ادب و احترام کیا جتنا کہ حقیقی والدہ کا کرنا چاہیے۔

نبی ﷺ کی والدہ کریمہ کا انتقال بھی اس وقت ہو گیا تھا جب حضور ﷺ کی عمر ۶ سال کی تھی۔ مائی اُم ایمن رضی اللہ عنہا نے حضور کو گود کھلایا تھا نبی ﷺ ان کی کمال عزت فرماتے اور اُن کو اُمّی بَعْدَ اُمّی (ماں کے بعد یہ ماں ہے) فرمایا کرتے تھے۔

(۲۳) بست و سوسم

قلب پاک صدیق اور لواد اظہر نبوی پر دنیا کا کوئی اثر نہ تھا

یوسف صدیق کے دل صداقت منزل پر ولت و اقبال دنیوی اور حکومت شہی کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ وہ اس حکمرانی و فرمانِ دہی کے عالم میں بھی ﴿تَوَقَّعْنِي مُسْلِمًا وَّ الْحَقْنِي﴾

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مختار فرمادیا تھا کہ خواہ قیام دنیا کو پسند فرمائیں یا سفر آخرت منظور کریں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (فداء ابی وائی) ((اللّٰهُمَّ الرَّفِیقَ الْاَعْلٰی)) * ہی کو ورد زبان بنایا اور اسی وصال سے فائز بہرام ہونے کو دنیا و ما فیہا سے ارفع و اعلیٰ قرار دیا۔

اللہ اکبر! یہ لغتِ جلال اور محامد کمال صرف انبیاء کرام ہی میں پائے جاتے ہیں۔ جن کا ہر ایک فعل ہر ایک قول غور کرنے والے کے لیے ایک نور اور ہدایت ہے۔

ہم لوگ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کی پاک تعلیم کے موافق اللہ تعالیٰ کے ہر ایک نبی پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے آقا کو ہادی و منجی و داعی الی الحق، رحمۃ اللعالمین، خاتم النبیین اور سید المرسلین جانتے ہیں اور ختم کتاب سے پیشتر اس کلمہ شہادت سے اپنے دل و زبان کو پاک اور ایمان کو تازہ کرتے ہیں۔

کلمہ شہادت

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدَ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

درود بر محمد صلی اللہ علیہ وسلم و آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَاتَكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتَكَ عَلَى سَيِّدِ
الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ
رَسُولِكَ اِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ وَرَسُولِ الرَّحْمَةِ . اَللّٰهُمَّ
ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا يَغْطِيْهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ
عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى
اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى

بخاری: کتاب الدعوات، باب دعاء النبی ﷺ، اللهم الرفیق الاعلیٰ، رقم: ۶۳۳۸- مسلم: کتاب فضائل الصحابة باب فی فضل عائشة رضی اللہ عنہا، رقم: ۶۲۹۵- ترمذی، ابواب الدعوات، رقم: ۳۳۹۶- ابن ماجہ، ابواب الجنائز،

باب في ذكر مرض الرسول الله صلى الله عليه وسلم في سنة ٦١٩هـ - مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

إِلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَعَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ
حَمِيدٌ مُّجِيدٌ.

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.
رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ
وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي
إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي
وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ.

باب ذکر المشاہیر

جن ابرار کرام کے نام سورہ یوسف کی تفسیر کے دوران میں آ گئے ہیں۔ اُن کی مختصر
یادداشت ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ تاکہ ناظرین فی الجملہ اُن کے احوال سے اطلاع
حاصل کر سکیں۔

امام احمد بن حنبلؒ

ان کا نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معد بن عدنان میں جا کر شامل ہوتا ہے۔ ربیع
۱۶۳ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے اور جمعہ ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ کو بغداد میں وفات پائی۔ مسئلہ
خلق قرآن کی بابت سخت امتحان دینا پڑا۔ امام بخاریؒ و امام مسلمؒ ان کے شاگرد ہیں اور یہ
امام شافعیؒ کے تلامذہ خاص میں سے ہیں۔

احمد بن یحییٰ ثعلبؒ

ابوالعباس امام لغت تھے۔ ان کی کتاب معانی القرآن نہایت مشہور ہے۔ تفسیر
کشاف میں اس سے بہت استفادہ کیا گیا ہے۔ ۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور شنبہ ۱۷ جمادی
الاول ۲۹۱ھ کو بغداد میں وفات پائی۔

انس رضی اللہ عنہ

انس بن مالک رضی اللہ عنہ الانصاری الخزرجی۔ دس سال تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ سو سال سے زیادہ عمر پائی۔ ۱۰۰ سے زیادہ بیٹے پوتے دیکھے۔ بصرہ میں ۹۱ ھ کو وفات پائی۔

ایاس بن معاویہؓ

تابعین میں سے ہیں۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؓ نے اُن کو قاضی بصرہ مقرر کیا تھا۔ ان کے فیصلہ جات ان کی حیات ہی میں مدون کر لیے گئے تھے۔ ۱۲۲ ھ کو بصرہ ۷۶ سال وفات پائی۔

بریرہ رضی اللہ عنہ

یہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی لونڈی تھیں۔ اُن کا شوہر مغیث تھا۔ جو بنو مطیع کا غلام تھا۔ بریرہؓ آزاد ہو گئی تو اس نے نکاح مغیث میں رہنے سے آزادی کو پسند کیا۔

عبدالملک اموی کا (جو خاندان بنو امیہ کا مشہور بادشاہ ہے) بیان ہے کہ مجھے بریرہ نے کہا تھا کہ تجھ میں قابلیت سلطنت نظر آتی ہے۔ اگر تو بادشاہ ہو گیا تو خون ریزی سے اجتناب کرنا۔

اللہ اکبر! اہل بیت پاک کی لونڈیوں میں بھی کتنی فراست صادقہ اور نصیحت حقہ کی استعداد تھی۔

زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی، ام المومنین خدیجہ الکبریٰ کے بھتیجے، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے داماد، یکے از عشرہ مبشرہ ہیں۔

پنجشنبہ ۱۰ جمادی الاول ۳۶ ھ کو شہید ہوئے۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اُن کے قاتل کو مخاطب نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوزخ کی بشارت پہنچائی۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

لوگ ان کو ابتدا میں زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا کرتے۔ جب آیت ﴿ادْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ﴾ [الاحزاب: ۴۳] کا نزول ہوا تب زید بن حارثہ صحیح پتہ سے معروف ہوئے۔ یہ ام ایمن (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آیا) کے شوہر ہیں۔

اور اسامہ (حب رسول) کے والد ہیں۔ غزوہ موتہ کے اولین سردار یہی تھے۔ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان کی ماتحتی میں تھے۔ ان کی لاش کو دیکھا گیا تو (۹۰) زخم سامنے کی طرف تھے۔ غزوہ موتہ ۸ھ میں شہید ہوئے۔ ان کے فضائل میں سے اعلیٰ خصوصیت یہ ہے کہ مومنین امت محمدیہ میں سے صرف ان ہی کا نام قرآن پاک میں آیا ہے۔

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ

قبیلہ نخع بن عدی سے ہیں۔ بدر و حدیبیہ میں شامل تھے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو بطور سفارت مصر بھیجا تھا۔ ۳۰ھ کو بعمر ۶۵ سال مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

امام حسن رضی اللہ عنہ

سبط النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نصف رمضان ۳ھ کو پیدا ہوئے۔ ۳۹ھ میں اثر سم سے شہید ہوئے۔ مدینہ منورہ میں سیدہ بتول زہرا رضی اللہ عنہا کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ ان کے فضائل و محاسن نہایت مشہور ہیں۔

امام حسین رضی اللہ عنہ سبط النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۴ شعبان ۴ھ کو پیدا ہوئے۔ ۱۰ محرم ۶۱ھ یوم الجمعہ کو میدان طف میں شہید ہوئے۔

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ﴾ [الشعراء: ۲۲۷]

ہر دو شہزادوں کے مفصل حالات رحمۃ اللعالمین ج ۲ میں درج ہیں۔ میں نے سال

ولادت و وفات میں یہ قطعہ لکھا ہے۔

حسین آن زبده آل محمدؐ بزرِ ظل احمد شد مباہی
ہمہ کرب و بلا برداشت از صبر شہادت یافت دریاو الہی ۶۱ھ ✽
سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

سید الانصار تھے اور قبیلہ اوس کے مسلمہ سردار۔ غزوہ خندق سے ایک ماہ بعد شہید ہوئے۔ بنو قریظہ نے انہی کو ثالث مقرر کیا تھا۔ انہوں نے وہ فیصلہ دیا جو فیصلہ آسمانی کے مطابق تھا۔ ﴿اِهْتَمِزْ لَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ﴾ ان کی صفت ہے۔ یعنی ”رحمن کا عرش ان کے لیے جھوما۔“

سفیان ثوری رحمہ اللہ

امام مجتہد تھے۔ ثور بن عبد مناة کی نسل سے ہیں۔ امام الحدیث سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ میری آنکھ نے سفیان سے بڑھ کر علم و تقویٰ میں کوئی شخص نہیں دیکھا۔ ۷۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۱ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

سلطنت کی طرف سے اُن کو قاضی القضاۃ بنایا جاتا تھا لیکن ان کو حکومت سے نفرت تھی۔ اس لیے مخفی رہ کر زندگی بسر کی۔

قاضی شریح رحمہ اللہ

شریح بن الحارث، ابوامیہ، کبار تابعین سے ہیں۔ ایام جاہلیت بھی دیکھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو قاضی کوفہ مقرر کیا تھا۔ جہاں ۷۵ سال تک قاضی رہے۔ ۸۷ھ میں بصرہ میں صد سال وفات پائی۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

سب سے پہلے اسلام لائے۔ یار غار کے معزز لقب سے ملقب ہوئے۔ سب سے پہلے خلیفہ رسول اللہ کے لقب سے پکارے گئے۔ دو سال ۳ ماہ کی خلافت کے بعد شب جمعہ ۷ جمادی الآخر ۱۳ھ کو بصرہ ۶۳ سال انتقال فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہوئے

✽ حضرت حسین، آل محمد کے خلاصہ ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے کے نیچے وہ فخر کرنے والے تمام مصیبت و آزمائش کے مہول لائن سے بے پروا رہے اور اللہ کی نادیں شہادت پانچ پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اصلی نام عبد اللہ بن عثمان (ابوقافہ) ہے۔

قتال مزوریؓ

عبد اللہ بن احمد بن عبد اللہ الفقیہ الشافعی۔ ابو بکر کنیت، پہلے قفل سازی میں نام پایا۔ بھر ۳۰ سال کی عمر میں علم کی جانب متوجہ ہوئے اور امام کہلائے۔ ۹۰ سال کی عمر میں ۴۱۷ھ کو بمقام جستان وفات پائی۔ امام الحرمین کے والد شیخ ابو محمد جوینی ان کے شاگرد ہیں۔ فخر رازی نے تفسیر کبیر میں ان کی تفسیر سے بہت کچھ لیا ہے۔

عبادہ بن الصامت الانصاریؓ

بزرگ صحابہ اور نقبائے محمدیہ میں سے ہیں۔ مقام عقبہ کی ہر سہ بیعت ہائے میں حاضر تھے۔ یہ جامع کمالات ہیں۔ فاضل، معلم، قاضی، فاتح تھے۔

عبدالرحمن بن ابویعلیؓ

انصاری، فقیہ، ابویعلیٰ کنیت، مشہور بزرگ، تابعین سے ہیں۔ عثمان ذوالنورین حضرت علی مرتضیٰ اور ابویوب انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ شععی و مجاہد وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔ ۸۱ھ میں وفات پائی۔

امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورینؓ

چار واسطہ سے عبد مناف کو جا ملتے ہیں جو تین واسطہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے نواسے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو دختران کے (یکے بعد دیگر) شوہر ہیں۔ یکم محرم ۲۴ھ کو خلیفہ ہوئے اور ۱۷ ذی الحجہ ۳۵ھ یوم الجمعہ کو اپنے گھر میں محصور رہ کر بحالت صوم و تلاوت قرآن مجید شہید ہوئے، اس وقت ۸۲ سال عمر تھی۔

عثمان بن جنی

ابوالفتح، لغت کے امام، ابویعلیٰ فارسی کے شاگرد تھے۔ متنبی ان کی فہم و ذکا کا مداح تھا۔ ۳۳۰ھ میں پیدا ہوا اور ۲۸ صفر ۳۹۲ھ کو وفات پائی۔ ان کی کتاب الخصال ہمارے پاس ہے۔

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچیرے بھائی، نبوت کا پہلا دن تھا کہ دس سال کی عمر میں اسلام لائے۔ یوم الجمعہ ۱۷ ذی الحجہ ۳۵ھ کو خلیفہ ہوئے۔ چار سال ۹ ماہ کی خلافت کے بعد یوم الجمعہ ۱۷ رمضان ۴۰ھ کو عمر ۶۳ سال مسجد کوفہ میں زخمی ہو کر شہید ہوئے۔ سیدہ زہراء بتول رضی اللہ عنہا کے شوہر، ابوالحسنین اور خیر اہلبیت ہیں۔

ابن حزم رضی اللہ عنہ

علی بن احمد بن حزم الاندلسی، ابو محمد، ان کی تصنیف سے اسی ہزار ورق خود قلم لکھے ہوئے پائے گئے۔ ان کے والد سلطنت اندلس کے وزیر تھے۔ اول شافعی المذہب تھے پھر ظاہری المذہب ہوئے۔ ولادت چار شنبہ سلخ رمضان ۳۸۴ھ۔ وفات شنبہ دوم رمضان ۴۵۶ھ۔ مشہور کتاب الفصل انہی کی تصنیف سے ہے جو بغایت نافع ہے۔

خازن رضی اللہ عنہ

علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی، الصوفی، علاء الدین، تفسیر خازن کے مصنف ہیں۔ یہ تفسیر معالم بغوی کا خلاصہ بخلاف اسناد ہے۔ مؤلف نے احادیث صحیحہ کے حوالہ ایزاد کر دینے سے اس تفسیر کو معالم سے زیادہ مفید بنا دیا ہے۔ چار شنبہ رمضان ۷۲۵ھ کو تفسیر سے فارغ ہوئے۔ ۷۴۱ھ میں وفات پائی۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

آٹھ واسطے سے ان کا نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں شامل ہو جاتا ہے۔ ابو حفص کنیت ۸ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو خلیفہ ہوئے۔

شب چار شنبہ ۳ ذی الحجہ ۲۳ھ کو مسجد نبوی میں بحالت نماز فجر مجروح ہو کر شہید ہوئے۔ دس سال ۶ ماہ ۵ دن خلافت کی۔

خواجه فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ

فضیل بن عیاض بن مسعود۔ بشر التمیمی الطالقانی ابو علی کنیت، سمرقند یا ایبورد میں پیدا

ہوئے۔ کوفہ میں تکمیل حدیث کی پھر مکہ معظمہ میں رہے اور اسی جگہ محرم ۱۸ھ میں جاں بحق ہوئے۔ امام عبداللہ بن مبارک اور امام ابوعلی الرازی وغیرہ ائمہ حدیث نے ان کی بہت مدح کی ہے۔ قد وہ صوفیان چشت ہیں۔

ابو عبیدہؓ

قاسم بن سلام، ابو عبیدہ، حدیث فقہ اور تفسیر میں امام ہیں۔ فن غریب الحدیث میں سب سے پہلے انہوں نے الگ تصنیف کی۔

ان کی تصانیف ۲۰ و ۳۰ کتابوں کے درمیان ملتی ہیں۔ عبداللہ بن طاہران کو ۱۸ ہزار درہم ماہوار کا وظیفہ دیا کرتا تھا تا کہ فراغ خاطر سے تصنیف میں مشغول رہیں۔ امام اسحاق بن راہویہ کہا کرتے تھے کہ ہم کو ابو عبیدہ کی ضرورت ہے۔ اسے ہماری ضرورت نہیں وہ ہم سے زیادہ وسیع العلم ہیں۔ ولادت ۱۵۰ھ وفات ۲۲۴ھ مدینہ طیبہ میں مدفون ہوئے۔

کعب بن سور ازویؓ

صحابی ہیں۔ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو قاضی بصرہ مقرر کیا تھا۔ یوم الجمل میں فریقین کو سمجھاتے ہوئے قبل از جنگ تیرنا گہانی سے شہید ہوئے۔

امام محمد بن ادریس الشافعیؒ

یکے از ائمہ اربعہ۔ ۱۵۰ھ کو بمقام غزہ پیدا ہوئے۔ دو سال کے تھے جب مکہ معظمہ میں آئے۔ ۱۹۵ھ کو بغداد میں آئے۔ دو سال ٹھہرے، پھر مکہ معظمہ آئے، پھر ۱۹۸ھ میں بغداد آئے اور ایک ماہ ٹھہرے۔ پھر ۱۹۹ھ کو مصر گئے اور آخر وفات تک وہاں ہی رہے۔ وفات یوم الجمعہ ۲۰۴ھ کو ہوئی۔ امام مالکؒ کے شاگرد اور مجتہد مطلق ہیں۔

جملہ ائمہ حدیث وفقہ، اصول، نحو و لغت کا اُن کی ثقاہت و امانت، عدالت و زہد و ورع، نزاہت ذات، عفت اُس، حسن سیرت، علو قدر اور جو دو سخا پر اتفاق ہے۔

ابو ثورؒ کا قول ہے: ”آج اگر کوئی یہ کہے کہ اس نے کوئی شخص علم و فصاحت اور معرفت و ثبات میں مثل شافعیؒ دیکھا ہے تو اسے جھوٹا سمجھو۔“

محمد بن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ

محمد بن جریر بن یزید بن خالد الطبریؒ، ابو جعفر، تفسیر و تاریخ اور حدیث و فقہ میں امام تھے۔ ۱۲۴ھ کو آمل طبرستان میں پیدا ہوئے۔ یوم السبت ۲۶ شوال ۳۱۰ھ کو بغداد میں وفات پائی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ

کتاب الصحیح الجامع کے مصنف ہیں۔ ۱۶ سال میں ۶ لاکھ احادیث میں سے انتخاب کر کے اس کتاب کو تیار کیا۔ صدق (یوم الجمعہ ۱۳ شوال ۱۹۴ھ) میں پیدا ہوئے اور نور (یوم الفطر ۲۵۶ھ) میں وفات پائی۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ

محمد بن مسلم القرشی الزہری، ابن شہاب، اعلام تابعین سے ہیں۔ دس اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کیا۔ ۵۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴ھ کو وفات پائی۔

سیدنا محمد حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ

ابوالقاسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں۔ ان کی والدہ کا نام خولہ ہے۔ شیخ ابواسحاق شیرازیؒ نے ان کو بذیل فقہا شمار کیا ہے۔

ولادت ۲۱ھ وفات یکم محرم ۸۱ھ طائف میں مدفون ہیں۔ فرقہ کیانیہ کا اعتقاد ہے کہ علی مرتضیٰ کے بعد یہی امام اہل بیت ہوئے۔ ان کے بعد ہاشم عبد اللہ پھر محمد بن علی بن ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ کیانیہ کا اعتقاد ہے کہ وہ جبل رضوی میں مختفی ہیں اور وہی مہدی آخر الزمان ہیں۔

فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ

محمد بن عمر بن حسین بن حسن بن علی التیمی الکبری، علم نحو و طب، فقہ و اصول اور منطق میں تصانیف عدیدہ و مفیدہ کے مصنف ہیں، تفسیر کبیر انہی کی تصنیف ہے۔ ان کا سلسلہ شاگردی ۸ واسطوں سے امام شافعیؒ کو جاملتا ہے۔ عربی و فارسی میں قادر الکلام تھے۔

ولادت ۲۵ رمضان المبارک ۵۴۴ھ وفات یوم عید الفطر ۶۰۶ھ ہوئی، ہرات میں مدفون ہیں۔

سلطان محمود غزنویؒ

محمود بن بکٹگین، شب عاشوراء ۳۶۱ھ کو پیدا ہوئے۔ ۱۱ صفر ۴۲۱ھ کو وفات پائی۔
 یمن الدولہ، امین الامۃ لقب ہے۔ سلطان غزنوی، فاتح ہند، ان کا دربار مرجع فضلا و علما تھا۔
 قتال مزوری اس کے دربار کے شیخ الاسلام تھے۔ نہایت مشہور بادشاہوں میں سے ہیں۔
 متقی و پرہیزگار قبح سنت تھے۔

علامہ محمود زخشریؒ

تفسیر کشاف کے مصنف ہیں، معتزلی المذہب، ان کی تصنیف لغت و معانی و ادب کے لحاظ سے اس قدر مفید ہے کہ اس تفسیر کے بعد جس قدر تفاسیر لکھی گئیں، سب نے علوم بالا میں اس سے استفادہ اٹھایا ہے۔ ان کی رائے و فہم کو عقائد میں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ نحو و لغت، فقہ و تفسیر میں نہایت مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ ولادت چار شنبہ ۲۷ رجب ۴۶۷ھ وفات شب عرفہ ۵۳۸ھ۔

مرشد رضی اللہ عنہ

مرشد بن ابی المرشد الغنوی، باپ بیٹا دونوں مہاجر اور بدری ہیں۔ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے حلیف۔ مرشد رضی اللہ عنہ سریہ رجع میں شہید ہوئے۔

مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ

انصاری ہیں، وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ۱۴ سال کے تھے۔ شجاع عرب میں سے ہیں۔ ۱۶ سال تک مصر و افریقہ کے حاکم واحد رہے۔

مجاہد کا قول ہے کہ یہ نہایت صحیح قرآن مجید پڑھنے والے تھے۔ مساجد مصر میں سب سے پہلے انہی نے مینار تعمیر کر دیئے تھے۔ ۶۲ھ میں وفات پائی۔

مسلم بن عقیل الحجاج صاحب الصحیحؒ

حدیث کے لیے حجاز و عراق اور شام و مصر میں سفر کئے اور موجودہ کتاب کو تین لاکھ احادیث میں سے منتخب کر کے جمع کیا۔ ۲۵ رجب ۲۶۱ھ کو نیشاپور میں بمر ۵۵ سال انتقال کیا۔

مقداد بن الاسود الزہری رضی اللہ عنہ

یہ ولادت کے اعتبار سے مقداد بن عمرو مالک البہراوی (من قضاء) ہیں۔ وہب بن عبد مناف بن زہرہ کے پوتے، اسود نے ان کو متنبی بنالیا تھا۔ اس لیے ابن الاسود مشہور ہو گئے تھے۔ اظہار اسلام میں ساتویں شخص ہیں۔ بدر اور جملہ مشاہد میں ہمرکاب نبوی تھے۔ ان کا شمار فضلاء و نجباء و کبار الخیار صحابہ میں ہے۔ ۳۳ھ میں بمر ۷۰ سال ملک مصر میں وفات پائی۔ لاش مدینہ منورہ میں لائی گئی۔ عثمان ذوالنورین نے نماز جنازہ پڑھائی۔

فراء نحوی

یحییٰ بن زیادہ الاسلمی الدیلیسی، ابو زکریا، کوفہ میں پیدا ہوئے۔ بغداد میں قیام کیا۔ ۲۰۷ھ میں براہ مکہ معظمہ ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔
امام لغت ثعلب کا قول ہے کہ ”اگر فراء نہ ہوتا تو عربیت جاتی رہتی۔“ امام الفقہ محمد بن حسنؒ ان کے خالہ زاد بھائی تھے۔

رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

احقر محمد سلیمان عفی عنہ

www.KitaboSunnat.com



آخری گزارش

یہ تفسیر مکہ معظمہ میں جہاں سورہ مبارکہ کا نزول ہوا تھا۔ بتوفیق الہی لکھی گئی۔ ۷ اذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کو ختم ہوئی۔ خاتمہ بوقت واپسی جہاز موسومہ جدہ میں ۳ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ کو لکھا گیا۔

ناظرین کرام سے امید ہے کہ غلطی و لغزش کو معاف فرمائیں گے۔ اللہ جل جلالہ و عم نوالہ بھی میری لغزشوں کو معاف فرمائے۔

دوران تفسیر میں اگر کوئی لفظ یا فقرہ ایسا لکھا گیا ہے جو اللہ عز و جل کی مراد اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے موافق نہیں۔ میں خود اس سے بیزاری کا اعتراف کرتا اور رجوع الی اللہ کرتا ہوں۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ. ثُمَّ الصَّلَاةُ عَلَى
النَّبِيِّ فَإِنَّهُ يُبْدِي بِهَذَا الذِّكْرُ الْجَمِيلُ وَيُخْتِمُ.

خاکسار

راجی شفاعت و غفران

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری

خلف مولوی حاجی قاضی احمد شاہ صاحب مرحوم و مغفور



لِکْتِبَةُ الْحَاكِمِيَّةِ

۹۹۔۔۔ بے مائل ناؤں۔ لاہور

22608

نمبر



الجمال والكَمال
تفسير
سورة يوسف